توضیح البیان لخزائن العرفان

مولانا ابوالوفا غلام رسول سعیدی فاضل و مدرس
جامعہ نعیمیہ لاہور

مکتبہ نعیمیہ : چوک انگراں لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توضیح البیان الخزائن العرفان

اس کتاب میں سرفراز صاحب گکھڑوی کی تنقید متین کا مکمل اور راہ
سنت و باب جنت کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مبتدعین
دیوبند کی دوسری بے شمار کتابوں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور تمام
دیوبندی بدعات کا قلع قمع کر کے مسلک اہل سنت کو واضح کر دیا گیا
ہے۔ شرک و بدعت کی تعریفوں میں مبتدعین دیوبند
کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے ان کے خانہ ساز قواعد پر ان گنت
اشکال قائم کئے گئے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز
کے ترجمہ اور صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر جو گکھڑ سے
گند اچھالا گیا تھا۔ اسے اسی طرف لوٹا دیا گیا ہے۔ نیز ترجمہ اور
تفسیر کے ان مقامات سے حجابات اُٹھا دیئے گئے ہیں جنہیں
مبتدعین نے تعصب اور جہالت کی عینک سے دیکھا تھا۔

پتہ

مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور

074682
LIBRARY
TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

طبع . . . . . اوّل

تعداد . . . . . ایک ہزار

سن طباعت ۱۳۸۹ھ
۱۹۶۹ء

مطبع . . . . دین محمدی پریس لاہور

قیمت . . . . . . قسم اول سات روپے
قسم دوم پانچ روپے

طابع و ناشر . . . . . . مکتبہ نعیمیہ

ملنے کا پتہ

(۱) جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو۔ مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور

(۲) مکتبہ رضویہ نزد جلال ہسپتال اردو بازار لاہور

(۳) جامع مسجد الفاروق درس روڈ پونس پورہ لاہور۔

(۴) مکتبہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ

(۵) جامع صدیقیہ گکھڑ منڈی گوجرانوالہ

Masood Faisal Jhandir Library

الاھداء

میں اس ناچیز تصنیف کو مجدد ملت محسن اہل سنت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اور حضرت

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی

رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہِ عظمت پناہ میں پیش کرنے کی سعادت

حاصل کرتا ہوں۔ جن کی روحانی امداد و اعانت سے مجھ

جیسے ہیچ مداں کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین کی

توفیق حاصل ہوئی۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

ابوالوفا غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

مدرس دار العلوم جامعہ نعیمیہ و خطیب یونس پورہ

لاہور

استاذ العرب والعجم مولانا الحاج عطا محمد صاحب چشتی دامت برکاتہم کے فرمودات و تاثرات

الحمد للہ الرحمٰن الذی خلق الانسان الکامل حبیبہ و علمہ ما یکون وما کان والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ سید نبی عدنان الماحی آثار الکفر والطغیان۔ الامی العالم بالبطون و الظھور الکاشف لظلمات الظلم والشرور۔

امابعد۔ یہ امر شمس و امس سے بھی روشن تر ہے کہ ایمان کامل اور اسلام مکمل کی دو جزو ہیں۔ ۱ عقائد جن کا تعلق دل سے ہے۔ اور ۲ اعمال جن کا صدور جوارح اور اعضا سے ہوتا ہے۔ لیکن جزو اعلیٰ اور اصل عقیدہ ہے۔ اور اعمال فروع کا درجہ رکھتے ہیں۔ عقیدہ صحیحہ سے دل کی طہارت ہوتی ہے۔ اسلئے بغیر درستی عقیدہ کے کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ اور اختلاف مذاہب کی مدار اختلاف عقائد پر ہے۔ نہ کہ اختلاف عمل پر۔ اسی لئے مذاہب اربعہ باوجود اختلاف اعمال کے وحدۃ عقیدہ کی وجہ سے اہل السنت والجماعت کہلاتے ہیں۔ اور تو ہب تشیع اعتزال و خروج اختلاف عقائد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اہل السنت والجماعت نے درستی اعمال کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے کے باوجود صحت عقائد پر بڑا زور دیا ہے۔ اور عقائد میں توحید اور رسالت کا عقیدہ اہل سنت کے نزدیک بہت اہم ہے۔ اس تمہید میں میں یہ واضح کرنے کی کوشش کرونگا۔ کہ اہل سنت کے نزدیک توحید و رسالت کا مفہوم کیا ہے۔ اور اہل بدعت و بطالت کو اس عقیدہ میں کیا کیا ٹھوکریں لگی ہیں۔

ملت اسلامیہ سمحتہ بیضاء کی اساس اور بنیاد توحید ورسالت کے عقیدہ پر ہے۔ اور ان ہر دو امر کی صحت ہی صحت ایمان ہے۔ اہل السنت والجماعت کا عقیدہ توحید جس پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے۔ یہ ہے کہ عالم جو کہ جمیع موجودات ماسوا اللہ سے عبارت ہے۔ یہ سب موجودات توحید باری پر دلائل ہیں۔ اور ان دلائل کے علم سے توحید خداوندی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ دلائل کا علم ہوگا۔ اتنا ہی توحید کا علم بھی کامل ہوگا۔ اور کم دلائل کا علم نقصان توحید کو مستلزم ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین۔ علامہ علی قاری نے اس آیت مبارکہ کا جو معنی بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولے تعالے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ جیساکہ آپ کو زمین وآسمان کے عجائب دکھائے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان و زمین کے علوم دیئے تھے۔ تاکہ وہ اپنے مولے تعالے پر استدلال قائم کریں تو ان امور سے واضح ہوگیا کہ زمین وآسمان وما بینہما اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید کے دلائل ہیں۔ اور ان علوم سے توحید مکمل ہوتی ہے اور پھر یہ بات تو معمولی طالبعلم بھی جانتا ہے کہ عالم کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صانع پر دلیل دی جاتی ہے۔ یہاں علامہ علی قاری اور دیگر شراح حدیث نے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اس کو بھی ذرا سن لیجئے۔ وہ یہ کہ آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالے نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور رویۃ کو مشبہ بہ اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کے علم واراۃ کو مشبہ سے تعبیر فرمایا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں اقویٰ ہوتا ہے۔ تو پھر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ورؤیتہ جناب خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ سے کس طرح اقویٰ ہے شارح حدیث نے اس کا جواب دیا کہ آیت مذکورہ بالا میں خلیل صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کو پہلے اراۃ ہوئی اور بعد میں ایقان اور جس حدیث شریف میں حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا ذکر ہے۔ اس میں رویۃ باری عزاسمہٗ مقدم اور علم جمیع ما فی السمٰوات والارض مؤخر ہے۔ تو حاصل کلام یہ ہوا کہ حبیب صلوٰۃ اللہ نے مؤثر اور خالق سے اثر اور مخلوق کی طرف انتقال فرمایا اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کا معاملہ بالعکس ہے۔ علی قاری فرماتے ہیں۔

وبینھما بون بائن۔ یعنی ان دونوں علوم میں بڑا عظیم فرق ہے قرآن وسنت سے جو عقیدۂ توحید ثابت ہوتا ہے۔ اس کا ذکر اوپر بیان ہو چکا۔ اور اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی بھی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں ہے۔ تو یہ عقیدہ اس امر کو مستلزم ہے۔ کہ اس نبی کی توحید مکمل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ آپ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا۔ تو بتائیے جب آپ کی توحید مکمل نہیں ہے۔ تو پھر دنیا میں کسی کی توحید مکمل ہو سکتی ہے۔ اور بعض اہل بدعت نے عقیدۂ توحید کو اُلٹا جامہ پہنا دیا کہ اگر کسی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالےٰ نے اسکو عالم کی ہر ایک چیز کا علم عطا فرمایا ہے۔ تو یہ عقیدہ شرک ہے۔ یعنی عقیدۂ توحید کو جو براہین سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کو تو شرک قرار دیا۔ اور ان اہل بدعت نے عقیدۂ توحید یہ اختراع کیا کہ کامل موحد وہ ہے جس کو دیوار کے پیچھے کا علم بھی نہ ہو۔ اور پھر طرفہ یہ کہ ان اہل بدعت کے نزدیک شیطان لعین کی وسعت علمی تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور افضل الانبیاء

کے علم پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہُوا کہ شیطان کی توحید انبیا علیہم السّلام کی توحید سے اکمل ہے۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔ ع

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا نام خرد

یہانتک بندہ نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ ملت اسلامیہ کی اساس اول توحید کو اہل ضلالت نے کتنا غلط رنگ دیا ہے۔ اب آیئے آپکو دین متین کی بنیاد ثانی یعنی رسالت سے روشناس کرائیں۔ اور پھر اہل بدعت نے اس بنیاد میں جو قہر سامانیاں کیں ہیں ان پر سے پردہ اٹھائیں۔ اولاً آپ کو یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک عقیدہ رسالت کیا چیز ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ۔ اس آیت مبارکہ پر یہ اشکال ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ اس وقت مقرر کیا جاتا ہے۔ جب اصل کام انجام نہ دے سکے۔ اللہ تعالےٰ تو ہر قسم کے عجز سے پاک ہے پھر اس نے اپنا خلیفہ کیوں مقرر فرمایا۔

اس اشکال کا جواب علامہ بیضاوی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے

استخلفهم الله فی عمارة الارض و سیاسة الناس وتکمیل نفوسهم وتنفیذ امره فیهم لا لحاجة به تعالیٰ الیٰ من نیوبه بل لقصور المستخلف علیه عن قبول فیضه وتلقی امره بغیر وسط۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے سوا جتنی مخلوق ہے۔ اس میں اتنی استعداد نہیں ہے۔ کہ بلاواسطہ اللہ تعالےٰ سے فیض حاصل کریں۔ اس حکمت کی وجہ سے خلیفہ کی تخلیق ہوئی۔ علامہ فاضل لاہوری نے اپنے حاشیہ میں اس امر کی وضاحت کی ہے۔ کہ مخلوق میں کیوں استعداد فیضان نہ تھی۔ ملاحظہ ہو۔ لما انهُ فی غایة الکدورة والظلمة الجسمانیة

وذاته تعالیٰ فی غایة التقدس والمناسبة شرط فی قبول الفیض علی ماجرت به العادة الالٰھیة فلا بد من متوسط ذا جھتی التجرد والتعلق لیستفیض من جھة ویفیض باخری۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا تمام ارضی مخلوق میں کدورت یعنی میلا پن اور سیاہی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ میلا پن اور سیاہی سے بالکل پاک ومنزہ ہے۔ بلکہ کدورت اور ظلمت اللہ تعالےٰ میں محال ہے۔ اور مفیض اور مستفیض میں مناسبت شرط ہے۔ اور یہ شرط عادی ہے۔ ورنہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ پیدا کیا ہے۔ جو کہ تجرد کی وجہ سے اللہ تعالےٰ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس مناسبت سے باری عزّ اسمہٗ سے استفادہ کرتا ہے۔ اور تعلق بدنی کے لحاظ سے مخلوق کے مناسب ہے۔ اور اس مناسبت کی وجہ سے مخلوق اس سے استفادہ کرتی ہے۔ علامہ بیضاوی نے حیوانی بدن میں اس کی مثال دی ہے کہ مثلاً ہڈیاں گوشت سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیانی مناسبت نہیں ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے عادی طور پر نرم ہڈی کو پیدا کیا۔ جو کہ ظاہری رنگ کے لحاظ سے ہڈی ہے اور نرمی کے لحاظ سے گوشت سے مناسب ہے اور ہڈیاں اسی نرم ہڈی کے واسطے سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جو کہ ذو جہتین ہیں۔ ان میں تجرد اور نورانیت بھی ہے اور تعلق بشریت بھی۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ انبیاء ورسل صلوات اللہ علیہم اجمعین نہ تو خدا ہیں اور نہ ہی محض البشر کہ ان کی حقیقت محض حقیقت بشری ہو۔ اہل بطالت کو ہمارا چیلنج ہے کہ علامہ بیضاوی نے جس اعتراض واشکال کی طرف اشارہ فرمایا ہے

اہل بدعت اور اور صنادید دیوبند تقریر مذکور کے بغیر اس کا جواب دیں۔ اہل بطالت کا جو یہ مذہب ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی حقیقت صرف حقیقت بشری ہے۔ فرق صرف نزول وحی ہے۔ وجوداً وعدماً تو اس پر سابقہ اشکال لوٹ آئیگا کہ پھر انبیاء علیہم السلام بھی عدم مناسبت کی وجہ سے استفادہ از باری عز اسمہ نہیں کر سکتے۔ حقیقت میں مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی کی حقیقت صرف اور صرف بشری ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کا یہ اعتراض تھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کسی اور پر کیوں نازل نہ ہوئی۔ یہ ترجیح بلامرجح ہے۔ تو اللہ تعالٰی نے قرآن پاک میں فرمایا۔ اَللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ یعنی اللہ تعالٰی مقام رسالت کو خوب جانتا ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حقیقت ایسی ہے کہ اس میں استعداد رسالت ہے۔ اور مشرکین جن کا تم نام لیتے ہو۔ ان کی حقیقت میں یہ استعداد نادار دہے۔ اب اگر رسالت کے متعلق اہل بدعت کا مذہب مان لیا جائے کہ حقیقت انبیاء علیہم السلام صرف حقیقت بشری ہے۔ تو پھر کفار کے اعتراض ترجیح بلامرجح کا جواب آیتہ مذکورہ بالا سے کس طرح بیان کیا جاویگا۔ حیرت اس امر پر ہے کہ بانی ڈیوبند اور اہل بطالتہ کے پیر مغاں مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی آیتہ مذکورہ بالا کی یہی تقریر کرتے ہیں جس کو بندہ نے اوپر بیان کیا ہے بلکہ مولوی صاحب مذکور نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ زمین کا وہ حصہ مبارکہ جس پر کعبہ مکرمہ ہے۔ اسکی حقیقت دوسرے اجزاء ارضی سے مختلف ہے۔ ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی۔ شائد اہل بدعت یہ جواب دیں کہ ہمارے پیر مغاں نے یہ تقریر اہل سنت کو دھوکہ دینے کیلئے تقیۃً فرمائی ہے۔ تو لاجرم ہمارے

پاس اس جواب کا کوئی جواب الجواب نہیں ہے۔ مذکورہ بالا کلام تو تمام انبیاؑ علیہم السلام کے متعلق ہے۔ اور پھر افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیتہ مندرجہ ذیل میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

قولہ تعالےٰ (یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار) علامہ فاضل عبدالحکیم سیالکوٹی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

یعنی لانھا تکاد تعلم ولو لم یتصل بملک الوحی والالھام الذی مثل النار من ان العقول یشتعل عنھا وفیہ اشارۃ الی ما سیجئ من ان قولہ تعالےٰ اللہ نور السموٰت والارض تمثیل للقوۃ العقلیۃ فی مراتبھا۔ خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ اَللّٰہُ نورُ السمٰوٰت الآیۃ میں انبیاؑ علیہم السلام کے عقول کا بیان اور ان کی استعداد کی تمثیل ہے کہ اگر ان پر وحی والہام نہ بھی ہوتا تو اس میں استفادہ کی استعداد موجود تھی۔ اسی لئے محققین اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ کہ اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالفرض وحی نازل نہ بھی ہوتی تو بھی آپ ذاتی طور پر تمام مخلوقات سے افضل ہوتے۔ آپ کو جو منصب نبوت اور رسالت عطا فرمایا گیا ہے۔ یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔

قولہ تعالےٰ۔ نورٌ علیٰ نور یھدی اللہ لنورہٖ من یشآء یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالےٰ نے مرتبہ رسالت عطا فرمایا تو یہ نہ سمجھو کہ صرف اسی سے آپ کو نورانیت حاصل ہوئی۔ بلکہ اس رتبہ عالیہ سے قبل بھی وہ نور تھے۔ اور اعطائے رسالت نورٌ علیٰ نور ہے چونکہ اس پر یہ وہم ہوتا تھا کہ پھر اس ذات ستودہ صفات کی نورانیت تو بالکل اظہر ہوگی۔ اور اس کا انکار ناممکن ہوگا۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا گیا

یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء۔ یعنی اس نورٌ علیٰ نور کو غلاف بشریہ سے ڈھانک لیا جاویگا۔ اور اس نور تک مخصوص نفوس کی رسائی ہوگی۔ اور اذہان عالیہ اور نفوس قدسیہ کو ہی اللہ تعالٰے اس نور تک پہنچا ئیگا۔ باقی رہے اذہانِ قاصرہ سافلہ تو وہ صرف غلافِ بشریۃ پر رُک کر اسفل السافلین میں گر جائیں گے۔

یہانتک بندہ نے توحید ورسالت اہلِ سنّت اور اہلِ بدعت کو بیان کر دیا ہے۔ اور یہ ذکر اجمالی ہے۔ والتفصیل لا یسعہ ھذا المقام بل الاذھان۔ اب روز اول سے اہلِ حق اور اہلِ بطالت یا یوں کہہ لیجئے کہ ابتداء سے اولیاء الرحمن اور اور عباد الشیطٰن ستیزہ کار ہیں۔ ولنعم ما قیل

ع ستیزہ کار رہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں اشارہ بھی فرمایا ہے۔ جس کو بیہقی نے روائت کیا۔ (قولہ علیہ السلام یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین انتحال المبطلین وتاویل الجاھلین رواہ البیہقی فی کتاب المدخل (مشکوۃ شریف قولہ علیہ السلام ان اللّٰہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ رواہ ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ المصابیح ہر دو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے عادل علماء مجدد پیدا ہونگے کہ اہلِ بدعت کے دلائل کا ابطال اور ان کی تحریفات وتاویلات کا قلع قمع کرتے رہیں گے۔ اس امت میں سب سے مقدم یہ ستیزہ کاری سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں ہوئی۔ جبکہ آپ نے دعوٰی فرمایا کہ مجھ پہ تمام

اشیاء پیش کی گئی ہیں۔ اور میں مومن وکافر ہر ایک کو جانتا ہوں تو منافقوں نے کہا کہ (نحن معه وما یعرفنا) یعنی اگر سب کو جانتے ہو تو ہم کو بھی جانتے اور ہمارے نفاق پر مطلع ہوتے اور پھر ہم کو اپنے دربار میں حاضری کی اجازت نہ دیتے۔ تو جب آپ کو منافقین کے اس قول کا علم ہوا۔ تو لوگوں کو جمع فرما کر اعلان کیا کہ (ما بال اقوام طعنوا فی علمی فاسئلونی الحدیث) آپ نے منافقین کے قول بد تر از بول کو طعنہ سے تعبیر فرمایا۔ اور اعلان فرمایا کہ مجھ سے پوچھو آپ نے اپنی اس تقریر میں غصہ کا اتنا اظہار فرمایا کہ امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی۔ (رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا فاعف عنا الحدیث) اس کے بعد یہ فتنہ منافقین بالکل دب گیا۔ اور کبھی ان کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تا آنکہ سات سو ۷۰۵ پانچ ہجری میں علامہ محدث حافظ ابن تیمیہؒ نے مذکورہ بالا فتنہ اور کئی دوسرے فتنوں کو جنم دیا۔ اہل بدعت کا یہ محدث امیر عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا تھا کہ وہ مال کے ساتھ محبت کرتے تھے اور نیز اہل بطالت کا یہ علامہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق کہتا تھا۔ کہ چونکہ وہ ایام صبا اور طفلی میں مسلمان ہوئے تھے۔ جس کا ایمان مقبول نہیں لہٰذا علی رضی اللہ بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں۔ تو اس وقت کے علمائے اعلام نے اس علامہ کو للکارا اور زین الدین مالکیؒ نے اس علامہ کو مبہوت کر دیا۔ فبہت الذی کفر۔ چنانچہ اس علامہ کو قید کر لیا گیا اور پھر وہ تائب ہو گیا۔ تو قید و بند سے رہائی پائی لیکن پھر اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اور یہ فتنہ ذرا دب گیا اسی علامہ حرانی کے متعلق علامہ ابن حجر نے فتاوی حدیثیہ میں فرمایا۔ (و اضلہ اللہ علی علم) اور علامہ شامی نے فرمایا۔ (ابتدع ابن تیمیہ) یعنی

باوجود علم کے اس علامہ کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا۔ اور یہ کہ وہ اہلِ بدعت سے تھا اور پھر بارہ صد تینتیس ہجری میں محمد بن عبدالوہاب نجدی خارجی نے طاقت کے گھمنڈ پر اس فتنہ کو ہوا دی۔ اور نجد سے نکل کر حرمین پر قبضہ کر لیا اور اہلِ سنت کو مشرک قرار دے کر قتل کیا۔ تو سلطان روم نے اپنا لشکر بھیج کر اس فتنہ کا استیصال کر دیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ اور ان نجدی زعماء کے کان کاٹ کر سامان عبرت مہیا کیا۔ اب اس فتنہ نے عرب سے نکل کر ہندوستان کا رُخ کیا اور ہند میں جائے پناہ کو ڈھونڈھنا شروع کیا۔ چونکہ دہلی میں ولی اللّٰہی خاندان کے اکابرین دار الآخرۃ کو تشریف لے گئے تھے۔ اور ان کی سجادگی مولوی محمد اسمٰعیل الملقب بالملقب المصنوع القتیل کو حاصل تھی۔ لہٰذا اس فتنہ نے مولوی صاحب قتیل کی کمزوری اور عجلت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور القتیل الشہیر نے اسکو اپنی آغوش عاطفت میں جگہ دی اور سابقہ فتنوں کے ساتھ کئی اور فتنوں نے جنم لیا۔ اور اس قتیل نے امکان کذب باری تعالیٰ عما یقول الظالمون علوا کبیرا کا فتنہ کھڑا کیا۔ تو استاذ الکل فی الکل حضرت امام فاضل کامل حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد بلیغ فرمایا کہ باید و شاید اور پھر مولانا محمد احسن المعروف حافظ دراز پشاوری کی سعی مشکور سے سرحد کے غیور محب النبی صلی اللہ علیہ وسلم پٹھانوں نے بانیٔ فتنہ کو ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا۔ اور یہ فتنہ ایک دفعہ پھر سے بے یار و مددگار ہو گیا چونکہ مولوی قتیل و شہید فی حب السلطنت کے جانشین دیوبند میں جمع ہو چکے تھے۔ اور اس جانشینی پر نازاں و فرحاں تھے۔ اسلئے اسمٰعیلی فتنہ نے صنادید دیوبند کو معمولی سی بحث کے بعد رام کر لیا۔ کہ یا تو سجادگی سے دست بردار ہو جاؤ اور یا اپنے پیر دہلوی کا

مسلک اپناؤ پس اکابرین دیوبند نے دوسری شق کو ترجیح دی۔ چونکہ اس فتنہ کا اظہار عامتہ المسلمین میں بدظنی کا باعث تھا۔ اسلئے ان صنا دید دیوبند سے بعض نے تو تقیہ کیا اور بعض نے اپنے ما فی الضمیر کا پورا پورا اظہار کیا لہٰذا اس وقت کے مجدد اعظم اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب بریلوی قدس سرہ العزیز نے یک و تنہا اس گروہ کا اس قدر رد بلیغ فرمایا کہ اس کی تفصیل کیلئے مجلدات بھی نا کافی ہیں۔

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز کے علمی دبدبہ اور رعب کا یہ حال تھا کہ باوجود کوشش بسیار کے ذریۂ اسمٰعیل کے کسی فرزند کو مناظرہ کی توفیق نہ ہوئی اور تاریخ و مقام مناظرہ متعین ہونے کے باوجود اعلیٰحضرت نے وقت اور مکان کی پوری پابندی کی، سجادگانِ قتیل و شہید یا وہاں نہ گئے۔ اور یا جاکر راہِ فرار اختیار کی۔ حالانکہ اعلیٰحضرت کے وصال کے بعد بیسیوں مناظرے معرض وجود میں آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پس ماندگانِ قتیل کے پھیپھڑے اس شیر نر سے کانپتے تھے۔ اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں اور جس مسئلہ پر قلم اُٹھایا اس کو الم نشرح کر کے چھوڑا۔ ان تمام تصانیف کا سرتاج اُردو کا اُردو ترجمہ قرآن پاک ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔ اور اس ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہوتا ہے۔ جس کو اعلیٰ درجہ کی تفاسیر پر پوری نظر ہے۔ اس ترجمہ مبارکہ میں محققین مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے۔ اور جن اشکالات اور انکے حل کو مفسرین نے صفحات میں جاکر بمشکل بیان فرمایا ہے۔ اس محسن اہلسنت نے اس کو ترجمہ کے چند الفاظ میں کھول کر رکھدیا۔ بندہ ضروری سمجھتا ہے کہ چند مثالیں یہاں پیش کرے۔ مثال اول قرآن پاک میں ہے۔ لا ریب فیہ

عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنس ریب کی نفی ہے۔ اور لفظ (فی) کا مدخول ظرف ہوتا ہے۔ کبھی زمان اور کبھی مکان۔ تو اب معنی یہ ہوگا۔ کہ قرآن پاک جنس ریب کا محل نہیں بنا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں کسی نے شک نہیں کیا۔ حالانکہ دوسری آیت میں ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا اس آیت مبارکہ سے پتہ چلا کہ قرآن کریم محل ریب بنا اور لوگوں نے اس میں ریب کیا ہے تو اس اشکال کو دور کرنے کیلئے علامہ تفتازانی نے مطول میں اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر شہیر میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر طویل ترین عبارت کو سپرد قلم کیا ہے۔ لیکن اس بحر زخار نے صرف چند الفاظ میں تمام اشکال کا رفع فرما دیا۔ آپ بھی سنئے (قرآن کریم کوئی شک کی جگہ نہیں۔ اس مختصر عبارت کی بلاغت وہی جانتا ہے جس کو علوم وفنون سے مس ہو۔ اور اگر بندہ اس کی تشریح کرے۔ تو مضمون طویل ہو جائیگا۔

مثال دوم۔ قولہ تعالےٰ۔ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون میں سب تراجم اس طرف گئے ہیں۔ کہ لفظ لعل بمعنی لکی ہے۔ یعنی تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ لیکن علامہ بیضاوی نے اس کے متعلق فرمایا (لم یثبت فی اللغۃ مثلہ) پھر علامہ مذکور نے فرمایا کہ یہ حال ہے۔ ضمیر اعبدوا سے تو معنی یہ ہوگا کہ (اعبدوا راجین ان ینخرطوا فی سلک المتقین) امام اعلحضرت نے اس ترجمہ کو اختیار فرمایا اور دریا کو کوزہ میں بند کر دیا۔ اور پھر اس پر حضرت مولانا صدر الافاضل حافظ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے ایسی تفسیر لکھی کہ پڑھنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ کہ ترجمہ احسن ہے یا کہ تفسیر اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں احسن ہیں تفسیر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر تمام تفسیر کو ترجمہ میں اپنی اپنی جگہ رکھ دیا

جائے تو مزج کے طور پر ایک آدمی کی عبارت معلوم ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مسلسل عبارت ہے۔ بہرحال بندہ بہت دور چلا گیا۔ آمدم برسر مطلب۔ بات اس میں چل رہی تھی کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز نے اپنے وقت کے اہل بطالت اسمٰعیلیوں کو للکارا۔ اور ہندوستان میں اہل سنت کا سکہ بٹھایا۔ اعلیٰحضرت کے بعد ان کے جانشینوں نے پھر اعلیٰ حضرت کے مشن کو حتی المقدور پورا کیا۔ اب ہم ذرا سا پیچھے ہٹ کر آپ کو بتلاتے ہیں کہ مولوی اسمٰعیل کے زمانہ تک سابق پنجاب و سرحد جو آجکل مغربی پاکستان سے موسوم ہے۔ اس زہریلے اثر سے محفوظ تھا۔ خوش قسمتی سمجھئے یا کہ بدقسمتی کہ اس دوران میں واں بھچراں ضلع میانوالی کا ایک طالبعلم گنگوہ پہنچا اور مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس طالبعلم کو ایسا انجکشن کر دیا جس کی ایجاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نفاق کی کیمسٹ فیکٹری میں ہوئی تھی اور محدث ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی وغیرہما نے اس کے تیر بہدف علاج کی تشہیر کی۔ پھر کیا ہوا۔ مغربی پاکستان میں فتنہ نجدیت کا کہرام مچ گیا اور اس فتنہ کے مفاسد دیکھ کر عوام انگشت بدنداں رہ گئے۔ آخر حضرت السید السند قطب الوقت عالم علم لدنی الشیخ الرئیس حضرت سیدنا و مولینا و مرشدنا سید پیر مہر علی شاہؒ وارث علوم غوث الثقلین نے واں بھچراں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا اور تلمیذ گنگوہی پر صرف ایک سوال کیا۔ جس کا جواب مولوی واں بھچراں اور ان کے تمام معاون اور مددگار نہ دے سکے۔ اور یہ مولوی صاحب حضرت گولڑوی کے روبرو ایسے مبہوت ہوئے کہ ایک مشہور روایت کے مطابق ان کا پیشاب بھی خطا ہو گیا۔ اور واں بھچراں میں یہ فتنہ وقتی طور پر دفن ہو گیا۔ اگرچہ اس فرقہ واں بھچراں کے عقائد وہی تھے

جو کہ صناد ید دیوبند کو مولوی محمد اسماعیل سے وراثت میں ملے تھے۔ لیکن اکابر دیوبند عوام الناس میں شیعہ شنیعہ کی طرح ذرا تقیہ سے کام لیتے تھے۔ لیکن اس مولوی صاحب واں بھچراں نے تقیہ سے انکار کیا۔ اور معہ اپنی اصلی شکل کے لوگوں کے سامنے عریاں ہو گئے۔ اسلئے دیوبندی حضرات ذرا اس فرقہ واں بھچراں سے خفا ہو گئے۔ تو اُن کو ایک اور سہارے کی ضرورت پڑی اور سعی بسیار کے بعد ان کا مقصد گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں حل ہو گیا۔ چنانچہ سرفراز صاحب نے اہل السنت والجماعت کے حق میں ہرزہ سرائی شروع کی ابتداء میں تو اہل السنت نے اس زہر افشانی کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور اس کی وجہ شائد یہ تھی۔ کہ ..... کارواں تو چلتا ہی رہتا ہے۔ جب سرفراز صاحب نے دیکھا کہ ہر دو مقصد فوت ہو رہے ہیں۔ اور میں صرف ایک ہاتھ سے تالی پیٹنے کی ناکام سعی کر رہا ہوں۔ اور میرے ولی نعمت ممکن ہے کہ مجھ سے بدظن ہو جائیں۔ کہ اس کی طرف تو التفات نہیں کیا جا رہا۔ تو اس نے اپنی لن ترانیوں میں ایک اور قدم آگے بڑھایا۔ جب علماء اہل سنت نے دیکھا کہ سرفراز صاحب حد سے بڑھ رہے ہیں۔ تو بعض نے معمولی تنبیہ پر اکتفا کی۔ اب جب سرفراز صاحب نے دیکھا کہ میری طرف التفات ہونے لگا ہے۔ تو انہوں نے اعلیٰحضرت بریلوی اور صدر الافاضل کے ترجمہ اور تفسیر پر تیرہ جگہ اعتراض شائع کئے اور رسالہ کا نام تنقید متین رکھا۔ پھر اہل سنت نے یہ محسوس کیا کہ یہ معمولی تنبیہ انہیں کافی نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کی اصلاح کیلئے مفصل اور مکمل تردید کی ضرورت ہے۔ اس بناء پر میرے عزیز القدر الفاضل العلامہ وحید الزمان صاحب القلم والبیان مولانا مولوی غلام رسول صاحب سعیدی مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور نے اپنے نہایت مصروف وقت سے کچھ فرصت کے لمحات

نکال کر تنقید متین کا رد بلیغ کیا اور محاربۃ عن اللہ جل شانہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ جلیلہ ادا کرنے کی سعی مشکور فرمائی اور کتاب کا نام توضیح البیان لخزائن العرفان رکھا۔ اس فقیر سراپا تقصیر نے تمام کتاب مولانا سعیدی سے من اولہ الی آخرہ نہایت غور و غوض سے سنی۔ اور اس دوران بیشتر مباحث پر سعیدی صاحب کو اپنے مشورے بھی دیئے۔ اگر یہ فقیر اس کتاب کی تمام خصوصیات بیان کرے تو شاید ماسبق کے برابر اور لکھنا پڑے۔ جس کی وقت اور مقام اجازت نہیں دیتا لیکن بمصداق ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے مطابق اجمالی طور پر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور کتاب کی چند خصوصیات سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

اول۔ ایمان کامل کی دو جز ہیں عقیدہ اور عمل اور عقیدہ عمل کی بنیاد ہے بغیر عقیدہ عمل بیکار اور پھر عقائد کا سرتاج عقیدۂ توحید و رسالت ہے اور تقریباً تمام اہل بطالت نے توحید و رسالت ہی میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اس زیر تبصرہ کتاب میں توحید و رسالت کا وہ مفہوم بیان کیا گیا ہے جس پر کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین دلالت کرتے ہیں۔ اور اس عقیدہ کے پرچار کیلئے انبیاء عظام کی بعثت ہوئی۔ لہٰذا اسی عقیدہ کا صحیح مفہوم بیان کرنا اسوۂ حسنہ کا اتباع ہے

نہ کہ من گھڑت بے سروپا اختراعات اسوۂ حسنہ کے زمرے میں آتے ہیں جیسا کہ مقرظین صفدر کی رائے ہے۔

دوم۔ اکثر قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کا رد کرنا ہو تو صرف اتنی عبارت پر اکتفا کی جاتی ہے جو رد کیلئے کافی ہو لیکن علامہ سعیدی کے جوان علم نے

اس قاعدہ پر عمل کو پہلوان کے ہاتھ میں چھڑی تھما دینے کے مترادف قرار دیا۔ کیونکہ الباطل الملحی تو گز رگراں کا مستحق ہوتا ہے۔ اسلئے مولانا نے جہاں جہاں سرفراز صاحب کا رد فرمایا ہے۔ تو پہلے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی ہے اور اس مسئلہ کے تمام نشیب و فراز پر بحث کی ہے۔ اور اس کے ہر گوشے کو کھنگال کے رکھدیا ہے۔ اور تمام دلائل کو حتی المقدور ایک جگہ پر جمع کر دیا ہے۔ جو کہ موتیوں کی طرح قرطاس کتب پر بکھرے پڑے تھے۔ تاکہ قارئین مسئلہ کی تہ تک پہنچ سکیں۔ اور رد بلیغ کے ساتھ ساتھ پورے مسئلہ پر گفتگو کر سکیں

سوم۔ چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ (العلوم تزداد یوما فیوما) تو متاخر کے سامنے کتب کا ذخیرہ چونکہ زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے بسا اوقات متاخر ایسے دلائل بیان کرتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ دلائل کی تقریر ایسے اچھوتے انداز میں کرتا ہے کہ کتب متقدمین اس سے مجموعی طور پر خالی ہیں۔ بنا بریں کتاب زیر تبصرہ میں قارئین کو ایسے دلائل ملیں گے اور ان کا طرز استدلال ایسا انوکھا ہوگا کہ کتب سابقہ اس سے خالی ہیں! اور اس سے متقدمین کی گستاخی مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ متاخر کیلئے کتب متقدمین اساس کا کام دیتی ہیں۔ قدماء نے بنیاد مستحکم کی اور متاخرین نے اس پر محل تعمیر کیا۔ یہ امر تحریر کرنے کی ضرورت اسلئے پیش آئی۔ کہ ناہموار طبائع تعصب کے طور پر جھٹ گستاخی کا فتویٰ صادر کرتی ہیں۔ دیکھئے شیخ محمد عبدالحق قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین المطہرین کی شرافت وطہارت اور اسلام کا مسئلہ متاخرین پر منکشف ہوا ہے۔

چہارم۔ چونکہ کلام پاک ایک جامع کتاب اور مختلف الانواع مسائل کا گنجینہ

ہے۔ تو اس کلام پاک کا ترجمہ اور تفسیر انہیں مسائل کی حامل ہوگی اور چونکہ صاحب تنقید نے اہل سنت کے ہر مسلک اور عقیدہ پر تعصب کے طور پر حملہ کیا ہے۔ اور علامہ سعیدی نے ہر جگہ اس کا تعاقب فرمایا ہے۔ اور ہر مسئلہ کو شرح اور بسط سے بیان کر دیا ہے۔ تو تقریباً تمام متنازع فیہا مسائل مع دلائل قاہرہ کتاب زیر تبصرہ میں آگئے ہیں۔ تو اب یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے۔ کہ ایسی جامع مختلف الانواع کتاب آج تک منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوتی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

پنجم۔ کتاب زیر تبصرہ استدلال اور رد کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ کتاب وسنت اقوال صحابہ تابعین تبع تابعین آئمہ مجتہدین خصوصاً علمائے احناف کثر ہم اللہ تعالیٰ سے تمسک کیا گیا ہے۔ اور سرفراز صاحب کے اکابر کے اقوال وخود سرفراز صاحب کی اپنی عبارات سے رد بلیغ اس طور پر کیا گیا ہے کہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ سرفراز صاحب نے جو تنقید کی ہے۔ وہ نرا تعصب ہے۔ ورنہ اس کے اکابر اور وہ خود بھی اس تنقید سے محفوظ نہیں ہیں۔

ششم۔ سرفراز صاحب نے کئی مقامات پر صرف دعوی پر اکتفا کیا ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ اور اپنے دعویٰ کو بالکل تشنہ چھوڑ دیا ہے۔ اسلئے علامہ سعیدی صاحب نے ان کو وہاں آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ باتیں تو ایک مبتدی ہی کر سکتا ہے۔ برخلاف علامہ سعیدی کے کہ انہوں نے صرف لانسلم پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہر دعوے کو براہین سے مبرہن کیا ہے۔

ہفتم۔ طرز تحریر اور انداز بیان نہایت برجستہ اور فصاحت الفاظ اور

حلاوت کلام ایسی ہے کہ بار بار سننے اور پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا بہت بڑا ادیب اپنا شاہکار پیش کر رہا ہے۔ ھذہ سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء۔ الالتماس فی حضرت رب العلمین جل شانہ۔ سبحانک اللھم اے ہمارے رب ہر دور میں معاندین نے تیری تنزیہہ پر حملہ کئے۔ اور قبائح کو تیری ذات مقدسہ مطہرہ کی طرف منسوب کیا۔ اور اسی طرح اہلِ بدعت نے تیرے حبیب لبیب معظم مکرم کی توہین کا ارتکاب والتزام کیا ہے لیکن ہر زمانہ میں تو نے ہم اہل السنت والجماعت کو یہ توفیق سعید عطا فرمائی۔ کہ تیرے اور تیرے حبیب صلوات اللہ علیہ کی طرف سے جہاد اور محاربہ کریں۔ فالحمد للہ علٰی ذالك والشکر اگر ہمارا ہر بال کروڑ زبانوں کی شکل اختیار کرے اور ہم تیرا شکر ادا کرتے رہیں۔ تو ہم ادائے شکر سے قاصر ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمے کنی
منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

حررہ

المفتقر الی اللہ الصمد خادم العلم
عطا محمد چشتی۔ گولڑوی عفی عنہ

تقریظ از مفتیٔ پاکستان استاذ العلماء علامہ محمد حسین صاحب نعیمی دامت فیوضہم العالیہ

مولوی ابو الزاہد محمد سرفراز صاحب گکھڑوی جو دیوبندی مکتبۂ فکر کا خصوصی ناقوس اور ایک بیباک ترجمان سمجھا جاتا ہے۔ جس نے چند سال سے علماء اہل سنت کی تصانیف پر بے سروپا اعتراضات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اور مسلک حقہ اہل سنت کے خلاف جارحانہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ گکھڑوی موصوف کا اندازِ کلام اور طرزِ بیان سوقیانہ اور تحریر و تخاطب کا طریقہ گستاخانہ ہے جس کی نمایاں مثال تنقید متین کتاب کا اندازِ تحریر ہے۔ اس میں امام اہل سنت اعلیٰحضرت احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی کے ترجمہ اور صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب فاضل مرادآبادی قدس سرہٗ العزیز کی تفسیر پر تنقید اور تردید و تغلیط کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اہلسنت کی شخصیات پر رکیک حملے کئے ہیں اور بزرگانِ دین کی شان میں توہین آمیز جملوں سے اپنی بے باکی اور دنائت مزاجی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی نے اپنی اس تصنیف میں تیرہ ۱۳ مسائل پر تبصرہ کیا ہے۔ اور ان مسائل کو بیان کرتے ہوئے کہیں تحریف سے کام لیا ہے اور کہیں تجاہل سے، اور کہیں خلط مبحث سے اپنا کام نکالا ہے۔ اور کہیں دور از کار یاوہ گوئی سے اور کہیں اہل سنت کے ذمہ ایک مسئلہ کو اپنی طرف سے فرض کر کے تعلّی اور مبازرت کے ڈونگرے بجائے اور جگہ جگہ اس کتاب میں نہایت بے باکی اور غلط بیانی و کوتاہ نظری کا

شرمناک مظاہرہ کیا ہے۔ مولانا ابو الوفا غلام رسول صاحب سعیدی فاضل و مدرس دار العلوم جامعہ نعیمیہ زاد اللہ اقبالہٗ نے تنقید متین کے جواب دینے کا ارادہ کیا۔ اپنی تدریسی اور تعلیمی خدمات کی انجام دہی کے دوران تھوڑا وقت نکال کر توضیح البیان لخزائن العرفان بجواب تنقید متین تحریر فرمائی۔ اس کے جواب میں ہر زیر بحث مسئلہ کو پوری تحقیق اور مستند حوالہ جات کے ساتھ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ نیز مولوی سرفراز صاحب کی طرف سے طعن و تشنیع اور تجہیل و تعلّی کا کما تدین تدان کے مطابق پوری طرح تحلیل و تجزیہ بھی کر دیا ہے۔ ادب کی لطافت اور اردو زبان کی چاشنی کو بھی قائم رکھا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ مولٰنا ابوالوفا غلام رسول صاحب سعیدی اجابت اللہ سعیہ کو دارین کی سعادت عطا فرمائے۔ اور مسلک حقہ اہل سنت کی ترویج و تبلیغ میں توفیق رفیق نصیب فرمائے۔

آمین

معروضات

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی کے علمی کارنامے یوں تو اَنگنت اور بے شمار ہیں۔ لیکن جو خصوصیت آپ کے ترجمہ قرآن کو حاصل ہے۔ وہ اسی کا حصہ ہے۔ یہ ترجمہ تمام معتبر تفاسیر کا خلاصہ ہے آسان اور سادہ عبارت کے ٹکڑوں میں حقائق و معارف کے خزینے سمو کر لکھدیئے ہیں۔ کلام الٰہی کی ظاہر نصوص پر جو اشکال وایراد ہوتے ہیں۔ ترجمہ کی خوبی سے وہ سب مندفع ہو جاتے ہیں۔ اس ترجمہ میں رازی کی موشگافیاں ہیں۔ غزالی کا تصوف ہے۔ جامی کی وارفتگی ہے۔ نعمان کا تفقہ ہے۔ آلوسی کی دقت ہے۔ مَیں نے اعلحضرت کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن جب مَیں اعلحضرت کی تحریرات کو دیکھتا ہوں۔ تو میرے ذہن میں ایک ایسی شبیہ اُبھرتی ہے جس کی آنکھوں میں فاروقی جلال۔ لبوں پر ملکوتی تبسم۔ چہرہ ایسا جیسے کھلا ہُوا قرآن۔ گفتار میں علی مرتضیٰ کی حلاوت۔ کردار میں ابوذر کا استغنا۔ نفس میں گرمیٔ صدیق رضؓ انداز میں بلال کی تب و تاب۔ الغرض اعلحضرت کی شخصیت کیا ہے۔ گویا انجمن عشاق مصطفےٰ کا ایک جامع عنوان ہے۔

آئیے اب آپ کے سامنے ترجمہ اعلحضرت کی خصوصیات سے ایک جھلک پیش کریں۔ جسے دیکھ کر قاری بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے۔ کہ جس طرح اصل منزل من اللہ ہے۔ اسی طرح اس کا ترجمہ ملہم من الباری ہے۔ دیکھئے قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فان یشا اللّٰہ یختم علےٰ قلبک مبتدعین دیوبند کے حکیم علی الاطلاق مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے

ہیں۔ "سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے" آپنے غور فرمایا کہ تھانوی صاحب کے دل پر تو علم و عرفان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اور نبی علیہ السلام کے دل پر بند لگایا جا رہا ہے۔ خواہ امکان کے مرتبہ میں ہی سہی۔ انہوں نے بغض رسالت کا بخار نکالنے کے لئے راہ پیدا کر ہی لی اسکے بالمقابل اعلحضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ اس آیت کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

"اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرما دے"

جس کی رگوں میں محبت رسول لہو بن کر موجزن ہو۔ جس کے دل کی ہر دھڑکن سینہ پر عشق رسول کی ضرب لگاتی ہو۔ اسے قرآن کریم کی ہر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و مدحت ملتی ہے۔ اور جس کے مقدر میں ابوجہل ٹھوکریں اور بغض رسالت کی رسوائیاں ہوں۔ وہ یوں ہی بذیاں کیا کرتا ہے۔ کبھی علم رسالت کے تقدس کو بہائم و مجانین کی تشبیہ سے داغدار کرنے کی سعی کرتا ہے۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت سے غافل ہونے کا افترا باندھتا ہے۔

مبتدعین دیوبند کے یہی حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی حفظ الایمان ص۸ پر لکھتے ہیں۔

"دریافت طلب یہ امر ہے۔ کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے، یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے"

میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات یوں نہیں کہی جا سکتی تھی کہ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم

غیب تو جبریل و عزرائیل، حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم کے لئے بھی حاصل ہے۔ اگر مقصد تخصیص پر اشکال تھا۔ تو وہ اس شریفانہ طریقہ سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ لیکن دل میں جو عداوت رسول کا لاوا اُبل رہا تھا وہ کس طرح پھٹتا اور اس خبث باطنی کا اظہار کیسے ہوتا۔ خوب یاد رکھئے جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے۔ جس کے دل میں کسی کے لئے عزت اور احترام ہوتا ہے وہ ہمیشہ اس کی اعلیٰ اور ارفع اشیاء سے تشبیہ دیتا ہے اور جو کسی کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ وہ اس کو ارذل اور گھٹیا چیزوں سے تشبیہ دیتا ہے۔

علامہ بیضاوی انوار التنزیل ص ۳۷ ج ۱ طبع مصر پر فرماتے ہیں۔

والشرط فیه وهو ان یکون علی وفق الممثل له من الجهة التی تعلق بها التمثیل فی العظم والصغر والخسته والشرف۔	اور مثال دینے میں شرط یہ ہے کہ وہ مثال۔ عظمت و حقارت اور ذلت و شرف میں ممثل لہٗ کے موافق ہو۔

پس جس کے نزدیک علم رسالت میں عظمت ہے وہ فرماتا ہے

انا اوحینا الیك كما اوحینا الی نوح والنبیین من بعده	ہم نے آپ کی طرف ایسی وحی کی ہے۔ جیسے حضرت نوح اور ان کے بعد والے انبیاء کی طرف وحی کی تھی۔

یعنی آپ کو بذریعہ وحی ایسا علم عطا فرمایا ہے۔ جیسے بذریعہ وحی انبیاء سابقین کو علم عطا فرمایا تھا۔ نیز نبی علیہ السلام کے علم کے بارے میں فرمایا۔

وکان فضل الله علیك عظیما۔	اور (علم کی صورت میں) آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

اور جو شخص بغضِ رسالت میں اندھا ہو چکا ہو وہ علم رسالت کے بارے

میں یوں ہذیان کیا کرتا ہے۔

"ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے بھی حاصل ہے" فالی اللہ المشتکیٰ!

ووجدك ضالا فهدى کے ترجمہ میں کشتی دیوبند کے ناخدا مریضانِ توہب کے حکیم الامت یوں زہر آفرینی کرتے ہیں۔

"اور اللہ تعالے نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا۔ سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلا دیا"

اللہ اللہ حضور شریعت سے بے خبر ہیں۔ اور آپ شریعت کے حکیم مطلق ہیں۔ آپ کو کیا خبر کہ آپ کی اس تلخ نوائی نے کتنے دلوں کو گھائل کیا ہے کتنی روحیں مجروح ہو گئیں۔ عرش پہ قدسیوں کا جگر پارہ پارہ ہو گیا فرش والوں کے دل سیماب ہو گئے۔ ان بے قرار اور زخمی دلوں پہ اعلیٰ حضرت نے تسکین کا پھاہا رکھا۔ اور فرمایا۔

"تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا۔ تو اپنی طرف راہ دی"

صدر الافاضل مولینا نعیم الدین صاحب مرادآبادی تڑپ کر اسکی تفسیر میں یوں گویا ہوئے۔

"اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علوم ما کان وما یکون عطا کئے۔ اپنی ذات وصفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عطا کیا۔ مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کئے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے۔ تو آپ کو آپ کی ذات وصفات اور مراتب و درجات کی معرفت عطا فرمائی"

مسئلہ۔ انبیاء علیہم السلام سب معصوم ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکی صفات کے ہمیشہ سے عارف ہوتے ہیں ۔"

اللہ اکبر! نبی علیہ السلام کے عرفان شریعت کا کیا عالم ہوگا۔ جب کہ انکے خدام کا یہ حال ہے کہ پیدا ہوتے ہی فرماتے ہیں۔

انی عبد اللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیاً وجعلنی مبارکاً این ما کنت واوصانی بالصلوٰۃ و الزکوٰۃ ما دمت حیاً۔

میں اللہ کا بندہ ہوں جس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور میں جہاں بھی ہوں مجھے بابرکت بنایا اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاحیات وصیت فرمائی۔

غور فرمائیے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام تو پیدائش کے وقت سے عارف شریعت ہوں۔ اور جن کے ایک ایک انداز میں لاکھوں عیسوی اطوار ہوں جو تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں۔ سید ولد آدم ہیں۔ فبھدٰھم اقتدہ کے مصداق اتم ہیں۔ اکرم الاولین والآخرین ہیں۔ وہ شریعت سے غافل اور بے خبر ہوں۔ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے ضمن میں اعلیٰحضرت کے ترجمہ اور صدر الافاضل کی تفسیر کی کچھ وضاحت کریں۔ تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل کے ترجمہ و تفسیر کے امتزاج نے کتنا حسین معنی پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ اعلیٰحضرت نے کہا کہ۔

" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول اکرم ہم نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا۔ اور صدر الافاضل کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت میں

کمال یہ ہے کہ محب محبوب کے جلووں میں اس طرح کھو جائے کہ محبوب کی ذات کے سوا ہر چیز کو فراموش کر دے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی ذات کا بھی احساس نہ رہے۔ اور سارے عالم کو بلکہ خود اپنی ذات کو بھی بھول جائے۔ اور خود فراموشی اور وارفتگی کے عالم میں سوا ذات محبوب کے اور کوئی شئے پیش نظر نہ ہو۔ اور نبی کریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کامل محبت تھی اور حسن الوہیت کے جمال میں آپ ایسے محو تھے۔ کہ آپ کو اپنی ذات کا بھی احساس نہ تھا۔ بھلا کائنات کی طرف کیا توجہ ہوتی پس اللہ تعالیٰ نے ہم بیکسوں پر کرم فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات اور ہماری طرف متوجہ کیا تاکہ خلق کو ظلمت کے اندھیاروں سے نکال کر نور کی تنویروں کے حوالے کریں۔ بے سہاروں کا سہارا بنیں۔ ضلالت نشانوں کو ہدایت کا مینار بنائیں۔ تحت الثریٰ میں گرنے والوں کو اُبھار کر اوج ثریا تک پہنچا دیں۔

اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل رحمہما اللہ کے ترجمہ و تفسیر کا یہ ایک نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ورنہ مصحف کریم کی ہر سطر میں انہوں نے نعت رسالت کے گلدستے سجا دیئے ہیں۔ رسول اللہ کا سچا شیدائی اور آپ کا صادق امتی جب اس ترجمہ و تفسیر کو پڑھتا ہے۔ تو نعت رسالت کی نسیم سے دماغ مہک اُٹھتا ہے۔ پیمانہ دل محبت رسالت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ روح جھوم اُٹھتی ہے۔ اور رگ رگ میں عشق رسول خون بن کر دوڑنے لگتا ہے۔ لیکن جو لوگ سرتاپا ابن ابی کا نمونہ ہیں۔ جو علم سلئے پڑھتے ہیں کہ انہیں حضور کی بے علمی کا علم ہو جائے۔ جن کی تمام تبلیغی کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو فلاں فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ حضور نور نہیں۔ حضور کسی کے کام نہیں آسکتے۔ جن کا ایمان یہ ہے کہ ابلیس کیلئے روئے زمین کا علم نص قطعی سے ثابت ہے[1]

[1] دیکھئے براہین قاطعہ ص۵۵ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی و مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی

اور حضور کیلئے اس علم کو ثابت کرنا شرک سے کم نہیں۔ جو علم رسالت کو بہائم کی مثل گر دانتے ہیں۔ یہ ترجمہ وتفسیر نہ ان کی طبیعت کے موافق تھا نہ ان کے مزاج کے۔ چنانچہ وہ لوگ اس ترجمہ سے نعت رسول سے کل بھی برہم تھے۔ آج بھی برہم ہیں جوں جوں اس کی اشاعت ہوتی رہی ان کے خرمن ایمان پر بجلیاں گرتی رہیں بالآخر جب تاج کمپنی نے اس ترجمہ وتفسیر کو شاندار اور وسیع پیمانہ پر طبع کیا۔ تو معاندین رسالت کا پیمانہ صبر چھلک اُٹھا۔ چنانچہ پہلے تو معاندین نبوت نے تاج کمپنی کے عملہ میں شامل ہو کر ترجمہ وتفسیر میں تحریف کی۔ عبارتیں بدلیں مفہوم بدلے۔ بتوں کی جگہ مقربین الوہیت کے نام لکھ دیئے اور اسرائیلی اذہان کے جگہ جگہ مظاہرہ کئے۔ اس پر بھی تسکین نہ ہو سکی۔ تو سرفراز صاحب گکھڑوی نے تنقید متین کو تصنیف کیا جس میں اعلیحضرت اور صدر الافاضل پر جگہ جگہ اخلاق سوز پھبتیاں کیں اور خیانت اور تحریف کا ایک طویل جال بچھا دیا۔

مئی ۱۹۶۸ء میں پہلی مرتبہ میرے سامنے یہ کتاب آئی۔ جس میں خاص طور پر صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تفسیر خزائن العرفان کو ہدف طعن بنایا ہے۔ ان کی عبارات کے صاف اور صریح مطالب سے دیدہ دانستہ اعراض کر کے انہیں بدعت کا لباس پہنایا ہے پھر شدید افسوس اس امر پر ہے کہ قرآن کی آیات اور احادیث طیبہ سے جو مطلب اخذ کر کے اس تحریف پر بطور استدلال پیش کیا ہے۔ وہ خود تحریف بالائے تحریف ہے۔ خروج اور اعتزال کے مدفون حربوں کی احیاء کی ایک مذموم کوشش ہے۔ تنقید کے تقریباً ہر صفحہ پر مغالطہ عامۃ الورود دلہری لے رہا ہے۔ پھر اس مغالطہ آفرینی پر جگہ جگہ تعلی اور مبازرت کا اظہار کیا گیا ہے اور انداز ایسا ہی ہے۔ جو کسی شریف اور متین مصنف کو زیب نہیں دیتا۔ کہیں

غیض و غضب میں آکر سب و شتم کو اپنایا۔ اور کہیں بے بسی سے عورتوں کی طرح کوسنا شروع کر دیا۔ جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے علمی تبحر اور اسلامی خدمات کے پیش نظر کوئی بھی منصف مزاج اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اپنے صبر و سکون کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ جس طریقہ سے اس کتاب میں حضرت صدر الافاضل پر تبرا کیا گیا ہے وہ ہر اسلامی ذہن کو جھنجھوڑنے کیلئے کافی ہے۔ اور راقم الحروف چونکہ صدر الافاضل کے مسلک سے وابستہ ہے۔ اور نعیمی سلسلہ سے مستفیض ہے۔ دار العلوم جامعہ النعیمیہ لاہور میں پڑھتا رہا اور اس کے بعد تین سال سے یہیں تدریس کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ لہذا اس سلسلہ کے ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے میری بھی ذمہ داری تھی کہ میں اس کتاب کے رد پر قلم اٹھاؤں چنانچہ میں نے حضرت صدر الافاضل کی معنوی امداد سے اس کتاب کا جواب شروع کیا۔ اور انہیں کی روحانی اعانت سے یہ کتاب پایہ تکمیل تک پہنچی۔

تکمیل کے بعد میں نے چاہا کہ اس کتاب کو حضرت استاذ العرب و العجم سیدی و سندی استاذی المعظم مولانا الحاج عطا محمد صاحب متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہم الی یوم القیامۃ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ اور آپ کو سنا کر اس پر تائید و توثیق حاصل کی جائے چنانچہ میں اس کتاب کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری درخواست پر توجہ اور کامل غور و خوض کے ساتھ اس کو سنا اور اپنے مشوروں سے اس کتاب کی افادیت میں بے پناہ اضافہ فرمایا۔

نقیب ملت مفتی پاکستان حضرت استاذی المکرم حضرت علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مدظلہ العالی جامعہ نعیمیہ کی اہم درس افتا اور ملی و جماعتی

سرگرمیوں میں بے حد مصروف رہتے ہیں اور ان سے کسی کام کیلئے وقت حاصل کرنا بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس کے باوجود میری خواہش تھی کہ اگر وہ اس کتاب کو سُن لیں تو اس کے استحکام کی پشت اور مضبوط ہو جائیگی بہرحال حضرت نے میری درخواست کو شرف قبول بخشا۔ اور مجھ سے اس کتاب کے سننے کا وعدہ فرمالیا۔ اور بے حساب اشغال کے باوجود حضرت نے اس کتاب کو مکمل طور پر سُنا اور اپنے گراں بہا مشوروں سے بھی مستفیض فرمایا۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

صاحب تنقید نے شواہد پیش کرتے وقت بعض ایسے حوالے اور عبارتیں پیش کی ہیں جن کا محل نزاع سے کوئی علاقہ نہیں ۔ اور ان عبارتوں کو پیش کر کے مصنف نے مغالطہ آفرینی سے انہیں محل نزاع بنانے کی مذموم سعی کی ہے مثلاً پیر مہر علی شاہ صاحب کا ایک حوالہ پیش کیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو اس بات کا اختیار نہیں۔ کہ جو چاہیں کر ڈالیں۔ حالانکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے ہر چاہے ہوئے کو کر لینا قدرت ذاتیہ سے ہی متصور ہے۔ اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کسی وصف کو ذاتی اور مستقل نہیں مانتے۔ اس کی پوری بحث علم غیب اور تصرف فی الکون کے باب میں آرہی ہے۔ اسی طرح انہوں نے متعدد علماء کے حوالے اس باب میں پیش کئے ہیں کہ حضور علیہ السلام میں بشریت متحقق ہے۔ حالانکہ گفتگو اس میں نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بشریت متحقق ہے یا نہیں۔ بلکہ کلام اس میں ہے کہ کیا حضور ہم جیسے بشر ہیں۔ جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے سمجھا ہے اور اس بنیاد پر وہ آپ کی تنقیص میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے یا آپ کی بشریت کدورتوں اور کثافتوں سے منزہ اور اوصاف و کمالات کے لحاظ

سے ممتنع النظیر ہے۔ جیسا کہ علمائے اہلسنت کا مسلک ہے۔ پوری تفصیل و تحقیق نور و بشر کے باب میں ملاحظہ فرمائیے۔ ہم نے اس قسم کی عبارتوں پر کہیں تنبیہ کی ہے اور کہیں طوالت کی وجہ سے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

ثالثاً۔ جن عبارتوں کو مصنف تنقید نے محل نزاع میں استشہاداً پیش کیا ہے ان میں سرفراز صاحب کی غلط فہمی دور کر دی گئی ہے۔ اور ان عبارتوں کا صحیح محمل بیان کر دیا گیا ہے۔ ثالثاً۔ سرفراز صاحب کے مفروضات اور خانہ ساز قواعد پر آنگنت اشکال قائم کئے گئے ہیں۔ رابعاً۔ اس کتاب میں تنقید متین کے مکمل اور بالاستیعاب رد کے علاوہ سرفراز صاحب کی راہ سنت اور باب جنت کی اہم بحثوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ خامساً اہل دیوبند کے جنا وری قسم کے علماء کی بعض تصانیف کی غلطیوں اور غلط کاریوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یعنی یہ صرف تنقید متین کا رد ہی نہیں ہے بلکہ مبتدعین دیوبند کے چھوٹے بڑوں کی بہت سی کتابوں کی ایک جامع تردید ہے اس لئے اس کتاب کا جواب لکھنے والے کو یہ خیال رکھنا پڑے گا۔ کہ وہ ان تمام باتوں کا جواب دے گا جنہیں توضیح البیان میں پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ جن کتابوں پر اعتراضات کا جواب نہ دیا گیا، ہم سمجھیں گے کہ مبتدعین دیوبند یا تو ان سے بیزار ہیں۔ یا ان کے جواب سے عاجز ہیں۔

سرفراز صاحب نے راہ سنت اور تنقید متین میں جواب کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ کہ کہیں مسئلہ ذکر کر کے اس کا رد کر دیا۔ لیکن اس کی دلیل کو نقل تک نہ کیا۔ حالانکہ وہ بھی وہاں مرقوم تھی اور کہیں مسئلہ کے ساتھ استشہادی حوالہ بھی ذکر کر دیا۔ لیکن کلام صرف مسئلہ پر کیا۔ حوالہ پر کوئی گفتگو نہیں کی۔ چنانچہ اس کی ایک نظیر، ہم تصرف فی الکون کے باب میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ

تحقیق و دیانت کی دنیا میں انتہائی مذموم اور انسانیت سے گرا ہوا طریقہ ہے۔ ہم نے اس کتاب میں سرفراز صاحب کی دلیل اور ان کے پیش کردہ حوالوں کو کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً پوری دیانت سے پیش کیا ہے۔ اور تمام ابحاث میں سرفراز صاحب کے مغالطوں کا ازالہ کر کے ان کے پیش کردہ حوالوں کا صحیح مقام بتلا دیا ہے۔ اسلئے اس کتاب کا جواب دینے والے کو اس بات کا بھی بوجھ اٹھانا پڑیگا۔ کہ وہ ہمارے پیش کردہ تمام حوالوں پر بحث کرے۔ اور مبتدعین دیوبند کی جن عبارتوں سے استشہاد کیا گیا ہے ان کا جواب دے اور مخترعات دیوبند پر ہم نے جس قدر اشکالات قائم کئے ہیں ان کے جوابات کے ذمہ سے عہدہ برآ ہو۔

سرفراز صاحب تنقید متین کے پیش لفظ میں ص۲۳ پر لکھتے ہیں۔

"یا ایھا النبی کے یہ معنی ہیں اے غیب بتانے والے نبی۔ خانصاحب یہ معنی کرکے یہ باور کرانے کے درپے ہیں۔ کہ نبی کہتے ہی اسے ہیں جو غیب بتلائے۔ اور بتانا فرع ہے جاننے کی۔ تو مطلب یہ ہوا کہ نبی غیب جانتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر احکام خداوندی بتاتے ہیں۔ اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خانصاحب ہیں۔ اس کا علم اور اس کا بتانا کسی طرح نبی کے معنی۔ مفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک بین حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی اور سورۃ قلم کی ابتدائی پانچ آئتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔ کلی غیب کا تو قصہ ہی جانے دیجئے۔ غیب کی کچھ خبریں بھی جو ماسبق یا آئندہ کے متعلق ہوں۔ اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں

کہ آپ کو بتائی گئی ہوں۔ مگر نبی آپ اس وقت بھی تھے۔ تو کیا معاذ اللہ جس وقت تک آپ کو غیب کی خبریں مرحمت نہیں ہوئیں۔ اس وقت تک کے لئے آپ نبی نہ تھے۔ خانصاحب کے اس ترجمہ سے تو معاذاللہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔"

سرفراز صاحب کا یہ تمام اُچھل کود اور الفاظ کی اُلٹ پھیر محض اس لئے ہے کہ اعلیٰحضرت نے نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے اور چونکہ دیوبند کے اس دشمن رسول گروہ کو نبی علیہ السلام کا غیب جاننا کسی طور پر تسلیم نہیں۔ اسلئے انہوں نے اس نفیس ترجمہ پر کئی وجوہ سے حملہ کر کے اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔ اور ہم ابھی بعون اللہ العزیز ناظرین پر واضح کئے دیتے ہیں۔ کہ ان کے یہ تمام حملے خود ان کی ذات کو گھائل کر رہے ہیں۔ کیونکہ عزت و ناموس رسالت پر دھبہ لگانے کا جو شخص ارادہ کرتا ہے۔ ابدی روسیاہیاں اس کی تقدیر میں مبرم بن جاتی ہیں پس گذارش ہے کہ اعلیٰحضرت نے لفظ نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے۔ اور بتانا فرع ہے۔ جاننے کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ نبی کے معنی میں غیب جاننے کا مفہوم داخل ہے یا نہیں پس اولاً ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ قاضی عیاض نبی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

والمعنی ان اللہ تعالیٰ اطلعه علی غیبه واعلمه انه نبیه فیکون نبی منبأ فعیل بمعنی مفعول او یکون مخبرا عما بعثه اللہ تعالیٰ به ومنبأ بما اطلعه علیه فعیل	نبی اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالےٰ غیب پر مطلع کر دے اور اسے یہ بتلا دے کہ وہ نبی ہے اور وہ اس وقت نبی فعیل بمعنے مفعول کے ہوگا یا نبی کا معنی ہے جو ان (امور غیبیہ) کی خبر دے جنہیں

بمعنے فاعل (شفاج ۱ صـ۱۲۹) | اللہ تعالیٰ نے اسے دے کر بھیجا ہے اور اس وقت فعیل بمعنے فاعل ہوگا۔

قاضی عیاض کے کلام سے ثابت ہوا کہ نبی کا معنی غیب جاننا بھی ہے اور غیب بتلانا بھی۔ اگر بمعنی مفعول ہو تو غیب جاننا معنی ہے۔ اور اگر بمعنی فاعل ہو تو غیب بتلانا اس کا معنی ہے۔ اور یہی قاضی عیاض شفا رج ۱ صـ۱۶۱ پر لکھتے ہیں۔

النبوۃ التی ھی الاطلاع علی الغیب | نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

ثانیاً علامہ شیخ قاسم ـــ متوفی ۸۷۹ھ شرح مسائرہ میں نبی کے معنے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فعیل بمعنی مفعول لان اللہ تعالے نباہ بوحیہ اسرار غیبیہ (شرح مسائرہ مع المسامرہ صـ۲۱۷) | لفظ نبی فعیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو وحی سے اسرار غیبیہ کی خبریں دی ہیں۔

ثانیاً دس علمائے دیوبند نے مل کر لغات المنجد کا ترجمہ کیا اور اسے ترتیب دی اور اس المنجد میں نبی اور نبوت کا معنی بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

"النبوۃ والنبوۃ۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پاکر غیب کی بات بتانا۔ النبیٔ والنبیُّ۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام کی بناء پر غیب کی باتیں بتانے والا (لغات المنجد عربی اُردو صـ۱۲۴۲)۔

سرفراز صاحب۔ ملاحظہ کیا آپ نے۔ یہ آپ کے دیوبند کی فُل بنچ کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ نبی غیب بتانے والے کو کہتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے نبی کا یہ معنے کیا۔ تو آپ سیخ پا ہو گئے۔ بلکہ شامی کباب کی طرح جل بھُن کر لگے ہذیان کرنے۔ اب اپنے ان جغادری مولویوں کے بارے میں کیا

ارشاد ہوگا۔

رابعًا زیر نظر عبارت میں آپ نے لکھا ہے کہ

"یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالےٰ سے وحی پاکر احکام خداوندی بتاتے ہیں اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں" دیکھئے اس عبارت میں آپ نے نبی علیہ السلام کیلئے عطائی علم غیب مان لیا۔ حالانکہ تنقید متین ص ۱۹۳ پر آپ لکھتے ہیں۔

"خانصاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا"

اور "دل کا سرور" کے سرورق کی پشت پر اپنی ایک کتاب کے اشتہار میں آپ نے لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ذاتی اور عطائی ہر طرح علم غیب ماننا شرک ہے۔ اب بتلائیے۔ آپ کے کلام اور ایک مجنون کی بڑ میں کیا فرق رہ گیا۔ آپ جس شئے کو ایک جگہ بے بنیاد اور شرک قرار دیتے ہیں۔ دوسری جگہ اسی کا اقرار واعتراف کرتے ہیں۔

خامسًا۔ اس عبارت کے ضمن میں آپ نے تحریر کیا ہے۔

"لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خانصاحب ہیں اس کا علم اور بتانا کسی طرح نبی کے معنے ومفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے"

اعلیٰحضرت کے جس ترجمہ پر آپ تبصرہ کر رہے ہیں۔ اس میں اعلیٰحضرت نے فرمایا ہے۔ یا ایھا النبی "اے غیب بتانے والے نبی" بتلائیے سرفراز صاحب اعلیٰحضرت نے یہاں کونسا لفظ ذکر کیا ہے جس کا مطلب آپ نے کلی غیب لیا ہے۔ جب اعلیٰحضرت نے کلی غیب کا ذکر نہیں کیا۔ تو پھر کلی غیب پر غیض و غضب اور اعلیٰحضرت کے صاف اور صحیح ترجمہ پر آپ کی اس تمام آئیں بائیں

کا کیا جواز رہ گیا۔ سرفراز صاحب آپ اپنے فرقہ میں عالم دین سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرح سفید جھوٹ نہ بولا کیجئے۔ یہ علماء کا شیوہ نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں غیب کے ساتھ کلی کا پیوند لگا کر آپ نے جس اسرائیلی ذہن کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ ایک شرمناک حرکت ہے اور سنجیدہ اور متین علما کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ سادساً اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰحضرت نے یہاں غیب کلی کا اگرچہ ذکر نہیں کیا۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی اس کو کہتے ہیں۔ جو کلی غیب جانتا ہو۔ اسلئے یہ عبارت بھی اسی پر محمول ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ عقیدہ تو امور غیبیہ سے ہے۔ جب آپ کے نزدیک رسول اللہ سے علم غیب منتفی ہے۔ تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا۔

سابعاً اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰحضرت کی تحریر سے یہ عقیدہ ثابت ہے۔ تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ اعلیٰحضرت کی وہ نص پیش کیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی وہ ہوتا ہے جو کلی غیب کو جانے۔ میں آپ کو تمام مبتدعین دیوبند سمیت چیلنج کرتا ہوں کہ اعلیٰحضرت کی کسی عبارت سے یہ عقیدہ ثابت کریں۔ اور اگر نہ ثابت کر سکے اور انشاء اللہ قیامت تک ثابت نہ کر سکیں گے تو اپنے اس جھوٹ اور افتراء سے رجوع کر لیں۔

ثامناً۔ ہم یہ پوچھتے ہیں۔ کہ غیب کلی سے کیا مراد ہے۔ جمیع معلومات الٰہیہ یا جمیع ماکان و مایکون بر تقدیر اول یہ اعلیٰحضرت پر قطعاً افترا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جمیع معلومات الٰہیہ ثابت کریں اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور کے علم کو اللہ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں۔ جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے۔ دیکھئے الملفوظ ص ۴۶ ج ۱۔ اگر جمیع ماکان و مایکون مراد ہے۔ تو اس کا حصول تدریجی طور

پر نبی علیہ السلام کے لئے دلائل قاہرہ سے ثابت ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ نبی کے مفہوم میں کلی غیب کا جاننا داخل ہے۔ اس کی پوری بحث اس کتاب کے باب علم غیب میں آرہی ہے۔

تاسعًا۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ حضور کیلئے مطلق غیب نہ ثابت ہے نہ منصب نبوت کے لائق ہے۔ کاش آپ نے شرح تہذیب ہی کسی بریلی کے طالب علم سے پڑھی ہوتی۔ تو وہ آپ کو سمجھا دیتا کہ مطلق الشئی یتحقق بتحقق فرد ما۔ سرفراز صاحب مطلق غیب تو غیب کے ایک فرد کے ثبوت سے بھی ثابت ہو جائے گا۔ یا دیو بند کے عشاق رسول کے نزدیک رسول اللہ کیلئے علم غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں۔

عاشرًا۔ چند سطریں پہلے آپ نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نبی غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ مطلق غیب نبی کیلئے ثابت نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں۔ کہ مطلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے اگر آپ کو مطلق غیب اور بعض امور غیبیہ کے مطلب کی سمجھ نہیں تو کسی سے سمجھ کر تصنیف شروع کی ہوتی اگر سمجھ تھی تو پھر کیا نشہ میں ڈوب کر لکھ رہے تھے۔ جو چند سطروں میں بھی اپنی عبارت کا توازن قائم نہ رکھ سکے۔

حادی عشر۔ اس بحث کے آخر میں سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی۔ اور سورۃ قلم کی پانچ ابتدائی آیتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔ کلی غیب کا تو قصہ ہی جانے دیجئے۔ غیب کی کچھ خبریں بھی جو ماسبق یا آئندہ کے متعلق ہوں۔ اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں۔ کہ آپ کو بتائی گئی ہوں۔ مگر نبی آپ اس وقت بھی تھے۔ تو کیا

معاذ اللہ جس وقت تک آپ کو غیب کی خبریں نہیں ہوئی تھیں۔ اس وقت تک کے لئے آپ نبی نہ تھے۔ خانصاحب کے ترجمہ سے تو معاذ اللہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے" اس طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اعلحضرت نے نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے جو فرع ہے غیب جاننے کی۔ اور ابتدائی دور میں جب آپ پر سورۂ قلم کی صرف پانچ آئتیں نازل ہوئی تھیں۔ اس وقت تک آپ کو کسی غیب کا علم نہ تھا پس لازم آیا کہ آپ معاذ اللہ نبی بھی نہ ہوں کیونکہ نبی غیب جاننے والے کو کہتے ہیں۔

سرفراز صاحب کا یہ اعتراض انتہائی خام اور طفلانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ سنئے سرفراز صاحب۔ اس وقت بھی نبی علیہ السلام کو بے شمار علوم غیبیہ کا علم تھا۔ ازاں جملہ یہ ہے۔

(۱) وحی قرآن کو جبرائیل لے کر آئے اور حضور کو جبرائیل کا علم ہوا اور جبرائیل علیہ السلام عالم غیب سے ہیں۔ (۲) حضور کو وحی الٰہی کا علم ہوا اور وحی عالم غیب سے ہے (۳) حضور کو ذات حق کا علم ہوا۔ اور ذات حق غیب الغیوب ہے (۴) اقرأ باسم ربک سے اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کا علم ہوا اور صفت ربوبیت عالم غیب سے ہے (۵) الذی خلق سے صفت خالقیت کا علم ہوا۔ اور یہ عالم الغیب سے ہے (۶) علم الانسان مالم یعلم میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بتلایا کہ حضرت آدمؑ کو جمیع اسماء کا علم عطا فرمایا اور اس کا غیب ہونا واضح ہے۔ دیکھئے تفسیر خازن ص ۲۹۳ ج ۴۔

اور اس کے تحت یہ بھی مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ الانسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتلادیا جس کو آپ نہ جانتے تھے۔ اور یہ سرفراز صاحب

اور جمیع ذریت دیوبند پر بھاری عذاب ہے۔ خازن ص۳۹۳ ج ۴ ثانی عشر
اس بحث میں سرفراز صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی خبریں نہیں دیں۔ سوال یہ ہے کہ اس تقیید کی کیا ضرورت ہے۔ اگر اعلیحضرت نے اس طرح فرمایا ہوتا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو آئندہ یا گذرے ہوئے زمانے کی خبریں دے۔ تب تو اس تقیید کا کوئی منشا ہوتا۔ لیکن اعلحضرت نے تو فرمایا ہے کہ نبی غیب بتانے والے کو کہتے ہیں پس اعلحضرت نے نبوت کے مفہوم میں مطلق غیب جاننے کا ذکر کیا ہے۔ لہذا اس کا رد جب ہوگا۔ جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور کو مطلقاً غیب کا علم نہ تھا۔ اور ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضور کیلئے اس موقع پر غیب کا علم ثابت تھا بلکہ ماضی اور مستقبل کا غیب بھی حاصل تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ماضی مستقبل اور حال تینوں زمانوں کو شامل ہیں۔ وللہ الحمد علیٰ ذالک۔

یاایھا النبی کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی اور عناد نبوت سے جو اعتراض کیا تھا۔ بحمد اللہ العزیز بارہ وجوہ سے ہم نے اس کا حساب بے باق کر دیا۔ اس کے علاوہ مصنف تنقید نے پیش لفظ میں اور بھی کچھ اعتراضات پیش کئے ہیں۔ لیکن ان کا ذکر چونکہ خود اصل کتاب میں آگیا ہے اسلئے ہم نے یہاں ان سے تعرض نہیں کیا۔ لہذا ان کے جوابات کے لئے ناظرین توضیح البیان کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کریں۔ وہاں تفصیل سے سرفراز صاحب کے تار عنکبوت کے ایک ایک تار کو توڑ دیا گیا ہے۔

آخیر میں ہم خدائے لم یزل کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ جس نے ہمیں اپنے دین متین کی اس خدمت کے لئے چن لیا۔ اے بار الٰہ ہمارا رواں رواں

گناہوں سے جکڑا ہوا ہے۔ ہمارے شب و روز پر مسلسل معصیت کی دھند
چھائی رہتی ہے۔ ہماری اہلیت کسی انعام کی مقتضی نہ تھی لیکن تو نے اپنے
بے پایاں فضل سے ہمیں حظ وافر عطا کیا۔ کہ ناموس سبوحیت کی طرف
بڑھنے والے ہاتھوں اور بارگاہ نبوت کی گستاخ زبانوں کو قلم کرنے
کے لئے ہمیں منتخب فرمالیا۔ ہمیں حضرت حسان کے غلاموں کی صف
میں جگہ اور دفاع توحید اور مدحت رسالت میں ہمیں گویا کر دیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

ابوالوفا غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
مدرس الجامعۃ النعیمیہ
لاہور

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
استعانت	۱
اختصاص استعانت کا مدار	۱
دیوبند کی شہادت	۳
مافوق الامور میں رسول اللہ سے استعانت	۴
خلق اور کسب	۷
سرفراز صاحب کی بحث شرک میں پہلی غلطی	۹
مافوق الاسباب امور میں استعانت کا قرآن سے ثبوت	۹
شامی کی عبارت سے مافوق الاسباب امور میں استعانت کا جواز	۱۴
سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی	۱۶
صاحب مالابد منہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی	۲۳
دیوبندی بدعت معتزلہ اور خوارج کی فرع ہے	۲۵
حیات انبیاء دنیاوی اور جسمانی ہے	۲۷
حیات اولیاء	۲۸
استمداد کا ثبوت احادیث سے	۲۹
استمداد کا ثبوت اعلام امت سے	۳۵
استمداد کا انکار بدعت ہے	۴۳
دیوبند کے مسلم اکابر سے استعانت کا ثبوت	۴۴
سرفراز صاحب کا وجوہ فاسدہ سے استدلال اور اسکے جوابات	۴۹
قران فی الذکر وجوہ فاسدہ سے	۵۲
مظہر افعال وصفات	۵۳
صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیز دونوں نے استعانت کی ایک جیسی تفسیر کی	۵۶
استعانت کی بحث میں حرف آخر	۵۹
ضاد کا مخرج	۶۲
مجمل حوالے کا جواب	۶۲
منیۃ المصلی کی عبارت نقل کرنے میں سرفراز صاحب کی خیانت	۶۴
عبارات فقہا کی توضیح	۶۵
دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی تحریف	۶۸

عنوان	صفحہ
عموم بلوی کا جواب	۶۸
ضاد کو عمداً ظا پڑھنا کفر ہے	۷۱
حرف ضاد کی تخصیص کا جواب	۷۲
امامت کی تخصیص کا جواب	۷۳
مروجہ ایصال ثواب	۷۵
تقرب لغیر اللہ کی بحث	۷۵
مولوی اشرف علی تھانوی کی گپ	۸۳
مولوی محمود الحسن کی گپ	۸۶
گیارہویں حرام ہونے کے دلائل کا تجزیہ	۸۷
مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں	۹۳
ایصال ثواب میں تعیین کی توضیح	۹۷
گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے	۹۸
تعیین عرفی	۹۹
تعیین عرفی کی ترجیح	۱۰۰
شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعیین یوم پر تصریح	۱۰۳
پیٹ کا منتظم کون ہے	۱۰۸
ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفراز صاحب کی فحش غلطی	۱۱۱

عنوان	صفحہ
شاطبی کی عبارت کی وضاحت	۱۱۲
کیا غنیۃ الطالبین شیخ گیلانی کی تصنیف ہے	۱۱۳
طعام پر فاتحہ پڑھنا	۱۱۴
عہد رسالت میں ایصال ثواب	۱۲۱
بدعت سیئہ کا سرفرازی ضابطہ اور اس میں انکی شدید ٹھوکر	۱۲۳
بدعت حسنہ کا استنباط	۱۲۷
نور و بشر	۱۲۹
مسئلہ بشریت	۱۳۰
بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت میں فرق	۱۳۶
نبی علیہ السلام کی نورانیت	۱۴۱
حضور کی نورانیت پر سرفراز صاحب کے اعتراض کا جواب	۱۴۵
حضور کی نورانیت پر سرفراز صاحب کا ایک اور اعتراض اور اسکا جواب	۱۴۶
حضور کی نورانیت اکابر دیوبند کی نظر میں	۱۵۱
حضور کی نورانیت پر قرآن سے مزید دلائل	۱۵۲

عنوان	صفحہ
قد جاءکم من اللہ نور میں حضور کی نورانیت کی نفی کرنے والے کون تھے۔	۱۵۵
اولیت اضافی کا جواب	۱۶۰
نورانیت محمدی کی تابناک شعاعیں	۱۷۰
نفی ظل	۱۷۳
کیا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے	۱۸۲
اثبات ظل کے دلائل اور ان کے جوابات	۱۸۳
بادل کا سایہ فگن ہونا	۱۸۶
حاضر ناظر	۱۸۸
اعلیحضرت کی جلالت علمی	۱۸۹
صدر الافاضل کی تفسیر اور اس پر حاشیہ	۱۹۱
علم رسالت پر طعن طریقۂ منافقین ہے	۱۹۵
حاضر ناظر کا ثبوت	۱۹۸
حیات	۱۹۸
لوازم حیات	۲۰۰
آن واحد میں امکنہ متعددہ پر حاضر ہونے کا امکان	۲۰۲
نذر و نیاز	۲۰۶
سرفراز صاحب کا پہلا شبہ	۲۰۷
ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں	۲۰۸

عنوان	صفحہ
شاہ عبد العزیز اور نیاز کے جانور	۲۰۹
تنقیحات	۲۱۸
وقت ذبح کی قید	۲۲۰
سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ	۲۲۲
لغیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور سرفراز صاحب کا تیسرا شبہ	۲۲۳
سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ	۲۲۴
سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ	۲۲۶
سرفراز صاحب کا چھٹا شبہ	۲۳۱
عید میلاد النبی	۲۳۲
دینی اور دنیاوی امر کا فرق	۲۳۵
بدعت کیا ہے	۲۳۶
جشن میلاد	۲۳۷
سرفراز صاحب اور انکے حکیم الامت کی جواز میلاد پر شہادت	۲۴۱
ابن عباس کی حدیث اور عید میلاد	۲۴۲
یوم میلاد کے عید ہونے کی شہادت	۲۴۴
سرفراز صاحب کے شبہات	۲۴۵
تفویض احکام	۲۴۹
مقام نبوت	۲۵۰
نبی علیہ السلام کے اختیارات	۲۵۱
تفویض کا ثبوت	۲۵۳

عنوان	صفحہ
سرفراز صاحب کی جسارت	۲۵۵
احادیث میں سرفراز صاحب کا شبہ	۲۵۸
علمائے امت اور تفویض احکام	۲۵۹
افسوسناک خیانت	۲۶۳
امتناع کذب	۲۶۷
امکان کذب میں مکذبین کی عبارتوں کا افترا	۲۶۸
امتناع کذب جمہور معتزلہ اور اہلسنت کا متفق مسئلہ ہے	۲۷۰
امام رازی اور امتناع کذب	۲۷۲
امتناع کذب پر دلائل	۲۷۳
محال عقلی یا محال عادی	۲۷۷
عموم قدرت سے دیابنہ کو دھوکہ	۲۷۹
خلف وعید میں اہل دیوبند کا مغالطہ	۲۸۱
مکذبین باری سے پہلی گذارش	۲۸۳
خلف وعید پر محققین کا رد	۲۸۴
مکذبین سے دوسری گذارش	۲۸۷
کیا اشاعرہ امکان کذب کے قائل ہیں	۲۸۷
مکذبین سے تیسری گذارش	۲۹۴
مکذبین سے چوتھی گذارش	۲۹۵
سرفراز صاحب کا پہلا مغالطہ	۲۹۶
سرفراز صاحب کا دوسرا مغالطہ	۲۹۸

عنوان	صفحہ
سرفراز صاحب کا تیسرا مغالطہ	۳۰۱
سرفراز صاحب کا چوتھا مغالطہ	۳۰۵
سرفراز صاحب کا پانچواں چھٹا مغالطہ	۳۰۷
سرفراز صاحب کا ساتواں، آٹھواں، نواں مغالطہ	۳۱۰
سرفراز صاحب کا دسواں مغالطہ	۳۱۱
حسن و قبح اور محل نزاع	۳۱۴
شرح مواقف کی عبارت	۳۱۵
فتوح العقائد اور شیخ سرہندی	۳۲۲
سرفراز صاحب کا گیارہواں شبہ	۳۲۳
بارھواں اور تیرھواں مغالطہ	۳۲۴
محمود الحسن صاحب کے کلام پر تنقید	۳۲۴
علم غیب	۳۲۷
ثبوت علم غیب پر شواہد	۳۲۸
نفی علم غیب ذاتی پر محمول ہے	۳۳۲
علم عطائی کی نفی پر مفاسد	۳۳۳
تھانوی صاحب کی جہالت	۳۳۶
سرفراز کی ایک اور الجھن	۳۳۸
علم شعر کی تحقیق	۳۴۱
شعر کے علم کی مطلقاً نفی پر دس اشکال	۳۴۲

عنوان	صفحہ
صدر الافاضل کا دوسرا جواب اور اسکی توضیح	۳۵۱
تیسرے جواب کی توضیح	۳۵۲
سرفراز صاحب کی تنقید	۳۵۲
علم کلی	۳۵۳
علم الٰہی اور علم رسول میں فرق	۳۶۲
سرفراز صاحب کے شبہات	۳۶۴
انبیاء سابقین کے متعلق حضور کا علم	۳۶۵
تواضع کی تحقیق	۳۶۶
منافقین کے متعلق حضور کا علم	۳۷۳
صدر الافاضل کے جواب کی توضیح	۳۷۴
دوسرے جواب کی توضیح	۳۷۵
نسخ کا افتراء اور اس کا جواب	۳۷۷
اخراج منافقین کی حدیث پر جرح اور اس کا جواب	۳۸۳

عنوان	صفحہ
اباحت اصلیہ	۳۸۹
اباحت اصلیہ اور مفسرین	۳۹۰
درمختار اور تفسیر احمدی کے حوالوں کے جواب	۳۹۲
ورود شرع سے قبل کی تحقیق	۳۹۷
ورود شرع کے بعد اباحت پر دلائل	۴۰۰
سرفراز صاحب کی خیانت	۴۰۹
اباحت اصلیہ پر عقلی ڈھکوسلے اور ان کے جوابات	۴۱۱
مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت کا جواب	۴۱۳
تصرف فی الکون	۴۱۶
سرفراز صاحب اپنے ضابطہ کی نظر میں	۴۱۷
قدرت ذاتیہ کی نفی پر دلیل	۴۱۹
سرفراز صاحب کے شبہات	۴۲۲
اسناد مجازی	۴۲۵
حرف آخر	۴۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استعانت

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی آیۃ کریمہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کی مندرجہ ذیل تفسیر ارقام فرمائی۔ ایاک نستعین میں یہ تعلیم فرمائی۔ کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ۔ ہر طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات خدام واحباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیئے۔ کہ اس پر نظر رکھے۔ اور ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے۔ عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امداد الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے۔ تو قرآن پاک میں اعینونی بقوۃ اور استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کیوں وارد ہوتا اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی۔ انتھی کلامہ

اس تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب نے یہ شائستہ تبصرہ کیا۔ کہ جناب مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے، وہ بجائے خود قابل صد نفرین ہے (تنقید متین ص۲۷)

اختصاص استعانت کا مدار

مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی جو تفسیر ارقام فرمائی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ہر باب میں استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص ہے۔ خواہ مافوق الاسباب امور میں استعانت ہو یا ماتحت الاسباب امور میں

مدارک التنزیل میں اس آیت کے تحت ہے :۔

واطلقت الاستعانة لتناول کل مستعان فیه۔	استعانت کو مطلقاً ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ہر مستعان کو شامل ہو :۔

خازن میں ہے :۔

ای منك نطلب المعونة علی عبادتك وعلی جمیع امورنا۔	تیری عبادت اور باقی امور کی انجام دہی پر تجھ سے ہی طاقت طلب کرتے ہیں۔

جمل میں ہے :۔

وعموم المهمات مستفاد عن حذف مفعول نستعین۔	حذف مفعول سے استعانت کے تمام امور کو شامل ہونے کا فائدہ حاصل ہوا :۔

غور فرمائیے مفسرین کرام تو ہر قسم کی استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص فرما رہے ہیں ۔ اور گکھڑ کے سرفراز صاحب نے صرف مافوق الاسباب امور میں استعانت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر کے قرآن کریم کی خالص تحریف کی ہے، چنانچہ تنقید متین ص۲۷ پر لکھتے ہیں۔ استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے۔ جو عادۃً اس کے بس میں اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے۔ انتھی

اور اس طرح سرفراز صاحب نے مجوسیوں کی طرح تقسیم کار کر لی ہے۔ کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے۔ اور کچھ بندوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو، یا بے واسطہ۔ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ بندوں کے ہاتھ پر امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ جو کچھ بھی ظاہر ہوتے ہیں ان کا خلق اور ایجاد اللہ تعالےٰ

ہی کا خاصہ ہے۔ اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے بھی امور ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالٰے کے ساتھ استعانت کے اختصاص اور عدم اختصاص کا مناط استقلال اور عدم استقلال ہے۔ نہ کہ امور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کی وجہ سے یقین کر لیا ہے۔

دیوبند کی شہادت

آیئے اب ہم آپ کے سامنے سرفراز صاحب کے شیخ الہند کی تفسیر سے شہادت پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر ظاہر ہو جائیگا۔ کہ غیر اللہ سے استعانت کے جواز اور عدم جواز کا مدار استقلال اور عدم استقلال ہے نہ کہ امور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب۔

دیکھئے مولوی محمود الحسن صاحب ایاک نستعین کے تحت اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اسکی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے۔ تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالٰی سے ہی استعانت ہے۔ انتہیٰ

سرفراز صاحب غیر اللہ سے جواز استعانت کا مدار امور ماتحت الاسباب کو قرار دیتے ہیں اور انکے شیخ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مستعان کو غیر مستقل سمجھنا اس کا مبنیٰ ٹھہراتے ہیں۔ اب فرمائیے کس کا بیان کردہ مبنیٰ صحیح ہے، اور کس کا غلط۔ اب اگر آپ صدر الافاضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مبنیٰ کو غلط تحریف اور شرک کا چور دروازہ قرار دیتے ہیں۔ تو پھر اپنے شیخ سے

بھی ہاتھ دھو بیٹھنے اور ان پر بھی شرک کا فتویٰ لگائیے۔ اور اگر آپ کے شیخ کا بیان کردہ مبنی صحیح ہے۔ تو پھر صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر مان کر اپنی غلطی سے رجوع اور بدعقیدگی سے توبہ کیجئے۔

من نہ گویم کہ ایں نہ کن آں کن
مصلحت بیں و کار آساں کن

مافوق الاسباب امور میں رسول اللہ سے استعانت

مولوی سرفراز صاحب کا امور عادیہ میں ظاہری استعانت کو جائز قرار دینا اور غیر عادیہ میں ناجائز۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں سے باطل اور مردود ہے۔ احادیث صحیحہ سے امور غیر عادیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد اور صحابہ کرام کی آپ سے استعانت ثابت ہے:۔

عن یزید بن ابی عبید قال رأیت اثر ضربة فی ساق سلمة بن الاکوع فقلت یا ابا مسلم ماهذه الضربة قال ضربة اصابتنی یوم خیبر فقال الناس اصیب سلمة فاتیت النبی صلی الله علیه وسلم فنفث فیه ثلاث نفثات فما اشتکیتها حتی الساعة۔

رواہ البخاری مشکوۃ ص ۵۳۳

یزید بن ابی عبید سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر چوٹ کا نشان دیکھا میں نے ان سے پوچھا کہ اے ابو مسلم یہ کیسی چوٹ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یوم خیبر کو مجھے شدید چوٹ لگی یہانتک کہ لوگوں نے کہا کہ سلمہ شہید ہو گئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا' آپ نے تین دفعہ دم فرمایا ۔ اور اس دم کی برکت سے مجھے آجتک تکلیف نہیں پہنچی۔

نیز مشکواۃ شریف ص ۳۹۰ پر ہے

عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال ارسلنی اهلی الی ام سلمة بقدح

عثمان بن عبد اللہ بن موہب سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے

من ماء وكان اذا اصاب الانسان
عين او شيئ بعث اليها مخضبه
فاخرجت من شعر رسول الله
صلى الله عليه وسلم وكانت تمسكه
في جلجل من فضة فخضخضته له
فشرب - منه الحديث (بخاری)

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے
ہاں پانی کا ایک پیالہ دیکر بھیجا۔ اور لوگوں کی
عادت تھی کہ جب کسی شخص کی آنکھ میں یا کسی
اور جگہ زخم پہنچتا تو آپ کے پاس تغار دے کر
بھیجتے۔ پس ام المومنین حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے موئے مبارک نکالتیں جنہیں وُہ
گھنٹی کی شکل کی ایک چاندی کی ڈبیا میں رکھا کرتی تھیں پس وہ اس ڈبیا کو پانی میں
ڈال کر نکالتیں۔ پس وہ شخص اس پانی کو پیتا۔ (بخاری)

مشکوٰۃ شریف صہ ۳۷۲ پر ہے:۔

عن اسماء بنت ابی بکر انها
اخرجت جبة طيالسية كسروانية
لها لبنة ديباج وفرجيها
مكفوفين بالديباج وقالت
هذه جبة رسول الله صلى الله
عليه وسلم كانت عند عائشة
فلما قضيت قبضتها وكان
النبي صلى الله عليه يلبسها فنحن
نغسلها للمرضى نستشفي بها
(رواه مسلم)

اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ انہوں
نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کا
ریشمی گریبان تھا۔ اور اسکی دونوں جانبیں بھی
ریشمی تھیں۔ اور فرمانے لگیں کہ یہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ جو حضرت
عائشہؓ کے پاس تھا۔ پس جب انکی وفات
ہوگئی تو میں نے اُسے حاصل کر لیا جسے نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پہنا کرتے تھے پس
ہم بیماروں کے لئے اسے دھوتے ہیں اور
اسی جبہ کے توسل سے ان کے لئے شفا طلب کرتے ہیں (مسلم)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کے پہنے ہوئے کپڑوں آپ کے
بالوں اور آپکی پھونک سے لوگ شفا حاصل کرتے تھے۔ اب غور طلب امر یہ ہے

کہ لباس بال اور پھونک حصول شفا کے لئے سبب عادی ہیں یا غیر عادی، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عادۃً لباس بال اور پھونک کو حصولِ شفا کیلئے پیدا نہیں فرمایا۔ اور اگر عادۃً ان کی خلق حصول شفا کیلئے ہوتی۔ تو چاہیئے تھا کہ ہر ایک کے لباس اور بال اور پھونک سے شفا حاصل کی جاتی جس طرح عادتاً جڑی بوٹیوں اور دواؤں کی خلق حصول شفا کیلئے ہے۔ اور وہ شفا کیلئے سبب عادی ہیں۔ اسی طرح لباس وغیرہ حصولِ شفا کیلئے ہرگز سبب عادی نہیں ہیں۔ اور اس میں رتی برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ پس آپ کے لباس وغیرہ سے صحابہ کرام کا شفا حاصل کرنا اور اپنی بیماریوں اور تکلیفوں میں نبی علیہ السلام کی طرف مراجعت کرنا اور آپ سے مدد چاہنا مافوق الاسباب امور میں استعانت ہے ۔

اگر سرفراز صاحب کی کلی قبول کر لی جائے۔ تو سلمہ بن اکوع کو چاہیئے تھا کہ پنڈلی ٹوٹ جانے کے بعد وہ کسی جراح کے پاس جاتے۔ کیونکہ علاج کیلئے طبیب اور جراح وغیرہ سبب عادی ہیں۔ اور اگر انہوں نے سرفراز صاحب کا مزعوم شرک کر ہی لیا تھا۔ تو نبی علیہ السلام کو چاہیئے تھا کہ آپ فرماتے میرے پاس ٹوٹی ہوئی ٹانگ لیکر کیوں آئے ہو۔ میں تو کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ اس کا سبب عادی ہوں۔ تم نے علاج معالجہ کے لئے مافوق الاسباب طریقہ کو اختیار کر کے شرک کیوں کیا؟ اچھی طرح جان لو کہ میرا کام تو فقط تم تک احکامِ شرعیہ پہنچا دینا ہے اور بس!

سرفراز صاحب آنکھیں کھول کر اور ہوش میں آکر جواب دیجئے کہ آپکی تحقیق کے مطابق یہ صحابہ مشرک ہوئے یا نہیں۔ اور اگر آپ رافضیوں کی طرح صحابہ پر بھی ہاتھ صاف کر دیں۔ تو پھر بتلائیے کہ آپ کی تحقیق کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا حکم عائد ہوگا۔ جنہوں نے آپ کے اس مذموم شرک کی

مذمت نہیں کی۔ اور اگر آپ عناد فطری کی وجہ سے رسول اللہ پر بھی جرأت کریں۔ تو اللہ تعالیٰ پر کیا حکم لگائینگے جس نے رسول اللہ کو شرک کی مذمت نہ کرنے پر تنبیہ نہ کی۔ بلکہ رسول اللہ کے دم میں شفا کا اثر رکھ کر الٹا اس شرک کی تائید کی سے

ساقی کا احترام تو لازم تھا اے صبا ہر ہر قدم پہ لغزش بے جا نہ کیجئے

خلق اور کسب

اس مقام پر یہ حضرات کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ تو نبی کا معجزہ ہے۔ اور معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ یہ محض دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ نبی کا معجزہ ہو یا ولی کی کرامت یا عام لوگوں کے افعال سب کا حقیقتہً خالق اور فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندوں کی طرف ان تمام افعال کی نسبت خواہ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ محض ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہٰذا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق یا کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بداہتہً باطل ہے۔ افعال عادیہ میں بندوں کی طرف نسبت تو مولوی سرفراز صاحب کو بھی تسلیم ہے۔ اب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں افعال غیر عادیہ کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے:۔

قال الذی عندہٗ علم من الکتاب انا اٰتیک بہٖ قبل ان یرتد الیک طرفک (نمل)

جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس (علم والے) نے (اس جن سے) کہا کہ اسکو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کر سکتا ہوں۔ ملخص ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی۔

قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا۔ (مریم)

فرشتے نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تمکو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔

انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ
الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا
باذن اللہ وابرئ الاکمہ
والابرص واحی الموتیٰ باذن
اللہ (آل عمران)

میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص (جذام) کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے

مذکورہ بالا آیت میں افعال غیر عادیہ کا اسناد مخلوق کی طرف کیا گیا ہے اور ان تمام آیات کا ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمہ سے لیا گیا ہے۔ تاکہ مخالفین کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے حقیقت یہ ہے کہ عام افعال کی طرح معجزات اور کرامات کے ساتھ بھی دو قدرتیں متعلق ہوتی ہیں ایک انبیاء اور اولیاء کی قدرت بلحاظ کسب کے اور ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت بجہت خلق اور ایجاد کے پس نبی علیہ السلام کا دم کرنا۔ انگلی سے اشارہ کرنا دعا کیلئے ہاتھ اُٹھانا یہ کسب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تکلیف دُور کر دینا۔ چاند شق کر دینا۔ سورج پلٹا دینا یہ خلق ہے۔ اور ان افعال کا اسناد نبی علیہ السلام کی طرف بلحاظ کسب ہے۔ اور اللہ عز مجدہٗ کی طرف بلحاظ خلق ہے۔ اور جس طرح عوام البشر کی قدرت اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح خواص بشر اور اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے ہیں۔ سرفراز صاحب کا صرف امور عادیہ میں بندوں سے استعانت جائز رکھنا علمی بے مائیگی اور بصیرت سے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

سرفراز صاحب کی مبحث شرک میں پہلی غلطی -

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے۔ جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے۔ اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ تنقید متین ص۲

ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں بس اور اختیار سے کیا مراد ہے۔ علیٰ وجہ الایجاد یا علیٰ وجہ الکسب۔ بر تقدیر اوّل یہ خود شرک ہے۔ اور بر تقدیر ثانی عادۃً کی قید لگانا باطل ہے۔ کیونکہ امور غیر عادیہ بھی علیٰ وجہ الکسب بس اور اختیار میں ہوتے ہیں۔ پھر ان میں استعانت کیونکر ناجائز ہوگی جبکہ ان امور غیر عادیہ میں بھی استعانت دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔

مافوق الاسباب امور میں استعانت کا قرآن سے ثبوت

سورۂ نمل میں اللہ تعالیٰ سلیمان علیہ السلام کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

قال یایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین قال عفریت من الجن انا اتیك به قبل ان تقوم من مقامك وانی علیه لقوی امین قال الذی عندہٗ علم من الکتاب انا اتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك (سورۂ نمل)

حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام نے فرمایا اے اہلِ دربار تم میں سے کون ہے جو تخت بلقیس کو میرے پاس پہنچا دے۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آئیں۔ ایک قوی ہیکل جن نے کہا آپ کے مجلس سے اُٹھنے سے پہلے میں اسے حاضر کر سکتا ہوں اور میں اسکی طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار بھی ہوں اور جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں اسے آپکی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں۔

تخت کو آن واحد میں مسافت کثیرہ سے منتقل کر دینا ایک ایسا خرق عادت ہے۔ کہ قوی ہیکل جن بھی باوجود بے پناہ طاقت کے اس پر قادر نہ تھا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی خرقِ عادت کو اہل دربار سے طلب کیا۔ سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ ما فوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت کرنا شرک ہے۔ تو اب فرمائیے کہ آپ کے اس فتویٰ کی براہ راست زد حضرت سلیمان علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑتی ہے یا نہیں۔ بتلائیے قرونِ ثلاثہ میں بھی کیا انبیاء علیہ السلام کو معاذ اللہ مشرک قرار دیا جاتا تھا۔ یا یہ خانہ ساز بدعت صرف دیوبند کی اختراع ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ علماء حق کو ابناء بدعت کی دشنام پر صبر کرنا چاہیئے۔ جو لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی (معاذ اللہ) مشرک بنانے سے نہیں چوکتے۔ وہ اگر علماءِ حق کو مشرک وغیرہ کہیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے

خونِ دل، خونِ تمنا، خونِ شوق آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

(نوٹ) یہاں پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام کا خدام سے اس امر کو طلب کرنا ان کی شان میں کمی کا موجب ہے کیونکہ خدام سے کوئی خدمت لینا انہیں خدمت کا موقعہ دینا اور انہیں شرف نصرت عطا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمے کُنی منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا تھا من انصاری الی اللہ میرا مدد گار کون ہے۔ ثانیاً اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جن کے خدام کی طاقت اور وسعت اختیار کا یہ عالم ہے۔ تو ان کے آقا کی شان کا کیا عالم ہوگا۔ ثالثاً اس میں یہ اشارہ ہے کہ امور ما فوق الاسباب میں استعانت جائز ہے۔ ورنہ حضرت

سلیمان علیہ السّلام اہل دربار سے کیوں فرماتے کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے تخت حاضر کرو۔ جبکہ پلک جھپکنے سے پہلے اتنے بڑے بھاری تخت کو مسافت بعیدہ سے لے آنا انسان کی عادت تو درکنار قوی ہیکل جن کے بس میں بھی نہ تھا۔ رابعاً۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف صرف انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ کرم الٰہی سے یہ تصرفات اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتے ہیں۔

اَب ہم آپ کے سامنے شرح عقائد نسفی سے علامہ نسفی اور علامہ تفتازانی کا کلام پیش کرتے ہیں۔ جو اس مقصد پر نص صریح ہے۔ کہ تخت بلقیس کو آن واحد میں لے آنا مافوق الاسباب امور سے ہے۔

وکرامات الاولیاء حق فیظهر الکرامة علی طریق نقض العادة للولی من قطع المسافة البعیدة فی المدة القلیلة۔

اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں پس ولی کی کرامت خرق عادت (مافوق الاسباب) طریقہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مسافت بعیدۃ کو مدت قلیلہ میں طے کر لے۔

اس کی شرح میں علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

کاتیان صاحب سلیمان علیہ السلام وھو آصف بن برخیا علی الاشھر بعرش بلقیس قبل ارتداد الطرف مع بعد المسافة (شرح عقائد نسفی ص۲۲۶)

مثلاً۔ صاحب سلیمان علیہ السّلام آصف بن برخیا کا تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے مسافتہ بعیدہ سے لے آنا۔ قول مشہور یہی ہے۔

بعید نہیں کہ گکھڑ کے محقق کو یہ شبہ لاحق ہو کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف مذکور تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ بس ہمارے لئے یہ کس طرح حجت ہوگا۔ جواباً عرض ہے۔ کہ شرائع سابقہ کے جن واقعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم بلغیر انکار کے بیان فرمائیں۔ وہ حقیقت

میں ہماری ہی شریعت ہے۔ اور اس کے حجت ہونے میں رتی برابر بھی شبہ نہیں۔ دیکھئے قمر الاقمار علی ہامش نور الانوار ص۲۱۶ پر مولانا عبد الحلیم صاحب لکھنوی فرماتے ہیں۔

ان ھٰذہ الشرائع انما تلزمنا اذا قصھا اللہ ورسولہ من غیر انکار کقولہ تعالیٰ وکتبنا علیھم ای علی الیھود فی التوراۃ ان النفس بالنفس الخ۔

شرائع سابقہ ہمیں اس وقت لازم ہوجاتی ہیں جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بغیر انکار کے بیان فرمائے جس طرح وجوب قصاص کا حکم قرآن کی آیت کریمہ ان النفس بالنفس سے ثابت ہے جو کہ اللہ تعالےٰ نے تورات میں نازل کیا تھا۔ اور پھر اس کا بیان قرآن کریم میں فرمایا پس یہ حکم ہم پر لازم ہوگیا۔

اسی طرح امور ما فوق الاسباب میں تصرف کا یہ واقعہ اگرچہ دور سلیمان علیہ السلام ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا بغیر انکار کے قصہ بیان فرمایا۔ تو یہ شرعی حجت قرار پایا۔ اور علماء متکلمین نے اس آیت سے کرامات اولیاء پر استدلال کیا۔ نیز جب اسرائیلی اولیاء کو ما فوق الاسباب امور پہ قدرت عطا کی ہے۔ تو اس امت کے اولیاء کو یہ اعزاز کیوں نہ حاصل ہوگا۔ جس کے سر پر اللہ تعالیٰ نے کنتم خیر امۃ کا تاج رکھا ہے۔ اور اسے جعلناکم امۃ وسطا کی دستاویز عطا فرمائی ہے۔

اب ہم مولوی سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب ما فوق الاسباب امور میں استعانت شرک ہے۔ تو انبیاء کرام اس شرک کو کیوں کرتے رہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے بلا انکار اس کا ذکر کیوں کیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس استعانت پر مواخذہ کیوں نہیں ہوا۔ وہ قرآن جو الحمد سے لیکر والناس تک شرک کی تردید میں نازل ہوا۔ وہ اس شرک کی کیوں تائید کر رہا ہے۔ اور اب آپ خدائے لم یزل

پر کیا فتویٰ لگائیں گے جو آپ کے نزدیک اس خالص شرک کی تائید کر رہا ہے

ع آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

یہ تو مافوق الاسباب امور میں زندوں سے استعانت تھی۔ آئیے۔ اب مافوق الاسباب امور میں ان سے استمداد پیش کریں۔ جنہیں مولوی سرفراز صاحب زندہ نہیں سمجھتے۔ مافوق الاسباب امور میں استعانت کا حدیث سے ثبوت۔

مشکوٰۃ شریف ص۵۴۵ پر ہے ۔

وعن ابی الجوزاء قال قحط اهل المدينه قحطا شديدا فشكوا الى عائشة رضی الله تعالىٰ عنها فقالت انظروا قبر النبی صلى الله عليه وسلم فاجعلوا كوى الى السماء حتى لا يكون بينه وبين السماء سقف ففعلوا فمطرنا مطرا حتى نبت العشب وسمنت الابل حتى تفتقت من الشحم فسمى عام الفتق (رواه الدارمی)

ابو جوزاء سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ (زادہا اللہ تشریفا) میں سخت قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی آپ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو دیکھ کر اسکے مقابل آسمان کی جانب سوراخ کر دو یہاں تک کہ قبر اطہر اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور اس زور کی بارش ہوئی کہ خوب سبزہ پیدا ہوا اور اونٹ فربہ ہو گئے اور ان کی چربی پھٹی جاتی تھی۔ اور اس سال کو لوگ خوشحالی کا سال کہنے لگے۔ (رواہ دارمی)

اس حدیث کو دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کے ص۲۰۳ پر ذکر کیا ہے ۔

غور طلب امر یہ ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یہ لوگ بارش کی شکائیت لیکر کیوں گئے۔ براہ راست خدا سے دعا کیوں نہ مانگی۔ اور اگر

انہوں نے یہ شرک کر ہی لیا تھا تو پھر ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چاہیے تھا کہ انہیں نماز استسقاء پڑھنے کا حکم دیتیں۔ جو طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھا۔ قبر انور کو آسمان کے بالمقابل کرنے کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس حدیث سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین تھا کہ اگر قبر شریف آسمان کے بالمقابل ہو جائے تو اس وقت بارش ہو جائے گی۔ ورنہ نہیں اور اگر ام المؤمنین نے سرفراز صاحب کے اس خود ساختہ شرک کا حکم دے ہی دیا تھا تو جنہیں حکم دیا تھا تو وہ بھی تو صحابہ اور تابعین تھے۔ انہوں نے اس گمراہی پر ام المؤمنین کی (العیاذ باللہ) اصلاح کیوں نہ کی۔

ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس امر تکوینی یا امر مافوق الاسباب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر سے استعانت کی ہے اور آپ امور تکوینیہ اور مافوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہتے ہیں۔ پھر آپ کا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا؟ اور خیر القرون کے ان نفوس قدسیہ کے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ جنہوں نے بارش ہونے نہ ہونے کا مدار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو اعتقاد کر لیا تھا ؎ کچھ تو کہیئے کہ لوگ کہتے ہیں

معلوم ہوا کہ خیر القرون میں مافوق الاسباب امور میں استعانت کو جائز سمجھا جاتا تھا اور یہی انبیاء علیہم السلام اور صلحاء عظام کا طریقہ ہے۔

شامی کی عبارت سے مافوق الاسباب امور میں استعانت کا جواز

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذہب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے ان اولیاء اللہ کے مختصر تراجم نقل کرتے ہیں جنہوں نے مذہب ابی حنیفہ اختیار کیا۔ چنانچہ حضرت معروف کرخی کے حالات بیان کرتے ہوئے

ردالمحتار ص۵۴ جلد ۱ پر فرماتے ہیں :-

من المشائخ الکبار مجاب الدعوۃ یستسقی بقبرہ مات ۲۰۰ھ	حضرت معروف کرخی عظیم مشائخ میں سے تھے۔ مجاب الدعوات تھے اور ان کی

قبر سے بارش طلب کی جاتی تھی اور انہوں نے ۲ صدی ہجری میں وفات پائی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک مذہب حنفی کی عظمت وجلالت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس مذہب کے پیروکار مرجع انام تھے۔ ان کی شخصیات تو الگ رہیں۔ وصال کے بعد لوگ ان کی قبور سے بھی استعانت کیا کرتے تھے۔ بریلویوں کو قبر پرستی کا طعنہ دینے والے دیدۂ عبرت سے اس عبارت کو پڑھیں اور غور کریں کہ قبر کے نزدیک دعا مانگنے سے بارش کا حاصل ہو جانا سبب عادی ہے یا غیر عادی؟ اگر سبب عادی ہے تو ہر قبر کے پاس دعا مانگنے سے بارش کیوں نہیں ہوتی اور معروف کرخی کے پاس دعا مانگنے سے بارش کے حصول میں ان کی کیا خصوصیت باقی رہی اور علامہ شامی کا اسے ان کے فضائل میں ذکر کرنا کس طرح صحیح ہو گا۔ جس طرح آگ حرارت کے لئے سبب عادی ہے۔ اور ہر آگ سے حرارت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہر قبر کے پاس دعا کرنے سے بارش کیوں نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ سبب عادی نہیں تو پھر آپ کی کلی ٹوٹ گئی اور ثابت ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استعانت جائز ہے۔ نیز اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اپنی حاجات اور مشکلات میں قبر پر جا کر دعا مانگنا اور صاحب قبر کو وسیلہ بنانا یہ عہد صحابہ تابعین اور اتباع ابی حنیفہ کے معمولات ہیں۔ یا چودھویں صدی کی بدعت ہے۔ ؎

آپ دیکھیں تو سہی ربط محبت کیا ہے
اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے سے

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بدعت ہے۔ تو وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب امور میں جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرنا ہے۔ تصرفات اولیاؑ اللہ کا انکار بدعت ہے۔ کمالات انبیاء سے عناد بدعت ہے۔ اسباب شرک میں افراد زمان و مکان کا فرق کرنا بدعت ہے۔ اللہ تعالےٰ کے لئے امکان کذب کا عقیدہ ایجاد کرنا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل تنقیص وہابیہ اور اسماعیلی بدعت کے فرزندوں کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔

سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی

مولوی سرفراز صاحب نے شرک کی تعریف میں زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی دو قیدیں اور بھی لگائیں ہیں اور ان قیود کے احتراز کا فائدہ وہ خود اپنے کلام میں ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ صـ۲۹ پر فاعینونی بقوۃ کے تحت لکھتے ہیں یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اولیاء شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب۔ ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے۔ جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور شریعت حقہ اس کیلئے وقف ہے اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا۔ اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیساکہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے۔ اہل علم کی شان نہیں ہے انتہیٰ

مولوی سرفراز صاحب کی اس عبارت میں کئی وجہ سے بحث ہے۔ اولاً یہ کہ اعینونی سے جو خاص استعانت ثابت ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس سے مطلق استعانت ثابت نہیں ہوتی۔ ان کے علمی افلاس کا اظہار کر رہا ہے۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ مطلق الشئی یتحقق بتحقق فردما۔ پس مطلق استعانت

استعانت کے ایک فرد کے تحقق سے متحقق ...... ہو جائے گی۔ ثانیاً یہ کہ مولوی سرفراز صاحب نے زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استعانت کو جائز قرار دیا اور میت بعید اور مافوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ امور ماتحت الاسباب میں استعانت مطلقاً جائز ہے یا من حیث اعتقاد عدم استقلال المستعان بر تقدیر اول لازم آئیگا۔ کہ اگر کوئی شخص امور ماتحت الاسباب میں مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر اس سے استعانت کرتے تو یہ بھی جائز قرار پائے۔ حالانکہ اس کے شرک ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ و بر تقدیر ثانی یعنی اگر امور ماتحت الاسباب میں من حیث عدم استقلال بالذات استعانت جائز ہو تو ثابت ہوا کہ جواز اور عدم جواز کا مدار مستعان کو مستقل بالذات سمجھنے پر ہے۔ نہ کہ محض امور ماتحت الاسباب پر۔ کیونکہ وہ تو شق اول میں بھی موجود ہے۔ اور شرک سے مفر نہیں پس بحمداللہ ثابت ہو گیا۔ شرک تب ہو گا کہ مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر استعانت کی جائے۔ خواہ زندہ ہو یا مُردہ۔ قریب ہو یا بعید اور ماتحت الاسباب امور میں استعانت ہو یا مافوق الاسباب میں۔ ورنہ سرفراز صاحب نے جو شرک اور عدم شرک کی بناء قائم کی ہے۔ کہ زندہ سے استعانت کی جائے تو جائز اور مردہ سے کی جائے تو شرک قریب سے کی جائے۔ تو جائز بعید سے کی جائے تو شرک پس اس سے لازم آئیگا۔ کہ زندہ کو سجدہ کرے تو جائز مردہ کو کرے تو شرک۔ زندہ کے نام پر جانور ذبح کرے تو جائز مُردہ کے نام پر کرے تو شرک۔ زندہ کو خدا کہے تو جائز، اور مُردہ کو کہے، تو ناجائز۔ قریب کو مالک ارض وسما کہے تو جائز بعید کو کہے تو شرک۔ قریب کے لئے نماز پڑھے۔ تو جائز، بعید کیلئے پڑھے تو شرک (ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

ان نادانوں کو آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ شرک کس کو کہتے ہیں۔ اور ان کی خود ساختہ توحید درحقیقت انہیں کس طرح شرک کی دَلدَل میں پھنسا دیتی ہے۔ کہ انہوں نے میّت اور بعید سے استعانت کو شرک کہہ کر کروڑوں زندہ اور قریب افراد کو خدا کا شریک بنا دیا اور یہ تمام ٹھوکریں مولوی سرفراز صاحب کا مقدر اس لئے بن گئیں کہ انہوں نے شرک کا خود ساختہ مبنیٰ مقرر کیا ے

جسے چاہیں اُسے حق مانتے ہیں
جسے چاہیں خطا گردانتے ہیں

اور متقدمین کی تعریف کو اختیار نہ کیا۔ دیکھئے شرح عقائد نسفی ص۵۶ پر ہے :۔

الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنے استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام۔

اشراک مجوس کی طرح کسی کو الوہیت میں بمعنی وجوب وجود کے شریک کرنا ہے۔ یعنی خدا کو کسی کے سوا اللہ اور واجب الوجود اعتقاد کیا جائے یا بُت پرستوں کی طرح کسی کو مستحق عبادت سمجھا جائے :۔

حقیقت یہ ہے کہ جو امر شرک ہو اس میں زمان و مکان اور افراد کی تخصیص نہیں ہوا کرتی۔ جو چیز شرک ہو، وہ ہر شخص کیلئے شرک ہو گی ہر جگہ شرک ہو گی۔ ہر وقت شرک ہو گی۔ مثلاً سجدہ عبودیت شرک ہے۔ پس جس جگہ جس وقت اور جس شخص کے لئے سجدہ عبودیت کیا جائے۔ وُہ شرک ہو گا۔ یہ نہیں کہ کوئی امر پہلے زمانہ میں شرک نہ ہو۔ اور اَب شرک ہو جائے۔ یا زید کو عبودیت کا سجدہ کریں۔ تو شرک ہو۔ اور عمرو کو کریں تو نہ ہو۔ پس زندہ سے استعانت کا جائز ہونا اور مُردہ سے استعانت کا شرک

ہونا ایک ابلیسی منطق ہے۔ جو کسی دیندار اور ہوشمند کی عقل میں نہیں آئے گی۔

دراصل مولوی سرفراز صاحب نے یہ سبق اکابر دیوبند سے سیکھا ہے۔ چنانچہ خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ ص۵۱ پر لکھا ہے:۔

"علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہے۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے۔ کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

سوال یہ ہے کہ جب علم محیط زمین غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے۔ پھر بھی شرک ہے اور ابلیس اور ملک الموت کیلئے ثابت کیا جائے۔ پھر بھی شرک ہے۔ یہ کونسا قاعدہ ہے کہ جو چیز شرک ہو اس کا ابلیس کے لئے اثبات جائز ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے ناجائز۔ کیا ان کے زعم فاسد میں ابلیس کو خدا کا شریک ماننا جائز ہے۔ اور حضور علیہ السلام کو ناجائز۔ مولوی انبیٹھوی نے تو جہاں اپنا ٹھکانا بنانا تھا۔ بنا چکے۔ اب سرفراز صاحب ہی اس معمے کو حل کر دیں۔ بلکہ مولوی انبیٹھوی کے تمام اذناب اور مولوی سرفراز صاحب کے تمام اعوان و انصار مل کر ہی یہ پرانا قرضہ چکا دیں۔ نصف صدی سے زیادہ بیت چکی۔ اعلحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض مولوی انبیٹھوی پر قائم کیا تھا۔ اور آجتک ذریت دیوبند اس کا جواب نہ دے سکی۔ ھَاتوا بُرھانکم ان کنتم صادقین۔

اب ہم شرک کی اس تعریف کو جو مولوی سرفراز صاحب کے معتمد علیہ شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں ذکر کی ہے۔ نقل کرتے ہیں جس کو مولوی سرفراز صاحب نے بڑے دھڑلے سے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے:۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه وتعالیٰ شيئا من صفاته المختصة به (الفوز الكبير)

شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی صفات مختصہ میں سے کوئی صفت اسکے غیر کے لئے ثابت کی جائے :-

اور خاصہ کہتے ہیں کہ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ۔ یعنے جو صفت جس کا خاصہ ہو اس میں پائی جائے ، اور اس کے غیر میں نہ پائی۔ اَب غور فرمائیے۔ مولوی سرفراز صاحب کہتے ہیں ، مردہ سے استعانت شرک۔ بعید سے استعانت شرک۔ اور مردہ اور بعید سے استعانت شرک تب ہوگی۔ جبکہ یہ خدا کی صفت مختصہ ہو۔ پس مولوی سرفراز صاحب کے عقیدۂ فاسدہ پر لازم آیا۔ کہ نعوذ باللہ ، اللہ تعالیٰ مردہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھو الحی القیوم اور خاکت بدہن۔ اللہ بعید ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ شارح عقائد اور صاحب الفوز الکبیر کے کلام سے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ شرک کا مدار تین امروں پر ہے۔ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود سمجھا جائے ، یا اس کو مستحق عبادت اعتقاد کرے ' یا اللہ کی صفات مختصہ مثلاً علم ذاتی ایجاد اور قدرت ذاتیہ میں سے کوئی صفت غیر کے لئے ثابت کرے۔ اور چونکہ یہ اہم نکات مولوی سرفراز صاحب کی نگاہ سے اوجھل رہے۔ اسی لئے انہوں نے اس باب میں بے سروپا باتیں کیں۔ مثلاً اسی بحث میں ص ۳۲ پر لکھتے ہیں کہ :-

" جملہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے۔ مگر اس کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان کو عون الٰہی اور امداد الٰہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کرتے تھے۔ اور یہی شرک کی حقیقت ہے۔ کیونکہ دنیا میں کسی مشرک

نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا۔ بایں طور اس کو واجب الوجود تسلیم کیا ہو۔ اور قدرت وطاقت کا بالاستقلال منبع اس کو یقین کر لیا ہو۔ بلکہ مشرکین عطائی اختیارات کے تحت ہی ان سے استعانت کرتے تھے۔"

مولوی سرفراز صاحب کی یہ عبارت کئی وجہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ دنیا میں آجتک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا۔ حالانکہ ہم ابھی شرح عقائد سے نقل کر چکے ہیں۔

الاشراك هو اثبات الشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس الخ اس عبارت کا صریح منطوق یہ ہے۔ کہ مجوس دو واجب الوجود مانتے تھے۔ چنانچہ نبراس ص ۲۶۵ پر اس کے تحت ہے۔

فانهم يعتقدون الهين يزدان خالق الخير واهرمن خالق الشر۔ ان کے علاوہ کواکب پرستوں کی ایک جماعت بھی کواکب کے واجب الوجود ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی۔ دیکھئے تفسیر کبیر میں وجعلوا لله شركاء الجن کے تحت امام رازی ارقام فرماتے ہیں۔

من المشركين الذين يقولون مدبر هذا العالم هو الكواكب وهؤلاء فريقان منهم يقول انها واجبة الوجود لذواتها۔ الخ

بعض مشرکین میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اس عالم کے مدبر کواکب ہیں پھر انکے دو فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہیں جو کہتے ہیں۔ یہ کواکب واجب الوجود ہیں۔

ثانیاً اس لئے کہ اس عبارت میں مولوی سرفراز صاحب نے عطائی اختیارات مان کر استعانت کرنے کو بھی شرک قرار دیا ہے۔ اور چند سطر بعد الفوز الکبیر سے شرک کی تعریف اس طرح نقل کی۔ والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه وتعالىٰ

شیئاً من صفاتہ المختصۃ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کسی ایک صفت کو بھی غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

پس اس تعریف کے مطابق عطائی اختیارات والے سے استعانت تب شرک ہوگی۔ جب عطائی اختیارات اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہوں اور جب اللہ تعالےٰ کے لئے عطائی اختیارات ثابت ہوئے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ مخلوق کے اختیارات ذاتی ہیں۔ یا عطائی بر تقدیر اوّل مخلوق کا خالق پر غالب ہونا لازم آئیگا اور بر تقدیر ثانی خدا کے غیر متناہی شرکاء لازم آئیں گے۔ فرمن المطر وقام تحت المیزاب۔ سبحان اللہ یہ ہے اہل دیوبند کی توحید جسے ثابت کرنے کیلئے وہ تمام مسلمانوں کو مشرک بناتے پھرتے ہیں۔ ثالثاً نقض تفصیلی ہے۔ اور اسکی تقریر یہ ہے کہ مشرکین کی استعانت اس وجہ سے شرک نہیں تھی کہ وہ عطائی اختیارات والوں سے استعانت کرتے تھے کہ سرفراز صاحب کے ناپاک اعتقاد کی گنجائش نکل سکے۔ بلکہ ان کی استعانت اس لئے شرک تھی۔ کہ وہ مستعان کو باوجود غیر مستقل اور ممکن ماننے کے مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ابھی شرح عقائد سے گذرا۔ او بمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدۃ الاصنام اور ان کے اصنام کو مستحق عبادت سمجھنے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ مشرکین کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے ؎۔

وما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ	ہم ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہمکو اللہ کے قریب کردیں۔

تنقید صد ۹۳ پر سرفراز صاحب صدرالا فاضل علیہ الرحمۃ پر تبصرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں ــــ " ساتھ ہی ساتھ بعض عبارتوں میں مولوی صاحب کے ذہن کی عدم صفائی اور ناہمواری بھی آشکارا ہوجاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نشہ میں

سرشار کوئی ملنگ ہے جو بے تکیاں ہانک رہا ہے۔ انتہی۔ اسلئے ضروری ہے کہ ضروری ہے کہ سرفراز صاحب کو آئینہ دکھایا جائے تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ نشہ میں دھت ہو کر لکھنے کون بیٹھا ہے ؎

ہم اگر بات کریں گے تو شکایت ہوگی

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قلم کو شراب میں ڈبو کر لکھا ہے۔ اس لئے ان کا آوارہ قلم اس باب میں بار بار بہکا ہے۔ پہلے تو امور مافوق الاسباب میں استعانت کو شرک قرار دیا۔ پھر مطلقاً عونِ الٰہی کے مظہر ہونے کو شرک کہا۔ آگے چل کر عطائی اختیارات سے استعانت کو بھی شرک بنا ڈالا۔ چلئے چھٹی ہوئی۔ اب مافوق الاسباب ہوں یا ماتحت الاسباب، مستعان زندہ ہوں یا مردہ۔ قریب ہوں یا بعید جن کیلئے بھی عطائی اختیارات مانے جائیں شرک لازم آئیگا۔ اور ذاتی اختیار مان کر غیر اللہ سے استعانت کی جائے۔ تو مولوی سرفراز کی تعریف کے تحت شرک نہ ہوگا۔ خواہ مخلوق کا خالق پر تفوق ثابت ہو جائے۔ غور فرمائیے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل پر طعن کرنے والے کسی قدر علمی بے مائیگی کا شکار ہیں۔

صاحب مالابد منہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی

شرک کی بحث میں مولوی سرفراز نے مالابد منہ صلا سے ایک عبارت نقل کی ہے۔

الشرك هو اعتقاد ان لغير الله اثرا فوق ما وهبه الله من الاسباب الظاهرة وان لشئ من الاشياء سلطانا عباخرج عن قدرة المخلوقين۔ اور اس عبارت کے ظاہری ترجمہ سے یہ تاثر دینے کی سعی مذموم کی ہے کہ امور مافوق الاسباب میں استعانت شرک ہے۔ اول تو عبارت میں

سرے سے کہیں استعانت کا ذکر نہیں۔ مولوی سرفراز نے بد دیانتی سے کام لے کر محض اپنا عقیدہ باطلہ ثابت کرنے کے لئے اس عبارت میں استعانت کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔ ثانیاً یہ کہ عبارت کا مفاد محض یہ ہے۔ کہ مخلوق کیلئے قدرت علی وجہ الکسب ثابت ہے۔ اور قدرت علی وجہ الایجاد نہیں اور اللہ تعالےٰ نے مخلوق کے کسی فرد کو اسباب ظاہرہ یعنی اسباب اور آلات کسب سے زیادہ اثر نہیں دیا۔ اور کسب کے بعد اثر کا مرتبہ ایجاد ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کا خاصہ ہے پس مخلوق کے کسی فرد کی قدرت کسب اور اس کے اسباب ظاہرہ سے متجاوز نہیں۔ اور کسب کا تعلق امور عادیہ اور غیر عادیہ دونوں کے ساتھ ہے۔ عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امور عادیہ سے اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔ ثالثاً یہ کہ اگر اس عبارت میں اسباب ظاہرہ کا وہ مطلب لیا جائے۔ جو مولوی سرفراز صاحب نے سمجھا ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے۔ کہ مخلوق کو قدرت صرف ماتحت الاسباب العادیہ پر ہوتی ہے۔ تو معجزات اور کرامات کا انکار لازم آئیگا۔ حالانکہ معجزات کو معتزلہ بھی مانتے ہیں۔ اور ایسے بدترین عقیدہ کی نسبت صاحب مالابدمنہ کی طرف کرنا دیانتداروں کا کام نہیں۔

مولوی سرفراز صاحب کی زیر نظر عبارت میں تیسری بحث یہ ہے۔ کہ انہوں نے کہا یہ وہ امداد نہیں۔ جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں۔ کہ نہ وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب۔ اس عبارت میں مولوی سرفراز صاحب نے انبیاء و شہداء اور اولیاء کی حیات کا بلا کسی قید کے انکار کر دیا۔ چلئے قصہ ہی ختم ہوا۔

دیوبندی بدعت خوارج اور معتزلہ کی فرع ہے

ہماری تحقیق کے مطابق فتنۂ دیوبندیت حقیقت میں معتزلہ اور خوارج سے ماخوذ ہے چنانچہ خوارج کے بارے میں شامی جلد ثالث میں ہے۔ ھٰذا غیر شرط فی مسمی الخوارج بل ھو بیان لمن خرجوا علی سیدنا علی رضی اللہ عنہ والا فیکفی فیھم اعتقادھم کفر من خرجوا علیہ کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوھاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلہ لکنھم اعتقدوا انھم المسلمون وان من خالفوا اعتقادھم مشرکون

یعنی خوارج کے مصداق کیلئے تکفیر صحابہ شرط نہیں ہے۔ بلکہ یہ قید بیان واقعہ کیلئے ہے۔ کہ انہوں نے حضرت علیؓ پر خروج کیا ورنہ ان کے خوارج ہونے کیلئے ان کا اس شخص کے بارے میں کفر کا اعتقاد کافی ہے جس پر یہ خروج کریں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اتباع عبدالوہاب ہیں جو نجد سے نکل کر حرمین پر قابض ہو گئے۔ اپنے آپکو حنبلی بتاتے ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو اعتقاد میں ان کا مخالف ہو۔ وہ مشرک ہے۔

آپ دیکھ لیں کہ وہابیہ کو شامی نے خوارج قرار دیا اور وہابیہ کی کم و بیش تمام بدعات اہل دیوبند میں پائی جاتی ہیں۔

سوا اس کے کہ وہ اپنے آپ کو حنبلی کہتے تھے اور یہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔

دیکھئے فتاوی رشیدیہ جلد سوم ص۷۹ پر دیوبندیوں کے قطب عالم رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

"محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا۔ اور عامل بالحدیث تھا۔ انتھیٰ

جلد دوم ص۱۱ پر لکھتے ہیں۔ اس وقت ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور

دیندار کو کہتے ہیں :۔ انتہٰی

اور معتزلہ حیات الاموات کی نفی کر کے عذاب قبر وغیرہ مسائل کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح وہابیہ حیوٰۃ انبیاء اولیاء کی نفی کر کے استمداد وغیرہ کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھئے شرح عقائد نسفی صہ ۲ پر ہے۔ وانکر عذاب القبر بعض المعتزلۃ والروافض لان المیت جماد لاحیوٰۃ لہ. ہمارا موضوع سخن اس وقت عام اموات کی حیات نہیں ہے۔ اسلئے ہم انبیاء اولیاء اور شہداء کی حیات پر گفتگو کرتے ہیں جس کا مولوی سرفراز صاحب نے مطلقاً انکار کر کے اپنی جان اور ایمان پر ظلم عظیم کیا ہے۔

حیات انبیاؑ دنیاوی اور جسمانی ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ شہداؑ کے حق میں فرماتا ہے،

ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیآء ولٰکن لاتشعرون

اور نہ کہو شہداؑ کو مُردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

اس کے تحت شیخ صادی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں :۔

ای حیوٰۃ اخرویۃ بالجسم و الروح لیست کحیاۃ اھل الدنیا لایشاھدھا الا اھل الاخرۃ و من خصہ اللہ بالاطلاع علیھا و ھذا ھوالتحقیق خلافالمن قال انھم احیاء بالروح فقط لانہ یرد بان کل انسان حیّ الروح مسلما کان اوکافرا لعدم فناء الروح ولا

یعنی حیات اخروی جسم اور روح کے ساتھ ہے اور اس کا مشاہدہ صرف اہل آخرت کرتے ہیں یا جنہیں اللہ تعالیٰ اس پر اطلاع کے ساتھ خاص کر لے اور یہی تحقیق ہے بخلاف اس شخص کے جس نے فقط ان کی حیات روحانی کا قول کیا۔ کیونکہ یہ اس لئے مردود ہے۔ کہ ہر انسان خواہ مومن ہو یا کافر روحانی طور پر زندہ ہوتا ہے

مزية للشهيد على غيره وهذه الحيواة حقيقة وانما خروجه انتقال من دار الی اخری وهي مزية من مزايا الانبيآ فلا يقال انهم ساووهم .

اس لئے کہ روح پر فنا نہیں ہے۔ اور پھر اس میں شہید کی اپنے غیر پر فضیلت نہیں رہے گی۔ اور یہ حیات حقیقی ہوتی ہے۔ اور روح کا خروج حقیقت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور یہ انبیاؑ کرام علیہم السلام کی بے شمار فضیلتوں میں سے ایک فضیلت ہے۔ پس یہ نہ کہا جائے کہ انبیائے کرام کے ساتھ شہداء کی مساوات لازم آجائے گی۔

شیخ صادی کے علاوہ علامہ ابوسعود کرخی جمل اور بے شمار محققین علماء اہلِ سنت کا یہی مسلک ہے کہ شہداؑ کی حیات جسمانی ہوتی ہے۔ اور سب کو چھوڑئیے مولوی خلیل احمد صاحب دیوبندی عقائد علماء دیوبند ص۱۶ پر لکھتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے۔ بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیاتِ مخصوص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاؑ علیہم السلام اور شہداؑ کے ساتھ یہ حیات برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو۔ انتھی

علاوہ ازیں مشکوٰۃ شریف ص۱۲۱ پر ہے

قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل احساد الانبیآ فنبی اللہ حی یرزق۔ اس کے تحت ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں فیہ اشارۃ ان العرض علی مجموع الروح والجسد منھم۔ یعنی اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی علیہ السلام پر بعد وصال کے درود شریف روح اور جسد کے مجموعہ پر کیا جاتا ہے نیز فرماتے ہیں۔ وصح الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ یہ حدیث صحیح ہے کہ

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور وہ نماز ادا فرماتے ہیں۔ اور اسی حدیث کو شرح الصدور میں امام سیوطی نے بیہقی اور ابو یعلی کے حوالہ سے نقل کیا۔ نیز مسلم شریف میں ہے۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ مر بموسی صلوٰۃ اللہ علیہ۔ وھو قائم یصلی فی قبرہ	حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام لیلۃ المعراج کو حضرت موسیٰ کے پاس سے گذرے درآنحالیکہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے

اس حدیث کو ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اسی مقام پر ذکر کیا۔ اور علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں ص۸۷ پر بھی وہ طرق کثیرہ ذکر کئے۔ جن سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اشعۃ اللمعات" اور "جذب القلوب" میں انبیاء کی جسمانی حیات پر کافی طویل کلام کیا ہے۔ جسے ہم نے طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا۔

حیاتِ اولیاءؒ

باقی رہی حیاتِ اولیاءؒ تو اس کے بارے میں سرفراز صاحب کے لئے دیوبند کی شہادت سے یہ کہنا کافی ہے کہ جب عام انسانوں کو قبر میں برزخی حیات حاصل ہے۔ تو اولیاء اللہ کو اعلیٰ اور ارفع درجہ کی حیات حاصل ہو گی۔ امام فخر رازی "تفسیر کبیر ص۹۵ ج۳ پر اور ملا علی قاری حنفی ص۲۴۱ ج ۳ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

اولیاء اللہ لا یموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار۔	اولیاء اللہ مرتے نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں:۔

بہرحال حق یہ ہے کہ اہلِ سنت کا اولیاء اللہ کی برزخی حیات پر اتفاق ہے۔ اگر مولوی سرفراز صاحب اس کا انکار کر کے کسی اور فرقے میں اپنی جگہ بنائیں۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ انبیاء، شہداء اور اولیاءؒ کی حیات پر یہاں اختصار کے پیشِ نظر اجمالی کلام کیا گیا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ العزیز باب حاظر ناظر میں کی

جائیگی۔ مولوی سرفراز صاحب کی مذکورہ بالا عبارت پر ابحاث ثلاثہ کے بعد ہم پھر اصل مسئلہ یعنی استمداد اور استغاثہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

استمداد کا ثبوت احادیث سے

مشکوٰۃ شریف ص۸۴ پر ہے :-

وعن ربیعۃ بن کعب قال کنت ابیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتیتہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنۃ قال اوغیر ذالک قلت ھو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود (رواہ مسلم)

ربیعہ بن کعب سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک رات گذاری پس میں آپکے وضو کیلئے پانی اور دیگر ضروریات کو لے کر حاضر ہوا۔ آپنے فرمایا کہ مانگ۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ سے جنت میں آپکی رفاقت مانگتا ہوں آپنے فرمایا اس کے سوا اور کچھ۔ میں نے عرض کیا میرا مدعا یہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا۔ تو کثرت سجود سے میرے لئے اپنے نفس پر مدد کر (یعنی کثرت سے نمازیں پڑھ تاکہ تو جنت میں میری رفاقت کا اہل ہو سکے)۔

اس حدیث کے تحت شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں۔

از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ سوال کو مطلق رکھنے سے کہ آپؐ نے فرمایا مانگ اور کسی مطلوب خاص کے ساتھ مقید نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ تمام امور آپکے ہاتھ میں ہیں۔ جسے چاہیں جو چاہیں اللہ عزوجل کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔ ملا علی قاری مرقاۃ میں اسی مقام پر ابن حجر کا کلام نقل کرتے ہیں۔ ویؤخذ من اطلاقہ علیہ السلام الامر بالسوال ان اللہ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق۔ نبی علیہ السلام نے سوال کرنے کے امر کو جو مطلق رکھا ہے اس سے یہ مستفاد

ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو خزائن حق سے ہر اس چیز کے عطا کرنے پر قادر کردیا۔ جس کا آپ ارادہ فرمائیں۔

آگے چل کر ابن سبع کا کلام نقل فرماتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ اقطعه ارض الجنة يعطی منها ما يشاء لمن شاء۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپؐ کو عطا فرمائی ہے کہ اس زمین سے جس کے لئے چاہیں جتنی قدر چاہیں عطا فرمائیں۔

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اذن الہٰی سے جو چاہیں جسے چاہیں عطا فرمادیں۔ خواہ امور عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ سے۔ انگلیوں سے چشمے جاری کرکے کثیر التعداد صحابہ کو سیراب کردینا۔ سلمۃ بن اکوع کی شکستہ پنڈلی کو دم فرماکر درست کردینا۔ مافوق الاسباب العادیہ کے طور پر امداد کے چمکتے ہوئے ایسے دلائل ہیں۔ جن کی تابناکیوں سے آجتک اہل تنقیص کی آنکھیں زمین میں گڑی جارہی ہیں۔ پھر ربیعہ بن کعب کو سل فرماکر آپ نے اپنی ذات سے حاجت روائی کا جواز ہی بیان نہیں کیا۔ بلکہ امر فرمایا ہے۔ دیکھئے ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ سل کی تفسیر کرتے ہیں۔ ای اطلب منی حاجة یعنی مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ اور سوال کو مطلق رکھ کر یہ بھی سمجھادیا کہ امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ جس امر میں چاہو مجھ سے حاجت روائی کرو۔ اسی مطلب پر پہنچ کر حضرت ربیعہ بن کعب نے آپ سے جنت کا سوال کیا۔ حالانکہ جنت کا دینا عادۃ کسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ اگر یہ شرک تھا تو چاہیئے تھا کہ حضور اس سوال سے روک دیتے۔ کیونکہ آپ کی بعثت ہی شرک کے قلع قمع کے لئے ہوتی تھی۔ لیکن آپؐ نے فرمایا۔ او غير ذالك اس کے علاوہ بھی کچھ مانگنا ہو۔ تو مانگ۔ حضور علیہ السلام بار بار مانگنے کی اور اپنی ذات سے حاجت روائی کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اور ازلی محروم شرک کی تسبیح رول رہے ہیں۔ کیا حضور کے

فرمان سل ای اطلب منی حاجة (مجھ سے اپنی حاجت طلب کر) کے بعد بھی مولوی سرفراز صاحب کا یہ ہذیان قابل توجہ رہ جاتا ہے۔ کہ کتب حدیث کے وافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح اور صریح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو۔ کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استعانت کرو۔ صـ۲۷ بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبی است ۔

اس سلسلے میں دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ طبرانی شریف میں ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ۔

وان اراد عونا فلیقل یا عباد الله اعینونی یا عباد الله اعینونی یا عباد الله اعینونی وقد جرب ذالک

اور اگر مدد چاہے تو اُسے چاہیئے کہ یُوں پکارے اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ یہ امر مجرب ہے ۔ (حصن حصین صـ۲۲)

اسی حدیث کو طبرانی نے عتبہ بن غزوان سے روایت کیا۔ ابن سنی نے عبداللہ ابن مسعود سے ابن ابی شیبہ اور بزاز نے ابن عباسؓ سے روایت کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث طرق متعددہ سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ہر طریقہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں محدثین نے اس حدیث کے حسن ہونے پر تصریح بھی قائم کی ہے ۔

طبرانی اور بیہقی سے علامہ یوسف نبھانی نے شواہد الحق صـ۱۰۳ پر ذکر کیا۔ اور مولوی سرفراز صاحب کے حکیم الامت نے نشر الطیب صـ۳۰۰ پر درج کیا ہے کہ

عن ابی امامة بن سهل بن حنیف بن عمه عن عثمان بن حنیف رضی الله عنه ان رجلا کان یختلف الی

عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک شخص کسی اپنے کام میں حضرت عثمان کے پاس جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی حاجۃ
فکان عثمان لا یلتفت الیہ ولا ینظر
فی حاجتہ فلقی ابن حنیف فشکا ذٰلک
الیہ فقال لہ عثمان بن حنیف ائت
المیضاۃ فتوضأ ثم ائت المسجد
فصل فیہ رکعتین ثم قل اللّٰھم انی
اسئلک واتوجہ الیک نبیّنا محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا
محمد (صلی اللہ علیک وسلم) انی اتوجہ
بک الی ربی فیقضی حاجتی وتذکر
حاجتک ورح حتی اروح معک
فانطلق الرجل فصنع ما قال لہ ثم
اتی باب عثمان بن عفان فجاء البواب
حتی اخذ بیدہ فادخلہ عثمان بن عفان
فاجلسہ معہ علی الطنفسۃ فقال
ما حاجتک فذکر حاجتہ وقضاھا
لہ ثم قال لہ ما ذکرت حاجتک حتی
کان الساعۃ وقال ما کانت لک من
حاجۃ فاذکرھا ثم ان الرجل خرج
من عندہ فلقی عثمان بن حنیف
فقال لہ جزاک اللہ خیرا ما کان ینظر

اسکی طرف توجہ نہ کرتے تھے پس اسکی ملاقات
حضرت ابن حنیف سے ہوئی پس عثمان بن
حنیف نے کہا کہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر پھر
دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ
اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری
طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی علیہ السلام کے
وسیلہ سے جن کا نام نامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ کی
وساطت سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں
تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔ پھر تو
اپنی حاجت بیان کرنا اور شام کو جانا میں
بھی تمہارے ساتھ جاؤنگا پس وہ شخص
گیا اور اسکے مطابق عمل کیا۔ پھر حضرت
عثمان کے ہاں گیا تو دربان خود اسے حضرت
عثمان کے پاس لے گیا۔ اور ان کے پاس غالیچہ
پر بٹھا دیا۔ پس حضرت عثمان نے اس سے حاجت
پوچھی اس نے بیان کی اور انہوں نے اسکی
حاجت کو پورا کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ تو نے
اب تک کیوں نہ اپنی حاحت بیان کی تھی۔ اور
آئندہ جو کام ہو مجھ سے ذکر کرنا۔ پھر اسی
شخص کی دوبارہ عثمان بن حنیف سے ملاقات

فی حاجتی و لا یلتفت الیّ حتی
کلمته فی فقال عثمان بن حنیف۔
و اللہ ما کلمته و لکن شهدت
رسول اللہ و اتاہ ضریر فشکا
الیه ذهاب بصرہ فقال له النبی
صلی اللہ علیه وسلّم او تصبر فقال
یارسول اللہ انه لیس لی قائد
وقد شق علیّ فقال له النبی صلی اللہ علیه
وسلم ایت المیضاة فتوضأ ثم
صل رکعتین ثم ادع بهذه الدعوات
فقال ابن حنیف فو اللہ ما
تفرقنا حتی دخل علینا الرجل
کانه لم یکن به ضر قط

ہوتی۔ تو اس نے ابن حنیف سے کہا کہ تیرا خدا بھلا کرے۔ تو نے حضرت عثمان سے میری سفارش کی اور وہ مجھ پر مہربان ہو گئے پس ابن حنیف نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے حضرت عثمان سے تیرے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ البتہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔ کہ ایک نابینا آیا اور حضور سے اپنی آنکھوں کی شکائت کی تو آپ نے فرمایا بہتر ہو گا کہ تو صبر کرے۔ اس نے عذر پیش کیا کہ مجھکو کوئی راہ بتلانے والا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ وضو کر مسجد میں جا دو رکعت نماز پڑھ۔ اور پھر دعا مانگ (اسی طریقہ سے)

ابن حنیف نے کہا۔ کہ ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہی نابینا شخص آ پہنچا اور اس کی آنکھیں بالکل درست تھیں۔ گویا کبھی اندھا ہوا ہی نہ تھا۔

اس حدیث سے استعانت مافوق الامور العادیہ میں فی الحیات بھی ثابت ہوئی۔ اور بعد الوصال بھی۔ لیکن سرفراز صاحب کو اس سے کیا غرض۔ وہ فقدان بصیرت اور عناد انبیاء کی وجہ سے یہی کہتے ... رہیں گے۔ کہ اس استعانت کے باب میں ایک حدیث بھی موجود نہیں۔

بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے مالک الدار سے روائت کیا۔

اصاب الناس قحط فی زمان

حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت

عمر بن الخطاب فجاء رجل الی قبر
النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول
اللہ استسق لامتك فانهم قد
هلكوا فاتاه رسول صلی اللہ علیہ
وسلم فی المنام فقال ائت عمر فاقرئه
السلام واخبره انهم مسقون
وقل له عليك الكيس فاتى الرجل
عمر رضی اللہ عنہ فاخبره فبكى عمر
ثم قال یارب ما آلوا الا ما عجزت
عنه (شواہد الحق ص۳۲۵) (قرۃ العینین
مصنفہ شاہ ولی اللہ ص۱۹۱)

میں قحط پڑ گیا۔ پس ایک شخص نبی علیہ السلام
کی قبر پر حاضر ہوا اور عرض گذار ہوا اے اللہ
کے رسول اپنی امت کیلئے بارش طلب کیجئے
کیونکہ آپکی امت ہلاک ہو رہی ہے تو نبی علیہ السلام
نے اسکو خواب میں تشریف لاکر فرمایا کہ (حضرت)
عمر کے پاس جا اور انہیں سلام کہہ اور خبر دے کہ وہ
عنقریب سیراب کئے جاینگے اور کہہ کہ تمکو (امور خلافت
میں) بیدار مغزی لازم ہے پس وہ شخص حضرت عمر
کی خدمت میں حاضر ہوا اور خبر دی پس حضرت
عمرؓ پر گریہ طاری ہوا اور کہنے لگے اے اللہ
میں نہیں ترک کرتا مگر اس چیز کو جس سے میں عاجز ہو جاؤں۔

نیز مدارک التنزیل جلد اول ص۳۶۸۔ شواہد حق میں ص۲۹۹ اور نشر الطیب میں
ص۳۰۳ پر ہے:۔

قیل جاء اعرابی بعد دفنه علیه
السلام فرمى بنفسه على قبره
وحثا من ترابه على راسه و
قال یارسول اللہ قلت وسمعنا
وكان فيما انزل عليك ولو انهم
اذ ظلموا انفسهم وقد ظلمت
نفسی وجئتك استغفر الله من
ذنبی فاستغفر لی من ربی فنودی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونیکے
بعد ایک اعرابی آیا۔ اس نے اپنے آپ کو قبر
شریف پر گرا دیا۔ اور خاک سر پر بکھیر کر عرض
کرنے لگا۔ یارسول اللہ جس وقت ہم پر
قرآن نازل ہوا تھا۔ آپنے فرمایا اور اگر یہ اپنی
جان پر ظلم کریں تو آپکی بارگاہ میں حاضر ہو
جائیں اور اللہ تعالی سے استغفار کریں اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکی شفاعت

من قبرہٖ قد غفر لك۔ | کریں تو یہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے)

اور میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں، آپ میری بخشش کی دعا کیجئے۔ پس قبر سے ندا آئی کہ تجھے بخش دیا گیا۔

استمداد کا ثبوت اعلام اُمت سے

مذکورہ بالا احادیث و آثار کے بعد اب ہم اس مسئلہ میں علمائے اہل سنت کا مسلک انکے اقوال کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۱۵۷ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

وحجۃ الاسلام امام محمد غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ میشود بوے بعد از وفات ویکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف میکنند در قبور خود مانند تصرفہائے شاں در حیات خود یا بیشتر و شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی و دو کس دیگر را از اولیاء شمردہ و مقصود حصر نیست۔ آنچہ خود دیدہ و یافتہ است گفتہ وسیدی احمد بن مرزوق کہ از اعاظم فقہا و علماء و مشائخ دیار مغرب است گفت کہ روزے شیخ ابو العباس حضرمی از من پرسید کہ

اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا، جن سے زندگی میں استمداد حاصل کی جاتی ہے۔ ان سے بعد وفات بھی استعانت کی جاتی ہے اور مشائخ عظام میں سے بعض نے کہا کہ میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ وہ جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے اسی طرح اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک شیخ معروف کرخی اور دوسرے شیخ عبدالقادر جیلانی اور انکے علاوہ دو کا اور نام لیا اور ان کا مقصد ان چار میں حصر کرنا نہیں تھا، بلکہ محض اپنے مشاہدہ کو بیان کیا۔ اور سید احمد بن مرزوق جو کہ دیار مغرب کے مشائخ اور فقہا میں سے ہیں

امداد حی قوی است یا امداد میت
من گفتم قومے میگویند که امداد حی
قوی تر است و من میگویم که امداد
میت قوی تر است. پس شیخ
گفت نعم زیراکه وے در بساط حق
است و در حضرت اوست و نقل
دریں معنی ازیں طائفه بیشتر ازانست
که حصر و احصاء کرده شود و یافته
نمے شود. در کتاب و سنت و اقوال
سلف صالح که منافی و مخالف ایں باشد
و رد کند ایں را و بتحقیق ثابت شده
است بآیات و احادیث که روح
باقی است و اورا علم و شعور بزائراں
و احوال ایشاں ثابت است و ارواح
کاملاں را قربے و مکانتے در جناب
حق ثابت است. چنانکه در حیات بود
یا بیشتر ازاں و اولیاء را کرامات
و تصرف در اکوان حاصل است
و آں نیست مگر ارواح ایشاں را و
ارواح باقی است و متصرف حقیقی
نیست. مگر خدا عزشانه و ہمه بقدرت

انہوں نے فرمایا کہ ایک دن شیخ
ابو العباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ
کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی. میں نے
کہا. کہ ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد
قوی ہے. اور میں کہتا ہوں کہ میت کی امداد
زیادہ قوی ہے پس شیخ نے کہا کہ ہاں اس لئے
کہ وہ اللہ کی پناہ میں ہیں اور اس معنی میں اس
طائفہ سے بیشمار منقولات ہیں جو کہ حد و شمار
سے باہر ہیں، اور کتاب و سنت اور اقوال
سلف و صالحین میں اسکے خلاف کوئی تصریح
نہیں پائی جاتی اور تحقیق یہ ہے کہ آیات و
احادیث سے ثابت ہے کہ روح باقی رہتی ہے
اور اسکو زائرین اور انکے احوال کا علم و
شعور بھی ہوتا ہے اور ارواح کاملین کا
خدا کی بارگاہ میں عظیم قرب اسی طرح ہوتا
ہے. جیسے حیات دنیاوی میں تھا. بلکہ
اس سے بھی زیادہ اور اولیا کو کرامات
اور تصرف فی الکون حاصل ہے اور اس
کا ثبوت نہیں مگر ان کی ارواح کیلئے اور
ارواح باقی رہتی ہیں اور متصرف حقیقی
سوائے اللہ عزشانہ کے اور کوئی نہیں اور ہم تمام قدرت

اوست وایشاں فانی اند در جلال حق در حیات وبعد از ممات پس اگر دادہ شود مراحدے را چیزے بوساطت یکے از دوستان حق و مکانتے کہ نزد خدا دارد دور نباشد چنانکہ در حالت حیات بود ونیست فعل وتصرف در ہر دو حالت مگر حق را جل جلالہٗ وعم نوالہٗ ونیست چیزے کہ فرق کند میان ہر دو حالت دیافتہ نشدہ است دلیلے برآں۔

اسی کی ہے۔ اور وہ حیات وممات میں حق سبحانہٗ کی ذات میں فنا ہو چکے ہیں۔ پس اگر کسی کو ان کی وساطت سے کچھ دیا جائے۔ بسبب اس مرتبہ کے جو خدا کے نزدیک ان کیلئے ثابت ہے۔ تو بعید نہیں جیسا کہ حالتِ حیات میں تھا۔ اور فعل و تصرف ہر حالت میں اللہ عزوجل ہی کے لئے ہے۔ اور کوئی چیز نہیں جو حالتِ حیات اور ممات میں فرق کرے اور نہ اس پر کوئی دلیل پائی گئی ہے۔

اب سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ شیخ محقق دہلوی کی ان تصریحات اور اولیاء اللہ سے استمداد فی الحیات و بعد الممات کی تشریحات کی وجہ سے شیخ پر شرک کا فتویٰ لگائیں گے۔ یا اپنی بے بصیرتی اور بے علمی کا اعتراف کر کے اپنی بدعقیدگی سے رجوع کریں گے۔ ؎

کاش کوئی حضرت ناصح سے اتنا پوچھ لے\
کون ہے وہ خود جو دیوانوں کو سمجھانے چلے

اور یہی شیخ محقق "اشعتہ اللمعات" جلد ۳ صـ۴۰۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

واما استمداد باہلِ قبور منکر شدہ اند۔ آنرا بعض فقہاء اگر انکار از جہت آں است کہ سماع وعلم نیست ایشاں را بزائران واحوال ایشان

بہر نوع بعض فقہاء نے اہلِ قبور کی استمداد کا انکار کیا ہے۔ اگر ان کا یہ انکار اس پر مبنی ہے کہ موتی کو سماع اور زائرین کے احوال کا علم نہیں ہوتا تو اس مبنی کا

پس بطلان او ثابت شد و اگر بسبب
آنست کہ قدرت و تصرف نیست
مر ایشاں را دراں موطن تا مدد کنند
بلکہ محبوس و ممنوع اند و مشغول اند
بآنچہ عارض شدہ است۔ مر ایشاں
را از محنت و شدت آنچہ باز داشتہ
است از دیگراں گویم کہ ایں کلیہ
نمے ماند خصوصًا در شان متقین کہ
دوستان خدا اند۔ شائد کہ حاصل
شود۔ ارواح ایشاں را از قرب در
برزخ و منزلت و قدرت بر شفاعت
و دعا و طلب حاجات مر زائراں را
کہ متوسل اند بایشاں چنانکہ در روزِ
قیامت خواہد بود و چیست دلیل
برنفی آن و تفسیر کردہ است بیضاوی
کریمہ۔ و النازعات غرقًا۔ الآیہ را
بصفات نفوس فاضلہ در حال
مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند
از ابدان و نشاط می کنند بسوئے
عالم ملکوت و سیاحت میکنند دراں
پس سبقت میکنند بحظائر قدس پس

بطلان ظاہر ہو چکا ہے اور اگر وجہ انکار
یہ ہے کہ موتی کیلئے اس جگہ قدرت اور
تصرف ثابت نہیں۔ بلکہ جن حالات
میں وہ مبتلا ہیں اُنکی وجہ سے وہ مقید
اور پابند ہو چکے ہیں اور اُنہیں دوسروں
سے روک دیا گیا ہے۔ پس میں کہتا
ہوں کہ یہ کلیہ نہیں ہے۔
خصوصًا متقین کے حق میں جو
اولیاء اللہ ہیں اور ممکن ہے کہ اُنہیں
اللہ کی طرف سے برزخ میں ایسا ہی
مرتبہ حاصل ہو۔ جیسا قیامت میں اُنہیں منصب
شفاعت عطا ہوگا۔ جس کی وجہ سے وہ
ان زائرین کے حق میں جو اُن سے متوسل
ہیں دعا اور شفاعت کرینگے اور بھلا
اسکی نفی پر کونسی دلیل قائم ہے۔ اور
علامہ بیضاوی رح نے آیہ کریمہ والنازعات
غرقًا کی تفسیر ان نفوسِ فاضلہ کی صفات
سے کی ہے۔ جو حالِ مفارقتِ بدن میں
ابدان سے عالم ملکوت کی طرف نکالی
جاتی ہیں۔ اور وہاں سیر و سیاحت
اور تسبیح کرتی ہیں۔ اور مقدس چراگاہ

می گردند بشرف و قوت از مدبرات ولیت شعری چہ میخواہند ایشان باستمداد و امداد کہ ایں فرقہ منکر اند آنرا آنچہ ما می فہمیم ازاں ایں است کہ داعی محتاج فقیر الی اللہ دعا می کند و طلب میکند حاجت خود را از جناب عزت و تمنائے وے و توسل میکند بروحانیت ایں بندۂ مقرب و مکرم در درگاہ عزت وے و میگوید خداوندا برکت ایں بندۂ تو کہ رحمت کردہ بروئے و اکرام کردۂ او را و بلطف و کرمے کہ بوئے داری برہ آوردہ گرداں حاجت مرا کہ تو معطی کریمی یا ندای کند ایں بندۂ مکرم و مقرب را کہ اے بندۂ خدا اے ولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول و مطلوب مرا و قضا کند حاجت مرا پس معطی و مسئول و مامول پروردگار است تعالیٰ و تقدس و نیست ایں بندہ مگر وسیلہ و نیست قادر و فاعل و متصرف در وجود مگر حق سبحانہ و اولیائے خدا فانی و ہالک اند در فعل الہٰی و قدرت

میں پیش ہوتی ہیں اور شرف و قوت کی وجہ سے مدبرات سے ہو جاتی ہیں۔ اور کاش ان منکرین کے سامنے میری سمجھ موجود ہوتی۔ آخر یہ استمداد اور امداد کو کیا سمجھ کر انکار کرتے ہیں۔ جو ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ دعا کرنے والا اُس بندۂ مقرب کے توسل سے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اے بار الٰہ اس بندۂ مقرب کی برکت سے جسے تُو نے بے اندازہ الطاف و اکرام سے نوازا ہے۔ میری حاجت کو پورا فرما، کہ تو ہی مُعطی کریم ہے۔ یا دعا مانگنے والا اُس بندۂ مقرب کو ندا کرتا ہے کہ اے بندۂ خدا اے اللہ کے ولی میری شفاعت کر اور اللہ تعالےٰ سے دعا کر کہ مجھے میرا سوال اور مطلوب عطا فرمائے اور یہ بندۂ مقرب درمیان میں صرف وسیلہ ہوتا ہے اور قادر اور فاعل سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ اور اولیاء اللہ تو اللہ کے فعل اور قدرت میں فنا ہوتے ہیں۔

وسطوت وے ونیست ایشان را
فعل وقدرت وتصرف، نہ اکنوں کہ در
قبور اند و نہ دراں ہنگام کہ زندہ بودند در
دُنیا واگر ایں معنی کہ در امداد و استمداد
ذکر کردیم. موجب شرک وتوجہ بما سوائے
حق باشد چنانکہ منکر زعم میکند پس باید کہ
منع کردہ شود. توسل وطلب دعا از
صالحان ودوستان خدا درحالتِ حیات
نیز وایں ممنوع نیست بلکہ مستحب و
مستحسن است، باتفاق وشائع است
در دین واگر می گویند کہ ایشاں بعد از موت
معزول شدند وبیروں آوردہ شدند
ازاں حالت وکرامت کہ بود ایشاں را
درحالتِ حیات چیست دلیل برآں
یا گویند کہ مشغول وممنوع شدند بآنچہ
عارض شد از آفات بعد از ممات پس
ایں کلیہ نیست ودلیل نیست بر دوام
واستمرار آں تا روزِ قیامت نہایت
آنکہ ایں کلیہ نباشد وفائدۂ استمداد
عام نباشد. بلکہ ممکن است کہ بعضے
منجذب باشند بعالم قدس ومستہلک

اور اولیاء کو نہ اب قبروں میں کسی امر
پر قدرت ہوتی ہے۔ اور نہ جس
وقت دُنیا میں تھے اس وقت کسی
چیز پر قدرت تھی۔ اور امداد و استمداد
کا جو معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب
شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم
ہوتا۔ جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے۔
تو چاہیئے تھا۔ کہ صالحین سے طلب دعاء
اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا حالانکہ
یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز
اور مستحسن و مستحب ہے۔ اور اگر یہ منکر
کہیں کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے
مرتبہ سے معزول ہوجاتے ہیں۔ اور زندگی
میں جو فضیلت و کرامت تھی۔ وہ باقی
نہیں رہتی تو اس پر کیا دلیل ہے اور اگر
یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات و
بلیات میں مبتلا ہوئے کہ انہیں دعاء
وغیرہ کی فرصت نہ رہی تو یہ کلیہ نہیں ہے
اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء کیلئے ابتلاء
مستمر الی یوم القیامۃ رہتا ہے۔ زیادہ سے
زیادہ یہ ہے کہ کلیۃ نہ ہر اہل قبر سے استمداد

باشند در لاہوت حق چنانکہ ایشاں
را شعورے و توجہے بعالم دُنیا نماندہ
باشد و تصرفے و تدبیرے در وے
نہ چنانکہ دریں عالم نیز از تفاوت حال
مجذوباں و متمکناں ظاہر مے گردد
نعم اگر زائران اعتقاد کنند کہ اہلِ
قبور متصرف و مستبد و قادر اند
بے توجہ بحضرت حق و التجا بجناب
تعالےٰ چنانکہ عوام و جاہلاں و غافلاں
اعتقاد دارند و چنانکہ می کنند
آنچہ حرام و منہی عنہ است در
دین از تقبیل قبر و سجدہ آنرا و نماز
بسوے وے و جز آن ازاں چہ
نہی و تحذیر واقع شدہ است
ایں اعتقاد و ایں افعال ممنوع و
حرام خواہد بود و فعل عوام اعتبارے
ندارد و خارج مبحث است و حاشا
از عالمِ بشریعت و عارف باحکام دین
کہ اعتقاد بکند ایں اعتقاد را و ایں
فعل را بکند و آنچہ مروی و محکی
است از مشائخ اہلِ کشف در

نہیں ہے۔ اور نہ امداد کا دوام ہے بلکہ
یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اولیاء جذب و
استغراق کی کیفیت میں ہوں اور عالم
لاہوت سے اس طرح منسلک ہوں کہ اس
دُنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ
رہے پس اس دنیا میں تصرف نہ کریں۔
جیسا کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات
مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اولیاء اللہ کے
حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ امداد
میں مستقل ہیں۔ اور اللہ کی جناب میں توجہ
کئے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد
کرتے ہیں۔ جیسے بعض جہلاء کا عقیدہ ہے
کہ وہ قبر کو تقبیل اور سجدہ کرتے ہیں
اور اسکی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں
اور یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں۔
اور عوام جہلاء کے افعال کا کوئی اعتبار
نہیں۔ اور وہ خارج از بحث ہیں اور
عارف بشریعت و عالم باحکام دین
ان تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں اور
مشائخ اور اہل کشف سے

استمداد از ارواح کمل و استفادہ
ازاں خارج از حصر است و مذکور
است در کتب و رسائل ایشاں و
مشہور است میان ایشاں حاجت
نیست کہ آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر
و متعصب سود نہ کند اورا کلمات
ایشاں عافانا اللہ من ذالک

سخن درینجا از وجہ علم و شریعت
است. آرے مروی و مسنون در زیارت
سلام بر موتی و استغفار مر ایشاں را
و قرأت قرآن است ولیکن درینجا
نہی از استمداد نیست پس زیارت
برائے امداد مر موتی را و استمداد از
ایشاں ہر دو باشد. بر تفاوت حالی
زائر و مزور و باید دانست کہ خلاف
در غیر انبیاء است صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین
کہ ایشاں احیاء اند بحیات حقیقی دنیاوی
بالاتفاق و اولیاء بحیات اُخروی معنوی
و کلام دریں مقام بجد اطناب و تطویل
کشید بر زعم منکراں کہ در قرب ایں زمان
فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و

ارواح کمل سے استفادہ کے باب
میں جو کچھ مروی حصر سے خارج ہے اور
اُن کی کتابوں میں مشہور اور مذکور
ہے۔ حاجت نہیں کہ ہم اُس کا
ذکر کریں۔ اور ممکن ہے کہ وہ منکر
متعصب کو فائدہ نہ دے

یہاں پر کلام از روئے شریعت
ہے۔ ہاں زیارت قبر میں موتیٰ
کو سلام کرنا اور استغفار کرنا اور
قرآن پڑھنا مسنون ہے لیکن
اس جگہ پر استمداد کی نفی نہیں ہے۔
پس موتیٰ کی زیارت کرنا اُن کی امداد
اور اُن سے استمداد زائرین کے اختلاف
حال سے ہر دو جائز ہے اور جاننا
چاہیئے کہ استمداد میں بعض کا اختلاف انبیاء
کرام علیہم السلام کے ماسوا میں ہے کہ وہ
بالاتفاق حیات حقیقی دنیاوی سے زندہ
ہیں۔ اور اولیاء حیات اُخروی و معنوی سے
اس زمانہ میں ایک فرقہ ظاہر ہوا ہے جو
اُن اولیاء اللہ سے استعانت کا منکر ہے

استعانت را از اولیاء خدا کہ نقل کردہ شدہ اند ازیں دار فانی بدار بقا و زندہ اند نزد پروردگار خود مرزوق اند و خوشحال اند و مردم را ازاں شعور نیست و متوجہان بجناب ایشاں را مشرک بخدا و عبدۂ اصنام می دانند و میگویند آنچہ میگویند و عمرہا است کہ تحقیق و تفصیل ایں مسئلہ مخطور خاطر فاتر بود و الآن توفیق الٰہی بداں مساعدت کرد۔ والحمد للہ اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ واللہ اعلم وعلمہٗ احکم۔

جو دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہو گئے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں خوش حال اور مرزوق ہیں پس یہ منکر اُن کی بارگاہ میں توجہ کرنے والوں کو مشرک کہتے ہیں۔ اور بُت پرستوں میں شمار کرتے ہیں۔ اور جو منہ میں آتا ہے۔ کہتے ہیں۔ مدت سے اس مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل کا دل میں خیال تھا اور اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے اسکو تحریر کیا۔ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ اے اللہ ہمیں حق دکھلا۔ اور اس کی اتباع کی توفیق دے اور باطل کے بطلان کو ہم پر ظاہر کر دے۔ اور اس سے اجتناب کی توفیق دے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور اُس کا علم احکم ہے :۔

استمداد کا انکار بدعت ہے

دیگر فوائد کے علاوہ شیخ محقق کی اس عبارت سے یہ فائدہ بھی حاصل ہُوا کہ استمداد اولیاً کا انکار گیارھویں صدی کی بدعت ہے۔ اور اولیاً اللہ سے استعانت کرنیوالوں پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا اس فرقہ ضالہ کی اختراع ہے۔ جس کے بارے میں شیخ محقق فرما رہے ہیں۔ کہ وہ ان کے زمانہ کے قریب ظاہر ہُوا۔ ہم نے علماً دیوبند کے لئے عموماً اور سرفراز صاحب گکھڑوی کے لئے خصوصاً تاریخ کا آئینہ پیش کر دیا۔

ہے۔ وہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھیں اور سوچیں کہ غیر اللہ سے استمداد کو شرک کہہ کر انہوں نے اپنا قارورہ کس جماعت سے جا ملایا ہے :-

امام رازی تفسیر کبیر جلد ہم ص ۸۵ پر یہ فرماتے ہیں :-

الانبیاء وھم الذین اعطاھم اللہ تعالیٰ من العلوم والمعارف مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق وارواحھم وایضاً۔ اعطاھم من القدرۃ والمکنۃ مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق۔

انبیاء علیہم السلام - یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں۔ جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اسقدر قدرت اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر بھی تصرف کر سکتے ہیں۔

"دیوبند" کے مسلّم اکابر سے استعانت کا ثبوت

مولوی سرفراز صاحب نے اپنی کتاب میں شاہ ولی اللہ صاحب پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے۔ اور بار بار ان کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ اب ہم شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اہل قبور سے استمداد جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ "ہمعات میں" حدیث نفس " کا علاج بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شود و برائے ایشاں فاتحہ خواند یا بزیارت قبر ایشاں رود۔ واز آنجا انجذاب

مشائخ کی ارواح طیبہ کی طرف متوجہ ہو۔ ان کیلئے سورۃ فاتحہ پڑھے یا انکی قبر کی زیارت کے لئے جائے۔ اور ان سے انجذاب

دریوزہ کند۔ | کی بھیک مانگے۔

پس لامحالہ شاہ صاحب کی ان تمام عبارتوں کو جن میں انہوں نے استعانت کو شرک کہا۔ استعانت علی وجہ العبادۃ یا مستقل بالذات پر محمول کرنا پڑیگا ورنہ اگر استعانت سے مراد عام ہو تو شاہ صاحب اپنی تحقیق سے خود مشرک قرار پائیں گے ؎ زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

ابناء بدعت عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی سرفراز صاحب نے سوچے سمجھے بغیر اپنی کتاب میں شاہ صاحب کی عبارتوں کو وارد کیا ہے۔ اب ہم حضرت شاہ صاحب ہی کے کلام سے اولیاء اللہ کی امداد بعد الوصال اور ان سے استمداد کے جواز پر شہادت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ ص۵۰ پر حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

از اولیاء مدفونین و دیگر صلحاء مومنین انتفاع و استفادہ جاری است و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف مردہ ہائے سوختہ کہ این چیزہا اصلاً نسبت بآنہا در اہلِ مذہب آنہا نیز واقع نیست۔

وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے استفادہ اور استعانت جاری وساری ہے اور ان اولیاء و صلحاء سے افادہ اور امداد بھی متصور ہے بخلاف ان مردوں کے جن کو جلا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان سے یہ امور انکے مذہب میں بھی جائز نہیں ہیں۔

شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا یہ مسلمانوں کی خصوصیت ہے۔ اور امداد و استمداد کا نہ ہونا یہ کفار کا خاصہ ہے پس اب آپ غور فرمائیے۔ کہ اولیاء سے استعانت کا انکار

کرکے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کس جماعت اور کس گروہ سے جا ملایا ہے۔ نیز شاہ صاحب کے نزدیک جن اموات سے استعانت جائز نہیں۔ یہ وہ مُردے ہیں جن کو جلا دیا جاتا ہے۔ پس سرفراز صاحب نے اولیاء اللہ سے استعانت کو ناجائز قرار دیکر انہیں (معاذ اللہ) جلے ہوئے مردوں میں شامل کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنے اس قول سے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ لاکھوں اولیاء اللہ کی توہین کی ہے۔ ناموس اسلام پر زبردست برہمنی وار کیا ہے۔ جو کسی بھی غیرت مند مسلمان کے لئے برداشت کے قابل نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

گھائل تیری نظر کا بنوعِ دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندۂ درگاہ نہیں ہے

تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ ص ۱۱۳ پر حضرت شاہ صاحب مرنے کے بعد کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وبعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دُنیا دادہ و استغراق آنہا بہ جہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمے گردد و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از انہا مے نمایند و ارباب حاجات و مطالب حل مشکلات خود از انہا مے طلبند و

وہ خواص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور انکا امور اخروی میں مستغرق ہونا بسبب وسعت ادراک کے دُنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ اویسی سلسلہ کے حضرات اپنے باطنی کمالات انکی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجتمند ان سے حاجت طلب کرتے ہیں

می یا بند و زبان حال آنہا در آنوقت بہم مترنم با ایں مقالات است ۔ مصرعہ
"من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"

اور مراد پاتے ہیں اور انکی زبان حال اسوقت یہی گویا ہوتی ہے ۔ کہ اگر تم بدن سے میری طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری طرف پیش قدمی کرونگا ۔

ابناء بدعت سے عموماً اور سرفراز صاحب سے خصوصاً گذارش ہے کہ وہ شاہ صاحب کی اس عبارت کو بغور پڑھیں ۔ اور اس امر پر ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ دین کی جس شاہراہ کو انہوں نے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے ۔ اسکی منزل کہیں دہانہ سقر تو نہیں ہے ۔ اولیأ سے استعانت کو شرک کہہ کر انہوں نے عہد صحابہ سے لیکر آجتک کے تمام صلحأ کو مشرک بنا ڈالا اور اس طرح وہ اب سفر آخرت کے اس راستہ میں بالکل تنہا رہ گئے ہیں ۔ اور جو بکری گلہ سے علیحدہ ہو جاتی ہے اس کا کیا انجام ہوتا ہے ۔ یہ اہلِ خرد اور زبان رسالت سے آشنا حضرات کی نظر سے مخفی نہیں ہے بہر حال ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا ۔ دنیاوی جھوٹے وقار کی خاطر ہمیشہ کی مذلت کو اختیار کر لینا بڑے خسارے کا سودا ہے ۔ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے ۔

یہی شاہ عبدالعزیز صاحب اقرا باسم ربك کا شان نزول بیان کرتے ہوئے تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۴۵ پر فرماتے ہیں ۔ کہ ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نانبائی سے خوش ہو کر فرمایا ۔

بخواہ چہ بخواہی او عرض کرد کہ مرا مثل خود بسازید فرمودند تحمل ایں حالت نمی توانی کرد چیزے دیگر بخواہ او بر ہمیں سوال اصرار داشت و خواجہ اعراض می فرمودند تا آنکہ لجاج او بسیار شد

مانگ کیا مانگتا ہے ۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا ہم شکل بنا دیجئے ۔ فرمایا تو اسکو برداشت نہ کر سکے گا ۔ اور کچھ مانگ لے ۔ اس نے اسی سوال پر اصرار کیا ۔ اور خواجہ اعراض فرماتے رہے ۔ پس جب اس کا اصرار بہت بڑھا تو

ناچار او را در حجرہ بردند و تاثیر اتحادی بروے کردند چوں برحجرہ بر آمدند درمیانِ خواجہ و درمیانِ نانوائی درصورت و شکل ہیچ فرق نماندہ بود و مردم را امتیاز مشکل افتاد ایں قدر بود کہ حضرت خواجہ ہشیار بودند و آں نانبائی مدہوش و بے خود

آپ اندر لے گئے اور اس پر توجہ کی جب باہر آئے تو دونوں کی شکل و صورت میں فرق نہ تھا۔ اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہوگیا۔ بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ ہشیار تھے اور ...... نانبائی مدہوش اور بے خود تھا۔

اب آپ مولوی سرفراز صاحب کی تحقیق پر غور کریں۔ جو کہتے ہیں کہ جو امر عادۃً بس اور اختیار میں ہو، اس کو مانگنا جائز ہے۔ اور جو عادۃً بس اور اختیار میں نہ ہو۔ اس کو مانگنا شرک ہے۔ تو کیا ہم مثل بنا دینا خلاف عادت نہیں ہے اگر ہے تو وہ نانبائی مشرک اور حضرت خواجہ باقی باللہ شرک کی تقریر کرنے والے ہوئے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟ اور اگر ہم مثل بنا دینا خرق عادت نہیں ہے تو کیا سرفراز صاحب بھی کسی کو اپنا ہم مثل بنا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ مولوی سرفراز صاحب جہل اور عناد کی وجہ سے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز اور تمام اکابر اسلام کے گلوں پر خنجرِ شرک رکھ دیں۔ مگر اس کو کیا کریں کہ شرک کی یہ تلوار اکابر دیوبند کو بھی نہیں بخشتی۔ غور فرمایئے۔ ارواح ثلاثہ جو اسلاف دیوبند کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کے ص ۳۲۲ پر ہے کہ "مولوی معین الدین صاحب نے جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار بہت ــ کثرت سے ہوئی تو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جاکر باندھ دیتا اسے ہی آرام ہو جاتا۔ پس لوگ اس کثرت سے مٹی

لے گئے۔ کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈالوں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے۔ ایسے ہی پڑے رہو۔ لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر سے ہی چلیں گے بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی۔ ویسے یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لے جانا ہی بند کر دیا تھی

اب سلوف دیوبند کو کس خانہ میں رکھئے گا۔ یا تو اپنے اس باطل قول سے رجوع کیجئے۔ کہ انبیاؑ و اولیاء سے استمداد کرنا شرک ہے۔ یا پھر سلوف دیوبند کو مشرک قرار دے کر جہنم کی آگ میں جھونک دیجئے۔ ؎

من نگویم کہ ایں نہ کن آں کن مصلحت بیں و کارِ آساں کن

سرفراز صاحب کا وجوہ فاسدہ سے استدلال اور اس کے جوابات

مولوی سرفراز صاحب نے استعانت کو باطل کرنے کیلئے ص۲۷ پر ایک استدلال پیش کیا ہے، جو تفسیر اور احتمال ایاك نستعین کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہٖ وہ ایاك نعبد میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات انبیاؑ کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے۔ یا نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ انکے نام کی ادا کرتا ہے۔ اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں۔ مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں۔ تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری۔ اور کس دلیل سے۔ اور اگر غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیونکر حق قرار پایا۔ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے

عقیدہ باطلہ ٹھہرا، انتہی

سرفراز صاحب کا یہ استدلال کئی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔ اولاً تو اسلئے کہ انکی دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ میں بھی جاری ہوتی ہے۔ حالانکہ مدعا متخلف ہے۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہہ سکتا ہے کہ جس طرح اقیموا الصلوٰۃ میں نماز کا حکم ہے اسی طرح اٰتوا الزکوٰۃ میں زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ نماز تو دن میں پانچ مرتبہ پڑھی جائے۔ اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار دی جاتی ہے۔ نیز نماز پڑھنے پر تو ہر امیر و غریب مجبور ہے اور زکوٰۃ کا صرف صاحب نصاب مکلف ہے۔ پس یا تو زکوٰۃ بھی دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جائے۔ یا نماز بھی سال میں صرف ایک بار پڑھی جائے۔ اسی طرح یا تو زکوٰۃ بھی ہر امیر و غریب پر فرض ہو یا نماز بھی صرف صاحب نصاب پڑھا کرے۔ تو بتلائیے کہ سرفراز صاحب کی اس منطق کو ہوش و خرد کی دنیا میں کون قبول کریگا؟ ثانیاً ہدایہ جلد اول صـ پر ہے:۔

من قاء او رعف فی صلاتہ فلینصرف ولیتوضأ ولیبن علی صلاتہ مالم یتکلم	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں قے آ گئی یا اسکی نکسیر پھوٹ گئی وہ نماز چھوڑ کر وضو

کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک اس نے کسی سے بات نہ کی ہو۔

اس فرمان میں دو حکم ہیں۔ ایک وضو کرنے کا۔ دوسرا نماز پر بناء کرنے کا پہلا واجب ہے۔ اور دوسرا اباحت کیلئے ہے۔ لیکن سرفراز صاحب کی منطق پر لازم آئیگا کہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہو یا وضو بھی مباح ہو اور یا بناء بھی واجب ہو۔ ثالثاً مولوی سرفراز صاحب کا یہ استدلال اس باطل قاعدہ سے مستعار ہے کہ قران فی الذکر قران فی الحکم پر دلالت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب دو چیزوں کا ذکر مقرون ہو تو ان کا حکم بھی ایک ہی ہو۔ حالانکہ احناف اہل سنت کے نزدیک

یہ ضابطہ باطل اور مردود ہے۔ ہدایہ کے اس مقام پر حاشیہ ملا عبد الغفور میں ہے۔ لایقال الامر فی قولہ ولیبن للاباحۃ بالاتفاق فکذا اما قاد نہ لانا نقول القران فی الذکر لایدل علی القران فی الحکم۔

یہ سوال نہ کیا جائے کہ حضور کے فرمان ولیبن میں امر اباحت کیلئے ہے پس اسی طرح اس کے مقارن (ولیتوضأ) میں بھی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہم (احناف) کہتے ہیں۔ کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم پر دلالت نہیں کرتا۔

صاحب منار نے قرآن فی الذکر کو وجوہ فاسدہ سے شمار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وقیل ان القران فی النظم بحرف الواو یوجب القران فی الحکم

بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو واجب کرتا ہے۔

اور ملا جیون رحمتہ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں۔

وھذا وجہ رابع من الوجوہ الفاسدۃ (نور الانوار ص ۱۶۱)

اور یہ وجوہ فاسدہ میں سے چوتھی قسم ہے۔

کیا سرفراز صاحب کا فراڈ اب بھی حیز خفا میں رہیگا؟ کیا دیدۂ بینا پر یہ امر اب واضح نہیں ہوگیا کہ سرفراز صاحب کا استدلال اور احتجاج وجوہ فاسدہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جس کا مبنیٰ فاسد ہو وہ فاسد نہیں تو اور کیا ہوتا ہے۔

رابعاً تفسیر بیضاوی ص ۷ پر علامہ بیضاوی عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ عبادت مدد حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے۔

وقدمت العبادۃ علی الاستعانۃ لیتوافق رؤس الآیہ

عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا گیا تاکہ رعایت فواصل ہو۔

ویعلم منہ ان تقدیم الوسیلۃ علی طلب الحاجۃ ادعیٰ الی الاجابۃ

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ کو مقصود پر مقدم کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے

قرآن فی الذکر وجوہ فاسدہ سے

پس جب ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر عبادت سبب اور استعانت مسبب ہے

تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔ خامساً۔ چلئے ہم خود سرفراز صاحب سے منوائے دیتے ہیں کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ ص۲۶ پر انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ کہ زندہ اور قریب سے امور عادیہ میں استعانت جائز ہے۔ اور اس کو وہ ظاہری استعانت کہتے ہیں۔ حالانکہ زندہ اور قریب کی ظاہری عبادت تو کسی طور جائز نہیں پس اب اگر وہ اس ظاہری استعانت کو شرک قرار دیں۔ تو خود مشرک ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ ظاہری استعانت جائز ہو تو انکی کلی ٹوٹتی ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک طرح نہیں کیونکہ غیر اللہ سے ظاہری استعانت جائز ہے اور غیر اللہ کی عبادت ظاہری باطنی حقیقی مجازی کسی طور جائز نہیں ہے جیہونی تحریف کے سہارے دیواز بنانے والوں کی عمارت کا یہی حال ہوتا ہے۔ جھوٹ کا محل کسی وقت بھی گر کر جھوٹے کو پیوند زمین کر دیتا ہے۔ سرفراز صاحب محاسبہ سے بے خوف ہو کر من مانی تفسیروں سے روح قرآن پر رندا چلا رہے تھے۔ لیکن اب ان کا یوم حساب آ پہنچا ہے۔ انہوں نے قرآن میں جس قدر تحریفات کی ہیں ایک ایک کر کے ان کا مواخذہ ہوگا۔ نشہ ضلالت میں سرمست قلم توڑ دیا جائیگا۔ اور ان کی مجرمانہ خیانتوں پر عبرتناک تعزیر دی جائے گی ؎

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر
کام ان کی بیقرار نگاہوں سے پڑ گیا

مظہر افعال و صفات

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آلات خدام احباب وغیرہ عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ نیز فرمایا۔ مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے۔ اس پر مولوی سرفراز صاحب نے ص۲۹ پر یہ بیہودہ اعتراض قائم کیا۔ اسی طرح مولانا نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں سراسر مردود ہے۔ کیونکہ جب ان مقربان حق کا وجود پروردگار کے وجود کا غیر ہے اور وہ غیر اللہ ہیں۔ تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں۔ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈمڈ کر دیا جائے۔ اور ان کی اثینیت ختم کر دی جائے۔ تو معاملہ الگ ہے۔ انتہٰی

الجواب ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے (تھانوی صاحب نے اسکا ترجمہ کیا ہے)

فلما اتٰھا نودی من شاطیٔ الوادی الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یٰموسٰی انی انا اللہ رب العٰلمین ۔	سو جب وہ اسی آگ کے پاس پہنچے۔ تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے

آواز آئی کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العٰلمین ہوں ۔

اب یا تو کہئیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو درخت میں گڈمڈ کر دیا اور اثینیت ختم کر دی۔ یا صدر الافاضل رح کی بات پر ایمان لا کر کہئیے کہ درخت کلام الٰہی کا مظہر تھا۔ اور درخت میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام تھا ۔

مشکوٰۃ شریف ص۱۹۷ پر ہے۔

فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ و	پس جب میں اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں میں اس کے

بصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا۔ الحدیث (بخاری)

کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے اور میں اسکی آنکھیں ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (بخاری)

اب ذرا مولوی صاحب سے پوچھئے۔ کہ اگر حق تعالیٰ کے افعال وصفات کا مظہر ہونا۔ عیسائیت اور اشینت کو ختم کر دینا اور ذات کو گڈمڈ کر دینا ہے تو یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ نے جو بندۂ محبوب کو اللہ تعالیٰ کے تصرفات کا مظہر قرار دیا اور اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ کیا یہ عیسائیت کی تعلیم ہے۔ ممکن ہے مولوی گکھڑوی کے ذہن میں مظہریت کے خلاف کوئی اور معنی راہ پائے پس ہم اتمام حجت کیلئے اس حدیث کے ذیل میں مولوی انورشاہ کشمیری کے کلام کو پیش کرتے ہیں۔ فیض الباری شرح بخاری میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

فاذا صح الشجرۃ ان ینادی فیھا بانی انا اللہ فما بال المتصرف بالنوافل ان لایکون اللہ سمعہٗ وبصرہٗ کیف وان ابن اٰدم الذی خلق علیٰ صورۃ الرحمٰن لیس بادون من شجرۃ موسیٰ علیہ السلام

جب درخت سے میں اللہ ہوں کی آواز آسکتی ہے تو متصرف بالنوافل کا کیا حال ہوگا۔ اللہ تعالےٰ اس کی سمع و بصر نہ ہوسکے اور اللہ تعالےٰ کا اپنے مقرب بندوں کی سمع و بصر ہوجانا ایسی صورت میں کیونکر محال ہوسکتا ہے۔ جبکہ وہ ابن آدم جو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا گیا۔ شرف وکمال میں شجرہ موسیٰ سے کسی طرح کم نہیں ۱۰

اب آپ کو اجازت ہے۔ کہ پورے شرح صدر سے مظہریت کو عیسائیت قرار دے کر مولوی انورشاہ کو جہنم میں پہنچا دیجئے۔ یہ کیسا ظلم ہے کہ جو بات آپ کے معنوی آباء کی کتابوں میں موجود ہو وہ سب ایمان و عرفان رہے۔ اور وہی بات اگر ہمارے

اسلاف بیان فرمائیں۔ تو کفر و شرک ہو جائے۔ مزید توضیح کیلئے امام فخر رازی کا وہ نورانی بیان ملاحظہ فرمائیے۔ جو انہوں نے تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۶۷ پر اسی حدیث کے تحت ارقام فرمایا ہے۔

وھذا الخبر یدل علی انہ لم یبق فی سمعھم نصیب لغیر اللہ ولا فی بصرھم ولا فی سائر اعضائھم اذلو بقی ھناک نصیب لغیر اللہ تعالیٰ لما قال انا سمعہ وبصرہ۔

(آگے چل کر فرماتے ہیں)

ولھذا قال علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسدانیۃ ولکن بقوۃ ربانیۃ وذلک لان علیا کرم اللہ وجھہ فی ذالک الوقت انقطع نظرہ عن عالم الاجساد واشرقت الملئکۃ بانوار عالم الکبریا فتقوی روحہ وتشبہ بجواھر الارواح الملکیۃ وتلألأت فیہ اضواء عالم القدس والعظمۃ فلاجرم حصل لہ من القدرۃ ما قدربھا علی مالم یقدر علیہ غیرہ وکذالک العبد

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندگانِ مقربین کی آنکھوں کانوں بلکہ تمام اعضا میں غیر اللہ کیلئے کوئی حصہ باقی نہیں رہا اسلئے کہ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کیلئے حصہ باقی رہا ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ میں اسکی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں۔

اور اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اکھاڑا تھا۔ اور اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ اسوقت حضرت علی کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی۔ اور ملکی قوتوں نے حضرت علی کو عالم کبریا کے نور سے چمکا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے انکی روح قوی ہو کر ارواح ملکیہ کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو انکے غیر کو حاصل نہ تھی۔ اور اسی طرح جب کوئی بندہ

اذا واظب علی الطاعات بلغ المقام الذی یقول کنت لہ سمعاو بصرا فاذا اصار نور جلال اللہ سمعا لہٗ سمع القریب والبعید واذا اصار ذالک النور بصرا لہٗ رای القریب والبعید واذا صار ذالک النور یدا لہٗ قدر علی التصرف فے الصعب والسہل والبعید والقریب

نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے۔ تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کُنت لہٗ سمعاً و بصراً فرمایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اسکی سمع ہو جاتا ہے۔ تو وہ قریب اور دُور کی آوازوں کو سُن سکتا ہے اور جب نور اسکی بصر ہو گیا۔ دُور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب نور جلال اس کا ہاتھ ہو جائے تو یہ بندہ مشکل اور آسان دور اور قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کے تحت مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

فرای ان ما بہ الکمال من السمع والبصر و قوۃ القوی انما ھو من اثار سمعہ وبصرہ و قدرتہ و قوتہ واما ھو فعدم محض۔

پس وہ عبد مقرب یہ اعتقاد کرتا ہے کہ اس کی سمع، بصر اور تمام قوی کے کمالات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی سمع اور بصر اور قدرت قوت کے آثار سے ہیں۔ رہا وُہ بندہ تو وہ معدوم محض ہے۔

اور یہی مظہریت کا معنی ہے کہ بندے کی اپنی ذات اور اس کے افعال فنا ہو جائیں اور اس کی سمع، بصر وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے افعال ظاہر ہوں۔

صدرالافاضل اور شاہ عبدالعزیز دونوں نے استعانت کی ایک جیسی تفسیر کی ہے

شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں ایاک نستعین کے تحت فرماتے

ہیں :۔ لیکن درینجا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد بر آں غیر باشد واورا مظہر عون الٰہی نداند حرام است واگر استعانت محض بجانب حق است واورا یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بکارخانہ اسباب وحکمت او تعالیٰ درآں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دُور از عرفان نخواہد بود ودر شرع نیز جائز وروا است وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر۔

لیکن یہاں یہ بات سمجھنا چاہیئے۔ کہ غیر اللہ سے استعانت اس وقت حرام ہوگی جب اس پر بھروسہ کرتے ہوئے اسکو عون الٰہی کا مظہر نہ جانے۔ لیکن اگر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور غیر اللہ کو مظہر عون سمجھتا ہو اور اسباب وحکمت الٰہی کو پیش نظر رکھے اور غیر سے استعانت ظاہری کرے تو یہ عرفان الٰہی سے بعید نہیں اور شریعت میں بھی جائز ہے۔ اس قسم کی استعانت انبیاء اور اولیاء نے بھی غیر اللہ سے کی ہے اور حقیقت میں یہ استعانت غیر سے نہیں بلکہ خود حق تعالیٰ سے ہی ہے :۔

شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ العزیز کی شخصیت کو تمام امت دیوبند اپنا معنوی پدر تسلیم کرتی ہے۔ سرفراز صاحب ان کے ہم مشرب علما شاہ صاحب کی عبارتوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ اور شاہ صاحب کا فیصلہ ذریت دیوبند کے حق میں حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تمہید کے بعد گذارش ہے کہ آپ شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تفسیر کو صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر کے ساتھ ملا کر دیکھیں کہ ان میں کس قدر ہم آہنگی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے :۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن

دیکھیے ۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ واگر التفات محض بجانب حق است (اور اگر توجہ محض اللہ کی طرف ہو)۔

صدر الافاضل صاحب نے فرمایا۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و خدام واحباب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ واو را یکے از مظاہر عون دانستہ (یعنی غیر اللہ کو عون الٰہی کا مظہر سمجھے)

صدر الافاضل صاحب نے فرمایا۔ مقربانِ حق کی امداد، امداد الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرتِ حق است لا غیر (اور حقیقت میں استعانت کی یہ قسم استعانت بالغیر نہیں بلکہ حق سبحانہ سے ہی استعانت ہے)۔

صدر الافاضل نے فرمایا۔ اگر یہ استعانت ناجائز ہوتی تو احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ وانبیاء و اولیا ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند۔ (اور انبیاء اولیا نے اس قسم کی استعانت بغیر کی ہے) آپ نے غور فرمایا کہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے ایاک نستعین کی تفسیر میں شاہ صاحب کی تفسیر کا ہی خلاصہ پیش کیا ہے۔ اور اسی تفسیر کے بارے میں مولوی سرفراز نے یہ کہکر حق فرزندی ادا کر دیا۔ کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے۔ وہ بجائے خود قابلِ صد نفرین ہے ص ۲۷ تنقید متین

ٹھیک ہے دیوبند کے جس گھرانے میں سرفراز صاحب نے تربیت حاصل

کی ہے۔ وہاں ایسے ہی آداب فرزندی سکھائے جاتے ہیں۔ جس اسکول میں نبی کے علم کی بہائم اور مجنونوں کے علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو۔ وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفرین کہنا نہ سکھایا جائیگا تو اور کیا ہو گا۔

استعانت کی بحث میں حرف آخر

شاہ ولی اللہ صاحب شرح اطیب النغم میں فرماتے ہیں۔ لابدست از استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ | نبی علیہ السلام سے استعانت کئے بغیر چارہ نہیں :۔

مولوی قاسم نانوتوی صاحب بانی دیوبند قصائد قاسمی ص۸ پر لکھتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا || نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اہل سنت اگر اعینونی بقوۃ (میری قوت سے مدد کرو) سے جواز استمداد کا قول کریں۔ تو آپ فرماتے ہیں۔ کہ یہ وہ امداد نہیں۔ جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء، اولیاء، شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں۔ کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب۔ ان سے اس قسم کی استعانت بہرصورت شرک ہے ص۲۹۔

اور شاہ ولی اللہ اور قاسم نانوتوی نے انہیں سے استعانت کی ہے۔ تو بتلایئے آپ کے نزدیک وہ مشرک ہوئے یا نہیں۔ یہی وہ شاہ ولی صاحب ہیں جنکی عبارتوں کو بے سوچے سمجھے نقل کر کے آپ نے تنقید متین کے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ جن کی عبارتیں نقل کرنے سے آپ کی دوکان چمکتی ہے۔ جن کا نام لینے سے آپ کا ریٹ بڑھتا ہے۔ پھر آخر کچھ تو حق نمک کا پاس کیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ | اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا۔

پھر آپ نے شاہ ولی اللہ اور مولوی قاسم کو مشرک قرار دے کر انپر دروازہ مغفرت

کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند نہیں کر دیا۔ اور جب سرخیل دیوبند ہی مشرک قرار پایا تو باقی اتباع اور اذناب کس طبقہ میں ہونگے؟

اب ہم اس بحث کو سید العارفین ابن عربی کے قول پر ختم کرتے ہیں۔ جسے علامہ شعرانی نے کبریت احمر جلد اول صـ۱ اور الیواقیت الجواہر جلد دوم صـ۸۲ پر نقل کیا ہے۔

قال واما القطب الواحد فهو روح محمد صلى الله عليه وسلم الممد لجميع الانبياء والرسل والاقطاب من حين النشئ الانسانى الى يوم القيامة - والله اعلم

اور ابن عربی نے کہا کہ بہر حال قطب واحد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام انبیاء رسل اور قطب کے ابتداء آفرینش انسانیت سے لے کر یوم قیامت تک کیلئے مددگار ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے۔

اس عبارت تک پہنچنے کے بعد بھی اگر مولوی سرفراز صاحب کے ہوش و حواس قائم رہے۔ تو ان سے معروض ہے کہ الدین النصیحۃ کے طور پر ہم نے مسئلہ استعانت کو کتاب و سنت اور اقوال سلف کی روشنی میں واضح تر بیان کر دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ۔ شاہ عبد العزیز۔ مولوی محمد قاسم۔ مولوی محمود الحسن صاحب اور دیگر سلوف دیوبند جنہیں مولوی سرفراز صاحب اپنے دین و ایمان کا مرکز سمجھتے ہیں۔ ان تمام حضرات کے اقوال سے مافوق الاسباب امور میں اور اولیاء اللہ سے بعد الوصال استعانت کو ثابت کر دیا ہے اور اب سرفراز صاحب کیلئے صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو ان تمام کو مشرک قرار دیکر واصل فی النار کر دیں۔ اور اگر انہیں مشرک نہیں سمجھتے۔ تو خود اپنی ضلالت سے تائب ہوں۔ دنیا کے جھوٹے وقار اور شہرت کی طلب میں ہمیشہ ہمیشہ کی مذلت کا

خطرہ مول لینے سے گریز کریں۔ اور حق وصداقت کی راہ اختیار کرلیں۔

چھوٹا منہ بڑی بات۔ کے مصداق سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل کے علم وفضل پر جو طعن کیا تھا۔ بالآخر اسکی شامت نے ان کا منہ سیاہ کر کے چھوڑا اور اسی وجہ سے انہوں نے شرک کی تعریف میں شدید ٹھوکریں کھائی ہیں۔

بہر حال ہم نے الدین النصیحۃ کے مطابق ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔

ضاد کا مخرج

حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے غیر المغضوب علیہم کے تحت ارقام فرمایا۔ **مسئلہ** ۔ جو شخص ضاد کی جگہ ظاء پڑھے۔ اس کی امامت جائز نہیں۔ (محیط برہانی)

مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کے اس مختصر کلام پر کئی طرح سے پیچ وتاب کھایا ہے۔ لیکن یہ تحریر ان کے گلے میں جاکر اس طرح پھنسی ہے نہ اُگلے بن پڑتی ہے اور نہ نگل کر ہی وہ آرام پا سکے۔ اس عبارت پر ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ محیط برہانی کا مجمل حوالہ دیا گیا۔ تفصیل ذکر نہیں کی۔ دوسرا یہ کہ مطلقاً ایک حرف کو دوسرے سے بدلنے کا یہی حکم ہے۔ پھر ضاد کی تخصیص کی کیا وجہ۔ تیسرا یہ کہ مسئلہ امام ومقتدی سب کے لئے یکساں ہے۔ پھر امام کی تخصیص کیوں کی پھر ان اعتراضوں کے ضمن میں سرفراز صاحب نے اپنے کمزور مطالعہ اور علمی بے مائیگی کی وجہ سے جو مار کھائی ہے۔ وہ بیان سے باہر ہے ہم انشاء اللہ العزیز اس بحث کے ضمن میں ان کی خامیوں کی طرف اجمالی اشارے کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

مجمل حوالہ کا جواب صدر الافاضل سے آپ کو یہ شکایت ہے۔ کہ انہوں نے محیط برھانی کا مجمل حوالہ پیش کیا میں کہتا ہوں کہ کیا آپ اور آپ کے معنوی آباؤ اجداد نے کبھی کسی کتاب کا مجمل حوالہ پیش نہیں کیا۔ پھر صدر الافاضل پر غیظ وغضب کا اظہار کیوں ہے۔ بلکہ فتاوی رشیدیہ کو اگر آپ نے جانبداری کی عینک اتار کر دیکھا ہوتا۔ تو پتہ چلتا

کہ پورے فتاوٰی میں کہیں نام کے لئے بھی حوالہ موجود نہیں۔ پھر مجمل حوالے تو ایک طرف رہے۔ آپ کے سلوف تو بے بنیاد اور خلاف واقعہ حوالے پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ کے اکابر نے سیف النقی میں اعلٰحضرت قدس سرہٗ کے والد صاحب کے نام سے ایک کتاب تحفۃ المقلدین اختراع کی۔ ایک کتاب ہدایۃ البریۃ کے نام سے ایجاد کی۔ پھر مزید ترقی کی اور مرأۃ الحقیقۃ کے نام سے ایک کتاب غوث اعظمؓ کی طرف منسوب کرکے وضع کی۔ کاش صدر الافاضل پر مجمل حوالہ کے طعن کرنے سے پہلے آپ نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی ہوتی۔ آپ کے معنوی والد مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے تفسیراتِ احمدیہ کے منہیات کا حوالہ پیش کیا۔ اور آپ کو بھی تسلیم ہے۔ کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں۔ باقی یہ کہہ دینا کہ ضرور ان کے پاس کوئی منہیات والا نسخہ ہوگا دل کے بہلانے کے لئے کافی ہے۔ دلائل وبراہین کی دنیا میں اس سے کام نہیں چلتا۔ ایسی بے سروپا باتیں کہہ کر آپ صرف شاگردوں اور معتقدین کے زمرہ میں بیٹھ کر داد وتحسین حاصل کرسکتے ہیں۔ استدلال کے میدان میں ان احتمالات رکیکہ کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

صدر الافاضل کا حوالہ مجمل ہے۔ پھر کیا ہوا۔ بات تو تب تھی کہ آپ کہتے کہ یہ حوالہ غلط ہے۔ اور اسے ثابت کرتے۔ شکر کیجئے۔ صدر الافاضل نے تفصیل نہیں کی۔ ورنہ آپ کو مہنگی پڑتی۔ اگر نہیں مانتے تو لیجئے تفصیل حاضر ہے۔ شرح فقہ اکبر فصل فی القرأۃ والصلوٰۃ ص۱۶۷ پر ہے:۔

وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمۃ مکان الضاد المعجمۃ اویقرء اصحاب الجنۃ	اور محیط میں ہے کہ امام فضلی سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظا یا اصحاب جنت کی جگہ

مکان اصحاب النار او علی العکس فقال لا تجوز امتہ ولو تعمد یکفر۔

اصحاب النار پڑھے۔ فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے :-

صدر الافاضل نے تو فقط یہ فرمایا تھا کہ ضاد کو ظاء سے بدلنے والے کی امامت جائز نہیں۔ اور صاحب محیط نے اس پر یہ زیادتی بھی کی ہے۔ کہ ایسا عمداً کرنے والا کافر ہے۔ آخر کار آپ نے اپنے آپ کو کافر بنوا کے چھوڑا۔ یہی وہ عبارت ہے جس کو سرفراز صاحب بھی مدہوشی میں بطور اَن کہی کے اپنی تنقید میں کہہ چکے ہیں۔ اس کے آگے انہوں نے جو کچھ نقل کیا، وہ ملا علی قاری کا کلام ہے اور ہماری گفتگو اس وقت محیط کی اصل عبارت میں ہے :-

منیتہ المصلی کی عبارت نقل کرنے میں سرفراز صاحب کی خیانت

اس بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے کمال بد دیانتی سے کام لیتے ہوئے منیتہ المصلی کی اس عبارت کو تو لے لیا۔ جس کو صاحب منیہ نے بعض مشائخ سے نقل کیا اور اس سے چند سطر اوپر والی عبارت چونکہ ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھی۔ اسلئے اس کو کلیۃً ترک کر دیا جبکہ اس عبارت کو صاحب منیہ نے اکثر آئمہ کا معتمد علیہ قرار دیا ہے :-

دیکھئے یہ وہ عبارت ہے جس کو مولوی سرفراز صاحب نے نقل کیا :-

و ذکر فی الذخیرۃ اذ لم یکن بین الحرفین اتحاد فی المخرج و لا قرب الا انہ فیہ بلوی عامۃ نحو ان یاتی بالذال مکان الضاد او یاتی بالزای المحض مکان الذال او

ذخیرہ میں مذکور ہے جبکہ دو حرفوں میں نہ تو اتحاد فی المخرج ہو۔ نہ قرب ہو مگر اس میں بلوی عامہ ہو۔ مثلاً ضاد کی جگہ ذال یا ذال کی جگہ زائے محض کو یا ضاد کی جگہ ظاد کہے۔ تو

الظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ (منیۃ المصلی ص۱۱۱) | تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور جو عبارت سرفراز صاحب کے فساد نیت کی بھینٹ چڑھ گئی وہ یہ ہے:۔

اما اذا قرأ مکان الذال ظاً او مکان الضاد ظاءً او علی القلب تفسد | بہر حال جب ذال کی ظاً یا ضاد کی جگہ ظاً پڑھا۔ تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور

صلوٰۃ و علیہ اکثر الائمہ (منیۃ المصلی ص۱۱۳) اسی پر اکثر ائمہ کا اعتماد ہے:۔

عبارات فقہاً کی توضیح

مولوی سرفراز صاحب کی اس خیانت کو ظاہر کرنے کے بعد اَب ہم ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے پر تفصیلی کلام پیش کریں گے۔ جس سے انشا اللہ ظاہر ہو جائے گا کہ فقہأ کرام کی عبارتوں میں جو صوری اختلاف پایا جاتا ہے۔ جسے مولوی سرفراز صاحب غوغا سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب ایک ہی کلمہ پر متفق ہیں۔ اس سے قبل کہ ہم تطبیق بین الاقوال کیلئے تمہید شروع کریں۔ ان اختلافات کی نشاندہی کیلئے دیتے ہیں۔ [۱] امام فضلی نے جان بوجھ کر ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو کفر قرار دیا۔ اکثر [۲] ائمہ نے فساد صلوٰۃ کا سبب قرار دیا۔ اور بعض [۳] مشائخ نے فرمایا کہ اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی:۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جیسا کہ کتب اصول میں مرقوم ہے۔

وھو اسم للنظم والمعنی جمیعا (نور الانوار ص۹۔ حسامی ص۶) | قرآن۔ لفظ اور معنے دونوں کا نام ہے:۔

پس جس شخص نے قرآن کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا اور

اس صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اس تبدیل شدہ لفظ کی نظیر قرآن میں موجود ہوگی۔ اور معنی بھی مناسب ہوگا۔ اور یا اس کی نظیر قرآن میں نہ ہوگی شق اول میں لفظ نہ بدلا اور نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسے کوئی شخص لیغیظ کی ظاء کو ضاد سے بدل کر لیغیض پڑھے۔ کیونکہ لیغیض کی نظیر غیض الماء قرآن میں موجود ہے اور معنی بھی مناسب ہے۔ کیونکہ غیض کا معنی ہے "کم ہونا" پس لیغیظ بھم الکفار کا معنی ہے۔ "تاکہ کفار کو جلا دے" اور لیغیض بھم الکفار کا معنی ہے "تاکہ کفار کو کم کر دے" اور ان کا تناسب ظاہر کرے۔ اور شق ثانی میں یعنی حرف بدل گیا ہو۔ اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔ پس لفظ تو بہر حال متغیر ہو گیا۔ اور معنی کے اعتبار سے تین احتمال ہیں۔ یا تو لفظ بدل دینے کے بعد بھی اصل معنی برقرار رہا۔ جیسے کوئی شخص لیغیظ میں ظاء کی جگہ ذال پڑھے۔ کیونکہ دونوں کا ایک معنی ہے۔ قاموس میں ہے۔ المغتاذ المغتاظ۔ پس اس صورت میں صرف لفظ بدلا ہے۔ معنی نہیں بدلا۔ لہٰذا نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر اصل معنی باقی نہ رہا تو یا تو تبدیلی کے بعد لفظ مہمل رہ جائیگا۔ کہ اس کا کوئی معنی نہ ہو جیسے مغضوب میں کوئی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے کیونکہ اس لفظ کا کوئی معنی نہیں۔ غنیۃ المستملی میں ہے۔ غظب بالظاء لیس لہ معنی اور یا اس لفظ کا معنی تو ہوگا۔ مگر یہ معنی لفظ قرآن کے خلاف اور اس کا مغیر ہوگا۔ جیسے کوئی شخص تلذّ کی ذال کو ظاء سے بدل کر تلظُّ پڑھے کیونکہ تلذ لذت سے ماخوذ ہے۔ اور تلظ کا معنی لزوم اور الحاح ہے۔ کذا فی شرح المنیۃ ص ۴۲۹۔ پس آخری دو صورتوں میں بھی جس نے مغضوب کی جگہ مغظوب پڑھا یا تلذّ کی جگہ تلظ پڑھا۔ قرآن کا لفظ اور معنی دونوں بدل گئے۔ اور قرآن چونکہ لفظ و معنی دونوں سے عبارت ہے۔ پس یہ وہ الفاظ نہیں جنہیں اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا

اور جنہیں جبرائیل امین نے حضور پر اور حضور نے صحابہ پر پڑھا۔ اور ان غیر قرآنی الفاظ کو پڑھنے والا تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ عمداً غیر قرآن کو قرآن سمجھ کر پڑھتا ہے۔ اور یہ کفر خالص ہے۔ اور من افتری علی اللہ کذبا کے تحت داخل ہے۔ پس جن فقہاء نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو کفر قرار دیا۔ وہ اسی شق پر محمول ہے۔ اور یا وہ غیر قرآن کو غیر قرآن سمجھتا ہے۔ لیکن عمداً نماز میں غیر قرآنی کلمات یعنی کلام الناس کو داخل کرتا ہے پس اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ کیونکہ کلام الناس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لقولہ علیہ السلام

ان صلاتنا ھذہ لا یصلح فیھا شئی من کلام الناس۔	تحقیق ہماری یہ نمازیں دنیاوی کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

اور اکثر ائمہ کرام جنہوں نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو فساد صلوٰۃ کا سبب قرار دیا۔ اسی تقدیر پر محمول ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ قاری انتہائی کوشش اور غایۃ اجتہاد سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ پس اس صورت میں عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور بعض مشائخ جنہوں نے کہا نماز فاسد نہ ہوگی۔ ان کا قول اسی صورت پر محمول ہے۔

فقہاء کرام کی عبارتوں کو سوچے سمجھے بغیر سرفراز صاحب کا انہیں غوغا سے تعبیر کرنا چھوٹا منہ بڑی بات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور ان کا تفصیل تفصیل رٹ لگانا حقیقت میں ان عبارات کو سمجھنے کیلئے تھا۔ جو بہر حال ہم نے انہیں سمجھا دیں لیکن استفادہ کا یہ انتہائی غیر محمود طریقہ ہے جسے دیوبند کے اس فاضل نے ایجاد کیا ہے۔

دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی تحریف

صدر الافاضل کا کلام نقل کرنے کے بعد تنقید صنہ۴ پر مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں:۔
" مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والوں کی امامت جائز نہیں۔ تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی "

سوال یہ ہے کہ یہ اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہی کیوں ہیں۔ کیا انہیں قرآن میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہوئے کوئی خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا بلکہ یوں کہئے کہ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جو بات اللہ تعالےٰ نے نہیں کہی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں کوئی حیا نہیں آتی اور کذب باری کا مسئلہ کیا۔ اسی اعتذار کیلئے تو ایجاد نہیں کیا تھا

عموم بلوی کا جواب

اہل حق کی اسی تحریف پر عذر لنگ پیش کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب قاضی خان کی عبارت بے سمجھے نقل کرنے کے بعد صنہ۴۳ پر لکھتے ہیں۔

" اس سے معلوم ہوا کہ ضاد۔ ظاء اور ذال کو عموم بلوی اور تمیز میں مشقت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مقام پر پڑھنے میں وسعت دی گئی ہے۔ کہ اگر الضالین کو الظالین پڑھا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی "

اولاً تو یہ فقہاءِ کرام پر محض بہتان ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ سرفراز صاحب نے قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے کے لئے یہ خلاف واقعہ بات وضع کی ہے۔ ورنہ فقہاء کا مقام اس سے بہت بالا ہے۔ کہ وہ تحریف خالص اور کفر صریح کی اجازت دیں۔ ثانیاً یہ کہ الضالین کو الظالین پڑھنے کا منشا تو آپ نے مخارج میں عدم تمیز قرار دیا ہے

تو کیا پورے دیوبند کے قرأت خانہ میں ایک بھی قاری ایسا نہیں جو الضالین کو الضالین پڑھے۔ اور دیوبند کے اکابر و اصاغر میں کوئی بھی ایسا نہیں۔ جو ضاد اور ظاء کے مخارج اور صفات میں تمیز کر سکے۔ قرآن میں تحریف کی بنیاد آپ نے رکھی بھی تو ایسی رکھی جس نے پوری امت دیوبند کی بے علمی کا راز فاش کر دیا۔

تنقید ص۴۲ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں:۔

"اس سے معلوم ہوا کہ حرف ضاد اور ظاء کی تمیز خاصی مشکل ہے اور ان کی ادائیگی میں خاصی مشقت ہوتی ہے"

اور یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اہل دیوبند کو ضاد اور ظاء کے مخارج میں تمیز نہیں ہے۔ عوام تو خیر عوام ہیں۔ ان کے علماء کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ نہیں۔ کہ ضاد کس طرح پڑھا جاتا ہے۔ نیز دیوبند کے علماء کے کی غلطی پر عموم بلوی سے استدلال کرنا بھی عجب بھونڈی منطق ہے۔ بے چارے سرفراز صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عموم بلوی سے عوام کیلئے حکم ثابت ہوتا ہے خواص کے لئے نہیں۔ کیا دیوبند کے تمام علماء اور قاری حضرات عوام میں داخل ہیں کہ ان کی بے تمیزی اور غلط پڑھنے کو عموم بلوی کی وجہ سے معاف کر دیا جائے۔ ثانیاً یہ کہ فقہاء کرام نے خطاءً اور نسیاناً ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والے کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ نہ کہ عمداً ظاء پڑھنے والے کو اور ذریت دیوبند نہ صرف یہ کہ عمداً ظاء پڑھتی ہے۔ بلکہ وہ ظاء پڑھنے پر اصرار کرتی ہے۔ اور اس نے اس تحریف کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ جیسا کہ مولوی سرفراز صاحب کو بھی اقرار ہے۔ کہ "اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہیں"۔ اور جو عمداً ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اس کی نماز بہر حال فاسد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ خزانۃ المفتین میں اسی بحث میں ہے:۔

غیر المغضوب بالظاء والظالمین
بالذال او بالضاد قال بعضهم لا
تفسد هم ابو القاسم الصغار ومحمد
بن سلمة وكثير من المشائخ افتوا
به لعموم البلوى فان العوام لا
يعرفون مخارج الحروف وقال
امام ابو المحسن والقاضی الامام
ابو العاصم ان تعمد ذالك تفسد
ان جرى على لسانه اولم یکن
ممن يميز بين الحرفين لا تفسد

غیر المغضوب کو ظا سے پڑھنا یا ظالمین کو
ضاد سے پڑھنا۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز
فاسد نہیں ہوتی۔ اور وہ ابو القاسم صغار
اور محمد بن سلمہ ہیں اور بہت سے مشائخ نے
اس پر عموم بلوی کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ
کیونکہ عوام مخارج حروف کو نہیں پہچانتے
اور امام ابو محسن اور قاضی امام ابو العاصم
نے کہا کہ اس نے جان بوجھکر ایسے پڑھا۔ تو
نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور اگر اسکی زبان پر بلا
قصد جاری ہوا یا وہ ان دو حرفوں کے
درمیان تمیز نہ کر سکتا تھا۔ تو نماز فاسد نہیں ہوگی

خزانۃ الاکمل کی اسی بحث میں ہے۔

اذا قرء مكان الظاء ضادا او مكان
الضاد ظاء فقال القاضی المحسن
الحسن ان يقال ان تعمد ذالك
تبطل صلاته عالما كان او جاهلا
اما لو كان مخطئا اراد الصواب
فجرى هكذا على لسانه اولم يكن
ممن يميز بين الحرفين فظن انه
ادى الكلمة كما هي فهي غلط جازت
به الصلوٰة (عالمگیری ج ۱ ص ۲۱ ردالمحتار ج ۱ ص ۴۴۳)

جب ظاء کی جگہ ضاد یا ضاد کی جگہ ظاء
پڑھا۔ پس قاضی محسن نے کہا۔ بہترین
قول یہ ہے کہ اگر اس نے قصداً ایسا کیا ہے
تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ خواہ عالم ہو یا جاہل
اور اگر صحیح حرف ادا کرنیکی کوشش میں غلط
حرف زبان پر آگیا یا وہ دو حرفوں
میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔ تو وہ لفظ تو
اس نے بہر حال غلط ہی پڑھا لیکن
نماز ہو جائے گی۔

ان عبارات سے یہ امر خوب واضح ہو گیا ہے۔ کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا بہر کیف غلط ہے۔ اگر یہ غلطی دیدہ دانستہ کی گئی تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور اگر بے علمی اور عدم تمیز کی بناء پر یہ غلطی ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور جن عبارتوں کو سرفراز صاحب ضاد کی جگہ ظاء کے جواز پر لائے ہیں۔ ان کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں ہے۔ اور مولوی سرفراز صاحب نے جس طرح ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ وہ قرآن میں تحریف کرنے کی ایک انتہائی مذموم حرکت اور اسرائیلی کوشش ہے۔ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے کا ایک کلیسائی حربہ ہے۔ اور ہم سطور سابقہ میں محیط برہانی کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اس طرح ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا کفر خالص ہے۔ اور ومن اظلم ممن افتری علے اللہ کذبا کا مصداق ہے۔

ضاد کو عمداً ظاء پڑھنا کفر ہے

محیط برہانی کا حوالہ شرح فقہ اکبر سے نقل کرنے کے بعد اب ہم جامع الفصولین کی عبارت کلمات کفریہ کی بحث سے نقل کرتے ہیں:۔

یقرا الظاء مکان الضاد ویقرء کیف شاؤ اصحاب الجنۃ مکان اصحاب النار لم تجز امامتہ ولو تعمد کفر۔ (جامع الفصولین ص ۳۱۶ ج ۲)	جو آدمی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اور اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ اسکی امامت تو بہر حال جائز نہیں (خواہ عمداً پڑھے یا سہواً) اگر عمداً پڑھتا ہے تو کافر ہو گیا۔

اب ذرا مولوی سرفراز صاحب منظر قیامت کو سامنے رکھکے اور خوف آخرت کو دل میں جگہ دیکر غور کریں کہ مسئلہ تو امام اور مقتدی دونوں کیلئے یکساں ہے۔ پھر صاحب جامع الفصولین نے امام کا مسئلہ بالخصوص کیوں ذکر کیا۔ صدر الافاضل پر سرفراز صاحب نے اس اعتراض کی بناء قائم کر کے جو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی ہے۔

اور گندہ دہنی کی بناء پر جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے ہیں۔ کیا ان تمام ہذیانات کا رجوع صاحب جامع الفصولین کی طرف نہیں ہوتا۔ یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ اگر صاحب جامع الفصولین صرف امام کا مسئلہ بیان کریں تو آپ کے صبر و اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہی بات صدر الافاضل نے فرمائی تو آپ اس طرح چیخ اُٹھے۔ جیسے قصر دیوبند میں زلزلہ آگیا ہو۔

حرفِ ضاد کی تخصیص کا جواب

رہا مولوی گھکڑوی صاحب کا یہ اعتراض کہ فقہاء کرام کا یہ ضابطہ تو تمام حروف کو شامل ہے۔ پھر ضاد اور ظاء کا مسئلہ ہی کیوں بیان کیا۔ جواب یہ ہے کہ اول تو خصوصیت مقام قرینہ ہے۔ کیونکہ ولا الضالین میں ضاد کا ذکر ہے۔ اور ضاد کے ظاء سے ملتبس ہونے کا شائبہ تھا۔ اسلئے اس کے مسئلہ کو بیان کر دیا۔ ثانیاً یہ کہ چونکہ دیوبند کے اہلِ حق نے قرآن میں تحریف کرنے کیلئے حرفِ ضاد کو خاص کر لیا ہے۔ لہٰذا مناسب تھا۔ اسلئے صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بالخصوص ضاد کے مسئلہ کو بیان کر دیا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ امام صاحب نے جواز مسح خفین کے اعتقاد کو اہلِ سنت کی علامت قرار دیا ہے۔ حالانکہ دوسری سنتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن چونکہ مبتدعین شدت کے ساتھ موزوں پر مسح کا انکار کرتے تھے۔ اسلئے انہوں نے جواز مسح کو اہلِ سنت کی علامت قرار دیا۔ نہ کہ باقی سنن کے عمل پر جواز کو حالانکہ ان کا بھی یہی حکم ہے:۔

دیکھئے شرح فقہ اکبر ص۷۶ پر ہے:۔

سئل ابوحنیفۃ رحمہ اللہ علیہ عن مذہب اھل السنۃ والجماعۃ فقال ان تفضل الشیخین ای ابابکر و

امام ابوحنیفہؒ سے مذہب اہل سنت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ شیخین یعنے ابوبکر اور

عمر رضی اللہ عنہما و تحب الختنین ای عثمان و علیا رضی اللہ عنہما و تری المسح علی الخفین و تصلے خلف کل بر و فاجر۔

عمر رضی اللہ عنہما کو فضیلت دو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو داما دوں یعنی عثمان اور علی رضی اللہ عنہما سے محبت، محبت کرو۔ اور موزوں پر مسح کے جواز کا اعتقاد رکھو اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو۔

اگر آپ کو ضاد کی خصوصیت سے شکوہ ہے۔ تو قرآن کریم کے اس خاص حرف میں تحریف کرنا چھوڑ دیجئے۔ ہم بھی آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔

امامت کی تخصیص کا جواب

باقی رہا یہ کہ مسئلہ امام و مقتدی سب کیلئے یکساں ہے۔ تو امام کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ جب یکساں ہے۔ تو خواہ امام کے بارے میں بتایا جائے یا مقتدی کے بارے میں کیا فرق پڑتا ہے۔ بلکہ مقتدی کی نسبت امام کا مسئلہ بیان کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ مقتدی کی نماز فاسد ہونے سے ایک کی نماز فاسد ہوگی اور امام کی نماز کے فساد سے تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوتی ہے علاوہ ازیں امام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امام کو عالم اور قاری ہونا چاہیئے۔ بخلاف عوام کے کیونکہ اقتداء کے لئے تجوید و قرأت کا جاننا ضروری نہیں ہے بات تو بالکل سیدھی اور صاف تھی۔ برافروختگی کی وجہ نہ تھی مگر شاید آپ کو اپنی امامت کا خطرہ پڑ گیا کہ اگر لوگ اس حقیقت پر مطلع ہو گئے۔ کہ ضاد کو ظاد پڑھنے والے کی امامت صحیح نہیں۔ تو پھر آپ کی امامت جاتی رہے گی۔ اور روٹیوں کے لالے پڑ جائیں گے۔ کاش آپ نے دنیا دی چند روزہ روزگار کے بجائے متاع آخرت کو ترجیح دی ہوتی۔ خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر ضاد کو ضاد ہی پڑھا ہوتا۔ انا لہ لحافظون کی

لاج رکھی ہوتی۔ چند سنہری سکوں کے عوض قرآن کو نہ بدلا ہوتا ۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

مروّجہ ایصالِ ثواب

وممارزقنھم ینفقون کے تحت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے یا زکوٰۃ مراد ہے، جیسا دوسری جگہ فرمایا۔ یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ یا مطلق انفاق خواہ فرض و واجب ہو، جیسے زکوٰۃ و نذر اپنا اور اپنے اہل کا نفقہ وغیرہ خواہ مستحب جیسے صدقاتِ نافلہ۔ اموات کا ایصالِ ثواب۔ مسئلہ گیارہویں۔ فاتحہ۔ تیجہ۔ چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔ کہ وہ سب صدقاتِ نافلہ ہیں اور قرآن پاک و کلمہ شریف کا پڑھنا نیکی کے ساتھ اور نیکی ملا کر اجر و ثواب بڑھاتا ہے۔ انتھٰی

مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے اس محققانہ کلام پر تنقید کرنے کیلئے یہ ضروری سمجھا کہ صیہونی چابکدستی سے اس عبارت میں قطع بُرید کی جائے۔ چنانچہ مسئلہ گیارہویں سے پہلے مذکورہ تمام عبارت مقراضِ گھکڑ کی نذر ہو گئی۔ اور اس مذموم جسارت سے سرفراز صاحب کا مدعا یہ ہے۔ کہ عوام کو یہ سمجھایا جا سکے کہ اہلِ سنت کے نزدیک ممارزقنھم ینفقون کی تفسیر مسئلہ گیارہویں اور اس کے لواحقات کے سوا کچھ نہیں۔ سادہ لوح عوام اور معصوم ذہنوں کو گمراہ کرنے کے شوق میں مولوی سرفراز صاحب اس تیزی سے آگے بڑھے کہ منزلِ عاقبت بھی ان کا منہ تکتی رہ گئی۔

تقرب لغیر اللہ کی بحث

تنقید کے ص ۲۷ پر مولوی سرفراز صاحب رقم طراز ہیں۔

"گیارہویں کے بارے میں عوام الناس کے مختلف نظریات ہیں۔ بعض

جہلاء کا تو یہاں تک خیال ہے کہ اگر بڑے پیر صاحب کے نام پر مقررہ تاریخ پر گیارہویں نہ دی گئی، تو جانی اور مالی طور پر ناقابلِ برداشت نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ گھر میں بیماری پڑ جائیگی، کھیتی تجارت اور کاروبار میں خسارہ ہوگا۔ اگر گیارہویں کا دودھ نہ دیا گیا تو دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر بر وقت گیارہویں ادا کر دی گئی تو سب کام ٹھیک ٹھاک رہیں گے۔ اور جان و مال اور کاروبار میں گوناں گوں برکت ہو جائیگی۔ ظاہر امر ہے۔ کہ غیر اللہ سے خوف و رجا اور امید و بیم کے اسی نظریہ کو تقرب لغیر اللہ کہا جاتا ہے۔ جس کے حرام اور شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔"

ہم مولوی سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے پاس کوئی تحریری یا تقریری شہادت موجود ہے۔ جس کی بناء پر آپ نے بعض جہلاء کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ اور اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اب تین ہی صورتیں ہیں یا تو آپ نے خلافِ واقعہ ایک عقیدہ وضع کر کے اسے جعلی طور پر جہلاء کی طرف منسوب کیا۔ یا آپ نے خلافِ نصوصِ شرعیہ سادہ لوح عوام کے حق میں بدگمانی کی ہے یا پھر آپ خود کو علیم بذات الصدور سمجھتے ہیں۔ اور یہ دعوٰی فاسدہ رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے عقائد معلوم کر لیتے ہیں۔ آخر ہمیں بھی تو سمجھائیں کہ بغیر کسی سند اور دلیل کے اور بدون کسی شہادت کے آپ نے کیسے بعض لوگوں کے عقیدہ پر اطلاع حاصل کر لی۔ ثانیاً ہم پوچھتے ہیں کہ مطلقاً کسی کے نفع و ضرر پہنچانے کا عقیدہ رکھنا اور اس سے تقرب حاصل کرنا شرک ہے۔ یا اس عقیدہ کو علی وجہ العبادت رکھنا شرک ہے۔ بر تقدیر اول لازم آئیگا۔ کہ زہر میں ضرر اور تریاق میں نفع سمجھنا اور آپ کا اصنام دیوبند سے تقرب حاصل کرنا یہ سب شرک ہو۔ اور

بر تقدیر ثانی یعنی اگر کسی کو علی وجہ العبادۃ نافع اور رضا و اعتقاد کرنا اور تقرب علی وجہ العبادۃ شرک ہو تو پھر آپ کا مزعوم باطل ہوگیا۔ کیونکہ اس کا تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ جہلاء بڑے پیر صاحب کی عبادت نہیں کرتے نہ انہیں معبود سمجھتے ہیں۔ ذرا خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر ملاحظہ فرمائیے:۔

در مختار ص۲۳۰ پر ہے۔

انا لا نسئی الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الآدمی بھذا النحر

ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعل ذبح کے ذریعہ کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

اس کے تحت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:۔

ای علی وجہ العبادت لانہ الکفر وھذا بعید من حال المسلم (رد المحتار ص۲۰۳ ج ۵)

یعنی شارح کی مراد تقرب سے تقرب علی وجہ العبادت اسلئے کہ تقرب علی وجہ العبادت ہی موجب شرک ہے اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔

دیدہ عبرت کیلئے یہ سند کافی ہے کہ شرک کا مدار کسی کو معبود سمجھنے پر ہے آپ اگر واقعی مسلمانوں کو مشرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر یہ ثابت کیجئے کہ جہلاء بڑے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں۔ و بدونہ خرط القتاد آئیے۔ اب ہم آپ کو بتائیں کہ اپنے پیروں بلکہ مولویوں کو بھی معبود سمجھ کر کون پوجتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ مرثیہ گنگوہی ص۱۲ پر مولوی محمود الحسن صاحب مولوی رشید احمد گنگوہی کی موت پر مرثیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تمہاری تربت انور کو دیکر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی

اب آپ خود خیال کیجئے۔ کہ طور پر کس ذات نے تجلی فرمائی تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے کس ذات کے دیکھنے کیلئے بار بار ارنی فرمایا تھا۔ اور مولوی محمود الحسن صاحب کس کی قبر کو طور اور کس کے دیکھنے کو ارنی کہہ رہے ہیں اور یہ آپ کی طرح یوں ہی بے سند بات نہیں ہے۔ بھارتی دیوبند اور پاکستان کے بیشمار دیوبندی پریسوں کے مطبوعہ مرثیہ میں یہ شعر موجود ہے۔

نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کے ترتب کا عقیدہ آپ نے عوام اہلِ سنت یا جہلاء کی طرف بلا شہادت منسوب کر دیا۔ اس پر کوئی حوالہ یا سند لانے سے آپ عاجز رہے۔ لیکن ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ کہ یہ عقیدہ خود آپ کے سلف میں موجود ہے۔ اور اس پر شہادت پیش کریں گے۔ وُہ شاہ ولی اللہ جنہیں امتِ دیوبند اپنا واحد سہارا سمجھتی ہے۔ انفاس العارفین ص۵۳ پر اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات کے باب میں ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت ایشان میفرمودند فرہاد بیگ را مشکلے پیش آمد نذر کرد بارِ خدایا اگر ایں مشکل برآمد ایں قدر مبلغ حضرت ایشاں ہدیہ برم آن مشکل مندفع شود۔ وآں نذر از خاطر او رفت بعد چندے اسپ او بیمار شد ونزدیک ہلاک رسید بر سبب ایں امر مشرف شدم بدست یکے از خادماں گفتہ فرستادم کہ ایں بیماری بسبب

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فرہاد بیگ کو کوئی مشکل آ پڑی۔ اُس نے نذر مانی کہ اے خدا اگر یہ مشکل حل ہو گئی تو میں اس قدر ہدیہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کرونگا چنانچہ وہ مشکل حل ہو گئی اور وہ نذر پوری کرنا بھول گیا۔ کچھ عرصہ بعد اُس کا گھوڑا بیمار ہو گیا اور ہلاکت کی دہلیز تک آ پہنچا میں اس بیماری اور ہلاکت کے سبب پر مطلع ہوا اور ایک خادم کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ

عدم وفاءِ نذر است۔ اگر اسپ خود می خواہی نذرے را کہ در فلاں محل التزام نمودۂ بفرست وے نادم شد وآں نذر فرستاد ہماں ساعت اسپ او شفا یافت۔

کرنے کے سبب سے ہے۔ اگر گھوڑے کی خیریت چاہتا ہے تو فلاں نذر جسے فلاں جگہ مانا تھا۔ پوری کر۔ وہ اپنے فعل پر نادم ہُوا اور نذر ارسال کی اور اسی وقت اُس کا گھوڑا شفایاب ہو گیا۔

اللہ اکبر آپ کہتے ہیں کسی کو نافع وضار سمجھنا بھی شرک ہے۔ تقرب لغیر اللہ بھی شرک ہے۔ اور شاہ صاحب فرہاد بیگ کو اپنے تقرب اور اپنے نفع ضرر کی تلقین کر رہے ہیں۔ تو پھر آپ کے نزدیک فرہاد بیگ تو خیر مشرک ہوا ہی لیکن شاہ صاحب کا مقام آپ کے ہاں ابلیس سے کیا کم ہو گا۔ کیونکہ اہل فہم پر مخفی نہیں کہ لوگوں کو اپنی عبادت پر راغب کرنا شیطان لعین ہی کا کام ہے۔ عقائد جہلاء پر غیر مسلح حملہ کرنے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی تو خبر لی ہوتی۔ اگر آپ کے دل دل میں انصاف کا کوئی شمہ بھی موجود ہے تو شاہ عبدالرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب ان سب سے بیزاری کا اظہار کریں۔ حیرت ہے کہ جو لوگ آپ کے فتویٰ کی زد میں آکر مشرک قرار پاتے ہوں۔ آپ انہیں کے اقوال سے احتجاج کرتے ہیں۔ اور انہیں کی عبارتوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ صرف یہی ایک مقام نہیں دیوبند کے تمام عقائد و اعمال کا یہی حال ہے۔ جن امور کو وہ بیانگ دہل کفر و شرک حرام و بدعت کہتے ہیں۔ ان تمام امور میں ان کے اکابر و اصاغر سر سے پاؤں تک غرق ہیں۔ اور وہ پھر بھی اہل حق ہیں۔ آخر کب تک دیوبند کے ان بتوں کی پوجا ہو گی۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان کے چہروں سے مکر و فریب کی نقاب اتار کر عوام کو ان کے اصلی چہروں سے روشناس کرایا جائے۔

بارہ سال کا بیڑا ۔ مولوی سرفراز صاحب نے حضرت شیخ عبدالقادر

جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور کرامت (بارہ سال کے غرق شدہ بیڑا کو پار لگانا) کو افسانہ اور مفتی احمد یار خاں صاحب کی گپ قرار دیا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض قائم کیا کہ ولی کامل کے بارے میں یہ کیوں کر باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ مثلاً ایک سیر دودھ یا سیر چاول کے نہ ملنے کی وجہ سے جوش انتقام سے لبریز ہو کر عین شادی کے موقع پر نوجوان کا بیڑا غرق کر دے (تنقید ص۳۸۲) انتہی کلامہ۔

جواباً گذارش ہے کہ اولاً تو آپ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پر خالص افترا باندھا ہے۔ کہ انہوں نے گیارہویں وصول نہ ہونے کی بنا پر نوجوان کا مع براتیوں کے بیڑا غرق کر دیا۔ اور بارہ سال بعد گیارہویں وصول کر کے بیڑا اترا دیا۔ ہماری تحقیق کے مطابق اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت غوث جیلانی کو دریا کے کنارے ایک مغموم بڑھیا نظر آئی۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ بارہ سال ہوئے اس کا جوان سال بیٹا مع براتیوں کے غرق ہو چکا ہے دینی اور اسلامی محبت سے آپ کا دل بھر آیا۔ اور آپ نے سجدہ میں سر رکھ کر دعا مانگی کہ اے اللہ اس بڑھیا کے بیٹے اور براتیوں کے غرق شدہ بیڑے کو نکال دے۔ کارساز حقیقی اور قادر مطلق نے اپنے بندۂ کامل کی دعا منظور فرمائی اور غرق شدہ بیڑے کو نکال دیا۔ (بحوالہ سلطان الاذکار فی مناقب الابرار)

ثانیاً اس واقعہ کے محال ہونے کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ غرق شدہ بیڑے کو پار لگانا اللہ تعالےٰ کی قدرت سے باہر ہو۔ اور یہ قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ کیسی افسوسناک بات ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور زنا جیسی قباحت کو جو اللہ کیلئے محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں۔ تو قدرت الٰہیہ کا وظیفہ رٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ

محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا اور بارہ سال کے ڈوبے ہوئے جہاز کو ترانا جو امر ممکن اور جائز الوقوع ہے۔ اسے قدرت الٰہیہ سے اس قدر بعید سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی بے سروپا تاویلیں شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ مردوں کو زندہ کرنا قدرت الٰہیہ میں صرف ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسے حضرت عزیز کے واقعہ میں سو سال بعد دراز گوش کو زندہ کرنا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعدد واقعات میں جدید و قدیم مردوں کو زندہ کرنا ہے۔ ثالثاً اگر آپ اس واقعہ کو قدرت الٰہیہ میں جائز الوقوع مانتے ہیں۔ تو پھر اس کے محال ہونے کی ایک ہی وجہ رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالٰی اپنے ولی کی دعا سے کوئی خرق عادت نہ ظاہر فرماتا ہو۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھل آتے تھے۔ اور آصف بن برخیا کو اللہ تعالٰی نے تخت کو مسافت کثیرہ سے پلک جھپکنے سے پہلے لانے پر قادر کر دیا جیسا کہ آپ کے حکیم الامت نے بھی اپنے ترجمہ میں اس واقعہ کا اسناد آصف بن برخیا کی طرف کر کے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ کما مر مناسابقاً۔ اور یہ وہ امور خارقہ للعادات ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے سابقہ ادیان کے اولیاء پر ظاہر فرمایا۔ پھر امت محمدیہ کے اولیاء پر خصوصاً اس عظیم الشان ولی پر جو قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی کا وصف رکھتا ہو۔ کرامت کا دروازہ کس طرح بند ہو جائے گا۔ مشکوٰۃ ص ۹۷ پر ہے۔

ولئن سالنی لاعطینہ۔ اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے تو میں اُسے ضرور عطا فرماؤنگا۔ تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آپ کی مراد پوری نہ کر کے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ یا تو آپ رافضیوں کی طرح حضرت شیخ جیلانی کو ولی نہیں سمجھتے (العیاذ باللہ) یا خدا کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ (رابعاً) ابھی انفاس العارفین سے گزر چکا ہے۔ کہ آپ کے مسلم پیر شاہ عبد الرحیم نے نذر وصول نہ ہونے

پر ایک گھوڑے کا بیڑا غرق کر دیا۔ اور نذر لے کر چھوڑی گستاخی معاف یہ انتقام کس شریعت سے جائز ہوگا۔ (خامسا) اگر آپ ڈوبے ہوئے جہاز کے نرانے کے انکار پر اصرار ترک نہیں کرتے تو کرامات امدادیہ کا مطالعہ کیجئے۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پیر صاحب کی ایسی کتنی کرامتیں مل جائیں گی۔ اور اگر مردہ زندہ کرنے کو آپ غریب سمجھتے ہوں تو مرثیہ گنگوھی ملاحظہ کریں۔ یہ ایک اجمالی کلمہ ہے۔ تفصیل انشاء اللہ العزیز ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ نیز بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی ترا دینے والا واقعہ بہر حال نص قطعی سے تو ثابت ہے نہیں۔ کہ اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جائے۔ اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں۔ جو اگر روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہوں۔ اور اصولِ دینیہ سے متعارض نہ ہوں۔ تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کی اصل چونکہ اعتزال پر مبنی ہے اسلئے انہوں نے غوث اعظم رضی اللہ تعالے عنہ کی اس کرامت کو روایۃً تو طوعاً وکرہاً تسلیم کیا۔ لیکن درایۃً تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی یہ تاویل کی ہے۔ کہ کسی بڑھیا کا کوئی دس بارہ سال آوارگی کے دریا میں غوطے کھاتا رہا ہوگا اور شیخ کی دعا سے ہدایت پا گیا ہوگا (تنقید ص ۴۴ ملخصاً)۔

جواب یہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کو اس کے ظاہر سے ہٹانے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے۔ جب اس کے ظاہری محمل پر کوئی استحالہ شرعی یا عقلی لازم آتا ہو۔ اور بارہ سال بعد ڈوبے ہوئے سفینہ کو ترا دینا ایک امر خارق للعادت ہے۔ اور اس کا صدور اولیاء اللہ سے جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سطور گذشتہ میں ثابت کر چکے ہیں۔ شرح عقائد ص ۱۰۱ پر ہے۔

وکرامته ظهور امر خارق للعادة غير مقارن لدعوى النبوة۔	ولی کی کرامت اس کا کسی امر خارق عادت

کو ظاہر کرنا ہے۔ جو دعوٰی نبوت کے ساتھ مقرون نہ ہو۔ اور اگر اب بھی آپ کو پس وپیش ہے۔ تو ارواح ثلاثہ کا مطالعہ کیجئے۔ جو الف سے لیکر یا تک سلاف دیوبند کی مزعومہ کرامات سے بھری پڑی ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی کی گپ

مولوی اشرف علی تھانوی نے کرامات امدادیہ صـ۳۵ پر ذکر کیا ہے کہ —— "میرے ایک دوست جو جناب بقیۃ السلف حجۃ الخلف قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا حاجی شاہ امداد اللہ شاہ صاحب چشتی صابری تھانوی ثم المکی سلمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت تھے۔ حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جاتے تھے۔ بمبئی سے آگبوٹ میں سوار ہوئے آگبوٹ نے چلتے چلتے ٹکر کھائی۔ اور قریب تھا کہ چکر کھا کہ غرق ہو جائے انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر اور کارساز مطلق ہے۔ اسی وقت ان کا آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔ ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا۔ اُدھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ۔ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے کمر دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اُٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے۔ اور اکثر جگہ سے کھال اُتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے۔ کمر کیوں کر چھلی۔ فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا۔ آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے۔ اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا۔ اُس میں تمہارا دینی اور سلسلہ کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ وزاری

نے مجھے بے چین کر دیا۔ آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھا لیا۔ جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی۔ اسی لئے چھِلی گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا" انتہیٰ کلامہ

مولوی سرفراز صاحب چونکہ کراماتِ اولیاء کو میزانِ اعتزال سے تولتے ہیں لہٰذا اُن کی خدمت میں ہم اس واقعہ پر کچھ گذارشات پیش کرتے ہیں۔ اولاً یہ کہ آپ کے نزدیک مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت شرک ہے اور مولوی اشرف علی تھانوی کے اس دوست نے امور مافوق الاسباب میں ہی استعانت کی ہے۔ اب آپ اس کو مشرک قرار دینگے یا خود ساختہ شرک کی تعریف سے رجوع کریں گے۔ ثانیاً یہ کہ حاجی امداد اللہؒ نے جو مافوق الاسباب امر میں امداد کی ہے تو اب آپ اُنہیں خدا کا شریک قرار دیں گے یا اپنی ضلالت سے تائب ہوں گے۔ ثالثاً یہ کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اس روایت پر اعتقاد اور اس کا بیان کیا۔ اب اُنہیں مبلغ شرک اور ابلیس قرار دیں گے۔ یا اپنے بیان کو ابلیسی منطق ٹھیرائیں گے۔ رابعاً یہ کہ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں آپ کے پیر بھائی نے حاجی صاحبؒ کی طرف توجہ کی۔ تو اس نے حاجی صاحب کو قادر مطلق مانا یا نہیں۔ اگر نہیں تو شیخ جیلانیؒ کی طرف اس حال میں توجہ کرنے سے انکا قادر مطلق ماننا کس طرح لازم آئیگا۔ خامساً یہ کہ حاجی صاحبؒ باوجود شہر سے کہیں نہ جانے کہ سمندر میں جہاز بھی کندھے پر اُٹھائے ہوئے تھے۔ سوال یہ ہے۔ کہ سمندر میں حاجی صاحبؒ بعینہٖ موجود تھے یا جسم مثالی کے ساتھ بر تقدیر اول تکثر جزئی لازم آئیگا۔ بر تقدیر ثانی مثل شئی تو غیر شئی ہوتی ہے پس لازم آیا کہ کندھا دینے والا حاجی صاحبؒ کا غیر ہو نہ کہ خود حاجی صاحب۔ سادساً یہ کہ جو آدمی ایسا قادر ہو کہ کوسوں میل مسافت آنِ واحد میں طے کر کے بحری جہاز بیدھا

کر دیتا ہو۔ وہ اپنی کمر سے درد کو کیوں نہیں دُور کر سکتا۔ سابعاً جو شخص کمر دبوانے میں اپنے مرید کا محتاج ہے۔ وہ جہاز میں بیٹھے ہوئے سینکڑوں آدمیوں کی حاجت روائی کیونکر کر سکتا ہے ثامناً یہ کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے دوست نے اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور اُن کی بارگاہ میں عرض کی اور وہ اس کی امداد کو آپہنچے۔ سوال یہ ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب ہر وقت ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع اور ان کا کلام سنتے رہتے ہیں یا نہیں۔ بر تقدیر ثانی یعنی جب اُنہیں ہر وقت ہر جگہ کے حال کا علم نہیں تو اس وقت اس جگہ کے حال کا کیسے علم ہو گیا۔ اور یہ ترجیح بلا مرجح کس طرح جائز ہو گئی۔ نیز اس پر کونسی عقلی اور شرعی دلیل قائم ہے۔ اور بر تقدیر اوّل یعنی جب حاجی صاحب کو ہر وقت ہر جگہ کا علم حاصل ہے۔ تو بتلائیے۔ کہ وہ اس صفت سے خدا کے شریک ہوئے یا نہیں۔ اگر نہیں تو حضور علیہ السلام کیلئے علم کلی ماننے سے کوئی شخص کیسے مشرک ہو جاتا ہے۔ تاسعاً یہ کہ خادم نے کمر دباتے پیراہن اُٹھایا تو کمر چھلی ہوئی تھی اور کئی جگہ سے کھال اُتر گئی تھی۔ اس میں یہ گذارش ہے کہ جب کسی جگہ سے کھال چھل جائے تو اس جگہ کو دبوایا نہیں جاتا۔ بلکہ دبوانے سے زخم میں ٹیسیں اُٹھنے لگتی ہے۔ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے انتہائی بھونڈے طریقہ سے اپنے پیر کی کرامت کو ظاہر کرنے کیلئے یہ حیلہ وضع کیا ہے۔ عاشراً یہ کہ حاجی صاحب کو اپنے مرید کی بیکسی اور آہ وزاری نے بیڑا پار لگانے کی طرف متوجہ کیا۔ اور سینکڑوں بندگان خدا کی بیکسی پر کوئی رحم نہیں آیا۔ ورنہ یہ کہنے کی کیا وجہ تھی۔ کہ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ صرف مولوی سرفراز ہی نہیں بلکہ اُن کے تمام حواریوں کو دعوت ہے کہ وہ اُن کے وضع کردہ اصول اور مبنی شرک کے

تحت ان سوالوں کا جواب دیں۔ اس میں بہتوں کا بھلا ہو گا۔ ورنہ منصف مزاج مولوی سرفراز صاحب کے اصولوں کی روشنی میں مولوی اشرف علی تھانوی کی اس بیان کردہ گپ کو کوئی وقعت نہیں دیں گے۔

مولوی محمود الحسن کی گپ

مرثیہ گنگوہی صـ۲۲ میں مولوی محمود الحسن نے اپنے پیر مولوی رشید احمد گنگوہی کی شان میں یہ شعر کہا ہے۔

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

بہت سے چالاک دیوبندی عام ذہنوں کو گمراہ کرنے کیلئے اس شعر کی یہ باطل توجیہہ کرتے ہیں کہ اس شعر میں مردہ سے مراد جاہل اور زندہ سے مراد عالم ہے۔ یعنی جاہلوں کو عالم بنایا۔ اور عالموں کو جاہل بننے نہ دیا۔ یہ توجیہہ قطعاً باطل و مردود ہے۔ اسلئے کہ اگر یہی معنی مقصود تھا۔ تو پھر خاص طور پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے تقابل کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ ہر نبی میں تعلیم کا وصف موجود ہوتا ہے۔ بالخصوص حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے تقابل کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندہ کرنے سے مراد حسی زندہ کرنا ہے جو کہ عیسیٰ علیہ السلام کا وصف خاص تھا۔ کما شھد بہ القرآن۔

مولوی اشرف علی کی بیان کردہ کرامت سے معلوم ہوا کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو ترا دیا۔ اور محمود الحسن صاحبؒ کے مرثیہ سے پتہ چلا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اَب میں انصاف پسند حضرات سے گذارش کروں گا۔ کہ وہ سوچیں کہ اگر غوث پاک رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسی مسلم صاحب کرامت شخصیت کے بارے کوئی یہ واقعہ بیان

کرے کہ آپ نے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے بیڑے کو ترا دیا. تو مولوی سرفراز صاحب اس کو گپ سے تعبیر کرتے ہیں اور مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے پیر کے بارے میں بے سروپا دعویٰ کر کے اگبوٹ کی رام کہانی سنائی. مولوی محمود الحسن صاحب نے مولوی رشید احمد گنگوہی کے مُردے جلانے کا باطل ادّعا کیا تو کیا یہ سب جبرئیل امین علیہ السلام کی لائی ہوئی وحی ہے. جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا جس وصف کو انبیاء و اولیاء علیہم السلام کیلئے ثابت کرنا آپ کے نزدیک شرک اور ناجائز ہے۔ وہ اپنے پیروں اور مولویوں کیلئے عین توحید اور جائز محض کیسے ہو گیا. آخر کب تک آپ اپنی اس دھوپ چھاؤں کی پالیسی سے لوگوں کو فریب دیتے رہیں گے. آپ آخر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ لوگوں کی آنکھیں ہیں. دل و دماغ ہے. وہ جب آپ کے اقوال و اعمال کا موازنہ کریں گے. تو آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے. جن گیسوؤں کے دامِ تزویر میں آپ نے عوام کو پھانس رکھا ہے جب وہ پیچ وخم کھل جائیں گے. تو پھر آپ کی کیا حالت ہوگی۔

گیارہویں حرام ہونیکے دلائل کا تجزیہ

گیارہویں شریف کو حرام اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے

مولوی سرفراز صاحب نے شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا ایک فتویٰ پیش کیا ہے کہ

"ماکولات و مشروبات و دیگر اعمال را نیز از راہِ تقرب داون حرام و شرک است" (تنقید صہ ۴۹)

ہم گذشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں کہ مطلقاً تقرب وجہ شرک و حرمت نہیں ہے۔ بلکہ تقرب علی وجہ العبادۃ موجب شرک و حرمت ہے. کما حققہ الشامیؒ اس لئے اس فتویٰ کے پیش کرنے سے مولوی سرفراز صاحب کو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہُوا۔ ثانیاً یہ کہ اسی فتاویٰ عزیزیہ میں شاہ عبد العزیز صاحبؒ ارقام

فرماتے ہیں :-

فمتی کان اراقۃ الدم للتقرب الی غیر اللہ حرمت الذبیحۃ ومتی کان اراقۃ الدم للہ والتقرب الی الغیر بالاکل والانتفاع حلت الذبیحۃ (فتاوٰی عزیزی ص۴۷ ج ۱)

اور جب خون بہانا تقرب لغیر اللہ کیلئے ہو تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا اور جب خون بہانا اللہ تعالٰے کیلئے اور تقرب الی الغیر کھانے کے ساتھ یا اس سے نفع حاصل کرنے کیلئے ہو تو ذبیحہ حلال ہو جائیگا :-

دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحب نے حرمت کا مدار مطلقاً تقرب الی الغیر پر نہیں رکھا۔ ورنہ نفع حاصل کرنے کے لئے بھی تقرب الی الغیر حرام ہوتا۔ حالانکہ اس کو شاہ صاحب نے حلال قرار دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک جو تقرب للغیر حرام ہے۔ وہ تقرب علی وجہ العبادت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مذکورہ بالا قواعد پر تفریع بٹھاتے ہوئے اسی صفحہ پر شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

وعلی ھذا قلنا لو اشتری لحما من السوق او ذبح بقرۃ او شاۃ لاجل ان یطبخ مرقا وطعاما لیطعم الفقراء ویجعل ثوابھا لروح فلان حلت بلا شبھۃ (فتاوٰی عزیزیہ ص۴۷ ج ۱)

کسی شخص نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے ذبح کی یا بکری تاکہ اس کا کھانا تیار کرے اور فقراء کو کھلا کر اس کا ثواب کسی روح کو پہنچا دے۔ تو یہ بلا شبہ جائز ہے۔

علاوہ ازیں اس باب میں شاہ صاحب کی جملہ عبارات کی مزید توضیح ہم اس کتاب کے چھٹے باب میں پیش کر رہے ہیں۔ جس کے سامنے آجانے کے بعد انشاء اللہ العزیز مخالفین پر ظاہر ہو جائے گا۔ کہ شاہ صاحب کی عبارتوں میں ان کے مذموم مسلک کے اثبات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے :-

گیارہویں کے ایصال ثواب پر مولوی سرفراز صاحب کا دوسرا سوال

تنقید ص ۴۹ پر یہ ہے کہ — " بلاشبہ نفس ایصالِ ثواب صحیح ہے۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ مالی قسم کے صدقہ میں جملہ ائمہ فتویٰ متفق ہیں لیکن یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ ایصالِ ثواب کیلئے پوری امت میں سے صرف حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے۔ کیا یہ ایصالِ ثواب کسی اور کو راس نہیں آتا۔"

آگے چل کر لکھا۔ " عوام الناس اپنے ماں باپ اور دیگر لواحقین کو گیارہویں کی شکل میں ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے۔ جن میں سے کسی کی نمازیں کسی کے روزے اور کسی کی دیگر نیکیاں چھوٹ گئی ہونگی اور اغلب ہے کہ بہت سے گناہ کئے ہونگے۔ عجیب بات ہے کہ محتاجوں کو تو ایصالِ ثواب نہ کیا جائے اور جو دریا میں ڈوبے ہوئے شخص کی طرح اپنے وارثوں کے صدقات وخیرات اور دعاؤں کے منتظر رہتے ہیں۔ اور اُس بزرگ کو ایصالِ ثواب کیا جائے جو بفضلہٖ تعالیٰ نیکیوں سے مالا مال ہو۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سرفراز صاحب کو امتِ مسلمہ کا بڑا درد ہے۔ اور وہ اس بات کے بیحد آرزومند ہیں۔ کہ لوگ اپنے ماں باپ کیلئے ایصالِ ثواب کیا کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بناوٹی رونا دھونا اور گلسرین کے آنسو ہیں۔ کیونکہ اہلِ سنت کا یہ مسلک نہیں ہے کہ ایصالِ ثواب صرف گیارہویں کی شکل میں ہو اور یہ شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص ہو۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں فرمایا مسئلہ گیارہویں۔ تیجہ۔ چالیسواں وغیرہ بھی سب مما رزقنٰھم ینفقون میں داخل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ فاتحہ۔ تیجہ اور چالیسواں یہ سب عام لوگوں کے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ایصالِ ثواب کے ذرائع ہیں۔ فاتحہ سے

علی اطلاق ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ تیجہ کے ذریعے میت کو تیسرے دن ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور چہلم کے ذریعہ چالیسویں دن میت کو اہداءِ ثواب کیا جاتا ہے پس ظاہر ہو گیا کہ مولوی سرفراز صاحب کا یہ دعوٰی کرنا کہ اہلِ سنت دجماعت نے ایصالِ ثواب کو گیارہویں میں بند کر دیا ہے۔ باطل اور بے بنیاد ہے۔ اور اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب کا یہ ہرگز منشا نہیں کہ ایصالِ ثواب گیارہویں کے ساتھ خاص کرنیکی بجائے عام اموات کو بھی کیا جائے کیونکہ اُنہوں نے جس طرح گیارہویں پر بدعت کا فتوٰی لگایا ہے۔ اسی طرح سے فاتحہ۔ تیجہ اور چہلم ان میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"تیجہ اور چالیسواں وغیرہ بدعت مکروہ اور مذموم حرکتیں ہیں" (تنقید صہ ۵۸) پس ظاہر ہو گیا کہ شیخ جیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کیلئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے۔ اور عام اموات کیلئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مکروہ و بدعت سے خالی نہیں۔ تو پھر بتلائیے۔ وہ کونسا ایصالِ ثواب ہے جسے آپ بلا شبہ جائز اور صحیح قرار دیتے ہیں اور جس پر تمام ائمہ فتوے متفق ہیں۔ ممکن ہے اس کے جواب میں مولوی سرفراز صاحب یہ کہیں کہ بغیر تعیینِ یوم کے ایصالِ ثواب کیا جائے تو جائز ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ذرا ہمیں بھی اس طریقہ پر مطلع کر دیں۔ کہ بغیر تعیین کے کسی شئی کا کس طرح تحقیق ہو جاتا ہے:۔

مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا بھی قطعاً باطل و مردود ہے۔ کہ ایسے بزرگ کے ایصالِ ثواب سے کیا حاصل جو نیکیوں سے مالا مال ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر تو کجا۔ نیکیوں میں آپ کے برابر بھی کسی شخص کا ہونا محال ہے۔ حالانکہ مشکوٰۃ شریف صہ ۱۲۸ پر ہے:۔

عن حنش قال رأیت علیا یضحی بکبشین فقلت له ما هذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه (رواہ ابوداؤد ر وی الترمذی عنہ)

حضرت حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا۔ اس کا کیا سبب ہے تو حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں۔ پس میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔

اَب بتلایئے سرفراز صاحب کیا نبی علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ وہ نیکیوں سے مالامال ہیں۔ پھر آپ نے چن کر اپنے آپ کو کیوں قربانی کے ایصال ثواب کے ساتھ خاص کر لیا۔ امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت فرمائی۔

انفاس العارفین ص ۴۲ پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

مے فرمودند در ایامِ وفات حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چیزے فتوح نہ شد کہ نیاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طعام پختہ شود قدرے نخود بریاں و قند سیاہ نیاز کردم شب در واقعہ دیدم کہ انواع طعام بحضورِ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض مے دارند و درمیانِ آن نخود و قند نیز معروض داشتہ۔ بہ نہایت ابتہاج و بشاشت اقبال فرمودند و آں را طلبیدند و چیزے ازاں تناول کردند

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام وصال میں ان کے پاس آپ کی نیاز دینے کیلئے کوئی چیز میسر نہ تھی۔ آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انواع واقسام کے طعام حاضر ہیں اور اُن کے درمیان وہ گڑ اور چنے بھی رکھے ہیں۔ آپ نے کمال مسرت و التفات فرمایا۔ اور اُنہیں طلب فرمایا اور کچھ آپ نے تناول فرمایا۔ اور

وباقی در اصحاب قسمت فرمودند۔	کچھ آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔

دیکھئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے والد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اب آپ یہ سوال اُن سے کیجئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ثواب سے مالا مال ہیں، شاہ صاحب دوسروں کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے۔ کاش ان نادانوں کی عقل میں یہ بات آسکتی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر مقربینِ حق کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب اس لئے نہیں کیا جاتا کہ اُنہیں ہمارے اہداء ثواب کی احتیاج ہے اور اُنہیں ہم سے کسی فائدہ کی خواہش ہے۔ بلکہ اُنہیں ایصالِ ثواب کرنے کی خود ہمیں حاجت ہے تاکہ انکے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم ہو جائے۔ اور ممکن ہے میدانِ محشر میں یہی تعلق اور نسبت کام آجائے۔ اور ہم مقربینِ حق کی شفاعت سے بہرہ مند ہو جائیں۔ مقربانِ حق سے عناد رکھنے والے اور ان کی تنقیص کی فکر میں رہنے والے اللہ تعالیٰ کی یہ وعید کیوں بھول جاتے ہیں۔

من عادلی ولیًا فقد اٰذنتہٗ بالحرب (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷)	جو میرے ولی سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہے میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

سوئم سوئم کو بدعت قرار دینے کے لئے سرفراز صاحب نے فتاویٰ رضویہ سے اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پیش کی ہے۔ ہم وہ عبارت قارئین کی عدالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اعلحضرت فرماتے ہیں۔

"شریعت میں ثواب پہنچانا ہے۔ دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعیین عرفی ہے۔ جب چاہیں کریں۔ انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ وبدعت"

اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ حیرت اور تأسف کی بات ہے۔ کہ

کہ جس چیز کو فریق مخالف کے اعلحضرت بھی بدعت کہتے ہوں۔ وہ قرآنی حکم کی تفسیر کیسے بن سکتی ہے۔ (تنقید ص ۵۹)

مولوی سرفراز صاحب کو یا تو پتہ نہیں چلا۔ یا جان بوجھکر جاہل بنے ہیں اعلحضرت تو تعیین ضروری جاننے کو بدعت فرما رہے ہیں۔ جو کہ تعیین شرعی ہے۔ اور تعیین عرفی کو جائز فرما رہے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ وجوب تعیین کے اعتقاد کے بغیر سوئم جائز ہے یا نہیں۔ اور بحمداللہ سرفراز صاحب اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں لا سکے۔ خود اعلحضرت قدس سرہ العزیز کا اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "الحجۃ الفاتحہ" چھپ چکا ہے۔ جس میں اکابر وہابیہ اور دیابنہ کی عبارتوں سے جواز چہلم سوئم اور عرس پر استدلال کیا گیا ہے۔ سرفراز صاحب میں اگر جرأت اور ہمت تھی تو ان عبارتوں کا جواب دیتے۔ لیکن مار کھا کر بسورنا ان لوگوں کی پرانی عادت ہے بہرحال رونے دھونے سے آپ پر رحم تو آسکتا ہے۔ لیکن دعویٰ تو دلائل سے ہی ثابت ہوگا۔ اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے۔ کہ موت کے تیسرے روز ضیافت کرنا مکروہ ہے بیشک ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے اور یہ تو غم اور سوگ کا موقعہ ہے۔ لیکن یہ اُن کو کون سمجھائے کہ سوئم میں قلُ فاتحہ اور طعام کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ اور ایصال ثواب کو اصولی طور پر آپ بھی مانتے ہیں۔ کہ بلاشبہ نفس ایصال ثواب جائز اور صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اور مالی قسم کے صدقات میں جملہ آئمہ فتوےٰ متفق ہے۔ لیکن یہ نفس ایصال ثواب اسی وقت خارج میں متحقق ہوگا جب کسی قید کے ضمن میں ہوگا۔ یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے

روز اور اگر شئی من حیث ھو ھو کا خارج میں تحقیق بدون کسی فرد کے متصور ہے۔ تو برائے کرم اس منطق سے ہم کو بھی مطلع کریں۔ اور اگر آپ نے ایصال ثواب کو محض لحاظ عقلی اور مرتبہ حصول میں مانا ہے۔ تو چلئے آپ اسی پر کوئی صریح حدیث پیش کر دیجیے۔ چشم ماروشن و دل ماشاد۔ اب ہم مسئلہ ایصال ثواب پر ایک مختصر سی گفتگو کرتے ہیں۔

مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں

ایصال ثواب اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ اور معتزلہ چونکہ حیات الاموات کے منکر ہیں۔ اسلئے وہ ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ کو متکلمین نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے۔

شرح عقائد نسفی صـ۲۵۲ پر ہے:۔

وفی دعاء الاحیاء للاموات و صدقتھم ای صدقۃ الاحیاء عنھم۔ نفع لھم ای للاموات خلافا للمعتزلۃ

زندہ لوگ جو وصال شدہ حضرات کیلئے دعا مانگتے ہیں اور انکی طرف سے صدقات کرتے ہیں اس کا وصال شدہ لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور معتزلہ کا اسمیں خلاف ہے۔

اور مشکوٰۃ شریف صـ۱۶۹ پر ہے:۔

عن سعد ابن عبادۃ یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بیراً وقال ھٰذہ لام سعد۔

سعد ابن عبادۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ سعد کی ماں کا انتقال ہوگیا پس کون صدقہ بہتر ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پانی۔ پس سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھودا اور فرمایا۔ کہ یہ سعد کی ماں کا کنواں ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ مسئلہ ایصال ثواب کی تحقیق میں " اشعۃ اللمعات ص۶۹ ج ۲ پر فرماتے ہیں ۔

ومذہب اہلِ حق کہ اہل سنت و جماعت اند این ست وور عبادات بدنیہ اختلاف دارند مثل نماز و تلاوت قرآن ومختار وصول ثواب است و امام عبداللہ یافعی در روضۃ الریاحین مے گوید کہ شیخ اجل اکرم عزالدین عبدالسلام رابعد از وفات او در خواب دیدند کہ گفت ما در دنیا حکم میکردیم بعدم وصول ثواب تلاوت قرآن ودریں عالم برخلاف آن یافتیم ۔

مذہب حق جو کہ اہل سنت وجماعت ہے یہی ہے کہ مالی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے اور عبادات بدنیہ میں اختلاف ہے مثل نماز اور تلاوت قرآن کے اور مختار یہ ہے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور امام عبداللہ یافعیؒ روضۃ الریاحین میں فرماتے ہیں کہ شیخ عزالدین کو کسی نے خواب میں دیکھا ۔ وہ فرماتے تھے کہ میں دنیا میں کہتا تھا کہ تلاوت قرآن کا ثواب نہیں پہنچتا اور اب اس کے خلاف پاتا ہوں ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ مسائل اربعین ص۳۳ پر فرماتے ہیں

نزد علمائے حنفیہ ثواب عبادت بدنی ومالی بر میت مے رسد ۔ چنانچہ در ہدایہ مرقوم است

علمائے حنفیہ کے نزدیک عبادت مالی اور بدنی دونوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں مرقوم ہے کہ ۔

ان الانسان لہٗ ان یجعل ثواب عملہٖ لغیرہٖ صلوٰۃً اوصوماً او صدقۃ اوغیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ و فی شرح الصدور للسیوطی ۔

بلاریب اہل سنت کے نزدیک انسان کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو پہنچا دے ۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اسکے سواء ۔ اور شرح الصدور میں ہے ۔

اخرج الطبرانی فی الاوسط
عن انس رضی الله عنهُ قال سمعت
رسول الله صلی الله علیه وسلّم
یقول ما من اهل میت یموت
منهم میّت فیتصدقون عنهُ
بعد موته الّا اهداله جبرائیل علی
طبقٍ مِن نورٍ ثم یقف علی شفیر
القبر فیقول یا صاحب القبر العمیق
هٰذہ هدیة اهداها الیك
فاقبلها فتدخل علیه فیفرح
بها ویستبشر و یحزن جیرانهٗ
الذین لا یهدی الیهم شیئًا فیه
عن ابی هریرة رضی الله عنه
قال قال رسول الله صلی الله علیه
وسلّم ان الله تعالی یرفع الدرجة
للعبد الصالح فی الجنة فیقول
یارب انی لی هذه فیقول
باستغفار ولدك

کہ طبرانی نے اوسط میں اخراج کیا۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کسی گھر
سے کوئی شخص نہیں مرتا پھر اس کے گھر والے
اسکی طرف سے صدقہ کریں۔ مگر اس صدقہ کو
جبریل ایک نورانی طبق میں رکھتا ہے پھر
برلب قبر کھڑا ہو کر کہتا ہے اے صاحب
قبر عمیق یہ ہدیہ ہے۔ جسے تیرے اہلِ خانہ
نے پیش کیا ہے اسکو قبول کر لے پس وہ
ہدیہ اس میت پر پیش ہوتا ہے پس وہ
متوفی اس سے مسرور ہوتا ہے اور اُسکے
وہ ہمسائے غمگین ہوتے ہیں جنکی طرف کسی نے
ہدیہ نہیں بھیجا اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ
تعالی عبد صالح کا درجہ جنت میں بلند فرماتا ہے
پس وہ بندہ کہتا ہے کہ اے رب یہ مرتبہ کہاں
سے ظاہر ہوا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ کہ
تیری اولاد کی دعا کی وجہ سے۔

ایصالِ ثواب میں تعیین کی توضیح

گذشتہ سطور میں ہم نفس ایصالِ ثواب کا شرعی ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ جس کا اقرار بظاہر سرفراز صاحب نے بھی کیا ہے۔ اب ما بہ النزاع امر یہ رہ گیا ہے کہ سوئم۔ گیارہویں اور عرس وغیرہ کی معین تاریخوں میں بھی ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں۔ پس ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ کیونکہ دلائل شرعیہ سے ایصالِ ثواب کے حکم کلی کا جواز ثابت ہے۔ اور ایسا غوجی کے طالب العلم سے بھی یہ امر مخفی نہیں ہے۔ کہ کلی اپنے افراد کے ضمن میں پائی جاتی بس سوئم چہلم۔ عرس اور گیارہویں وغیرہ ایصالِ ثواب کے افراد ہیں۔ اور جس طرح کلی کا بغیر افراد کے پایا جانا باطل ہے۔ اسی طرح نفس ایصالِ ثواب کا بغیر کسی معین دن کے پایا جانا باطل ہے۔

سرفراز صاحب نے اعلحضرت اور دوسرے فقہائے کرام کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ تعیین بدعت ہے۔ گذارش ہے کہ مطلق تعیین بدعت نہیں ہے بلکہ تعیین شرعی بدعت ہے۔ یعنی کوئی شخص یوں اعتقاد کرے کہ اگر گیارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا گیا تو صحیح ہے۔ اور اگر بارہ تاریخ کو کیا گیا تو حرام ہے اور ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو فرض یا واجب سمجھے تو تعیین یقیناً بدعت سیئہ اور باطل محض ہے۔

اور اگر آپ کو ہماری اس تحقیق کے ماننے سے تامل ہو تو لیجئے ہم آپ کے پیر روشن ضمیر کی زبان سے کہلوائے دیتے ہیں دیکھئے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ فیصلہ ہفت مسئلہ ص۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"نفس ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا فرض و واجب اعتقاد کرے

تو ممنوع ہے۔ اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیئت کذائیہ ہے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ جیسا بمصلحت نماز میں سورۃ خاص معین کرنے کو فقہا و محققین نے جائز رکھا ہے"۔

اہلِ سنّت ان عرفی تاریخوں کو فرض یا واجب اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں کو حرام نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی ایصال ثواب کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ سرفراز صاحب کو بھی طوعاً و کرہاً اس کا اقرار کرنا پڑا۔ لہٰذا تنقید متین ص۵ پر لکھتے ہیں۔

"اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ حیلہ شروع کر دیا۔ کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منا لیتے ہیں۔ اور کسی دوسری جگہ بارہویں تیرھویں کو"۔

گیارھویں کو حرام کہنا بدعت ہے

اس عبارت سے بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نزدیک عرفی تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنا واجب اور ان کے غیر میں ایصالِ ثواب حرام نہیں ہے اور ہم مطلق شرعی کو اس کے اطلاق پر رکھتے ہیں لیکن سرفراز صاحب۔ آپ اور آپ کی پوری جماعت خدا و رسول کے سامنے یقیناً جواب دِہ ہو گی کہ آپ نے ان معین تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دے کر شرعی اطلاق کو باطل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں ہر دن ایصال ثواب جائز ہے۔ لیکن آپ اور آپ کی جماعت نے سوئم ہفتم، چہلم، گیارہویں اور عرس کے ایام میں ایصالِ ثواب کو حرام کر کے رسول اللہ کی تغلیط کی ہے عافانا اللہ تعالیٰ من ذالک۔

نیز جب آپ نے تیجا۔ ساتواں۔ دسواں۔ گیارہویں۔ بارہویں چہلم۔ عرس

کی معین تاریخوں میں ایصال ثواب کو حرام قرار دیا۔ اور باقی ایام میں ایصال ثواب جائز رکھا۔ تو پھر باقی ایام ایصال ثواب کیلئے آپ نے معین کر دیئے۔ سال کے تین سو پینسٹھ ۳۶۵ دنوں میں سے اگر ہم پر سات دنوں کی تعیین کا اعتراض تھا تو آپ پر تو تین سو اٹھاون دنوں کی تعیین کا اعتراض ہے۔ اور دوسرا اعتراض یہ ہے۔ کہ ان سات دنوں کو آپ نے ایصال ثواب کی تحریم کیلئے معین کر لیا اور یہ کوئی تعیین عرفی نہیں جس سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔ یہ تعیین شرعی ہے۔ کیونکہ آپ کہتے ہیں کہ ان معین دنوں میں ایصال ثواب کرنا شرعًا حرام ہے۔ بتلایئے اس شرعی حرمت اور تعیین شرعی پر آپ کے پاس کونسی صحیح اور صریح دلیل ہے۔ بے شک سرفراز صاحب تعیین بدعت ہے۔ آپ نے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے تین سو اٹھاون دنوں کو ایصال ثواب کے جواز کے لئے معین کر لیا۔ اور سات دنوں کو حرمت کیلئے معین کر لیا۔ اور یہ تعیین بہر حال تعیین شرعی ہے۔ اور تعیین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو کلام نہیں سرفراز صاحب ذرا ہوش میں آکر جواب دیجئے۔ کہ تعیین شرعی اہلسنت بریلویوں کی بدعت ہے یا وہابی دیوبندیوں کی ؎

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

تعیین عرفی

گذشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ سوئم، چہلم اور عرس وغیرہ ایصال ثواب کے حکم کلی کے افراد ہیں اور ان تاریخوں کی تعیین شرعی نہیں۔ عرفی ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے شارع نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم مطلق ہے۔ ظہر کی نماز اپنے پورے وقت میں سے جس وقت بھی پڑھ لی جائے۔ ادا ہو جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود مساجد میں ادائیگی کا وقت معین کر دیا جاتا ہے۔ کہیں ظہر ڈیڑھ بجے ہوتی ہے اور کہیں

دو بجے اور کہیں ڈھائی بجے۔ لیکن یہ تعین عرفی ہوتی ہے اور اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ ان معین اوقات کے علاوہ اگر پہلے یا بعد نماز ادا کی گئی تو نماز ناجائز ہوگی۔ اسی طرح سوئم۔ چہلم وغیرہ کا معاملہ ان ایام کی تعیین عرفی ہے۔ اور ان ایام کے پہلے یا بعد بھی ایصال ثواب جائز ہے۔

تعیین عرفی کی ترجیح

اگرچہ ایصال ثواب کرنا ہر دن جائز ہے لیکن چونکہ لوگوں میں تیسرے چالیسویں اور سالانہ عرس کی رسم پڑچکی ہے۔ اسلئے اموات کو ان ایام میں اپنے اقرباء کے اہداء اور ایصال کا انتظار رہتا ہے پس رفع انتظار کیلئے ان ایام میں ایصال ثواب کرنا باقی ایام کی نسبت راجح قرار پائے گا۔ دیکھئے تفسیر عزیزی ص ۱۱۲ پ ۳۰ میں شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

و مدد زندگان بمردگان دریں حالت زودتر میرسد و مردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف مے باشند چناں گماں مے برند کہ ہنوز زندہ ایم الی ان قال و صدقات و ادعیہ فاتحہ دریں وقت بسیار کار آمد آید و ازینجا است کہ طوائف بنی آدم تا یکسال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام مے نمایند۔	عالم برزخ میں زندوں کی مدد اموات کو بہت جلد پہنچتی ہے اور اموات کو زندوں کی مدد کا انتظار رہتا ہے اور اور وہ یوں سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور صدقات فاتحہ دعائیں اسوقت بہت کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے لوگ ایک سال تک اور بالخصوص چالیس دن تک اسی قسم کی مدد کرتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تعیین عرفی کی ترجیح پر مبتدعین دیوبند کے مسلم شیخ حاجی امداد اللہ کا کلام

بھی ہدیہ ناظرین کیا جائے تاکہ شریعت و طریقت ہر دو طرق سے عرفی تعیین کا رجحان واضح ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیے حاجی صاحبؒ فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"رہا تعیین تاریخ! یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو (یعنی کسی معین وقت میں اس کام کو کرنا معمول بن چکا ہو۔ سعیدی غفرلہٗ) اس وقت وہ یاد آجاتا ہے۔ اور ضرور آتا رہتا ہے اور نہیں، تو سالہا سال گذر جاتے ہیں۔ کبھی خیال بھی نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہین آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے"

کاش سرفراز صاحب بھی غور کر کے سمجھ جائیں۔ ورنہ ہم تو ان کی ذہانت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ شاہ ولی اللہ ہمعات ص ۵۸ پر فرماتے ہیں۔

از ینجا ست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت قبور ایشاں و التزام فاتحہ خواندن و صدقہ دادن برائے ایشاں

اور اسی ضمن میں بزرگوں کی عرسوں کی محافظت کرنا ہے اور انکی قبروں پر ہمیشہ جاتے رہنا اور ان کیلئے فاتحہ کو لازم کرنا اور ان کیلئے صدقہ دینا ہے۔

اب دیکھئے ذہین آدمی سمجھ جائیگا۔ کہ شاہ ولی اللہ جو مشائخ کے اعراس کی حفظ کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ یہ حفاظت اسی صورت میں ہو سکے گی۔ جب عرس کیلئے ایک تاریخ معین ہو جائے۔ لوگ اس میں شریک ہوں۔ فاتحہ پڑھیں اور صدقات کا ایصال ثواب کریں۔ اور اگر تاریخ معین نہ ہوتی تو کسی کو کیا معلوم کہ عرس کب ہوا کب نہ ہوا پس لوگ نہ وہاں جائیں گے نہ عرس ہو گا۔

معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک بھی عرفی تاریخوں کی تعیین راجح ہے

مگر یہ باریک بینی سرفراز صاحب کے بس کا روگ نہیں۔ اسلئے ہم انکی خدمت میں شاہ رفیع الدین صاحب کا ایک فتوٰی پیش کرتے ہیں جس میں صاف الفاظ میں اس ترجیح کو بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ فتاوٰی شاہ رفیع الدین ص۱۴۱

پر ہے۔ در حدیث است کہ۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ یہود عرض کردند در حضور جناب نبوت کہ حق تعالٰے نصرت حضرت موسٰی و غرق فرعون دریں روز کردہ است برائے شکرانہ او روزہ میگیریم۔ جناب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند۔ انا احق ممن وفا بذمتہ الی موسٰی۔ فصام یوم عاشورا وامر الناس بصیامہ و نیز حضرت بلال را وصیت فرمودند بصوم روز دوشنبہ و فرمودند فیہ ولدت و فیہ انزل علی و فیہ ہاجرت و فیہ اموت بنا بریں یاد کردن تاریخ وآں ماہ رسم مردم افتاد و اگرچہ فی الحقیقت یاد داشتن آں روز فائدہ ندانست زیرا کہ وقت تصدق و دعا ہمیشہ است لیکن چوں مردماں ازیں چناں محافظت ایں رسم گذشتہ اند ایشاں را انتظار

حدیث میں ہے کہ یہود نے جناب نبوت میں ۔۔۔۔ عرض کیا کہ اللہ تعالٰے نے حضرت موسٰی علیہ السلام کی مدد اور غرق فرعون یوم عاشورہ کو کیا۔ اسلئے ہم اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم حق موسٰی علیہ السلام کو ادا کرنے کے زیادہ حق دار ہیں پس آپنے عاشورہ کا خود روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم فرمایا اور نیز حضرت بلال کو پیر کا روزہ رکھنے کی وصیّت کی۔ اور فرمایا کہ میں اسدن پیدا ہوا اور اس دن میں مجھ پر قرآن نازل ہوا اور اسی دن میں نے ہجرت کی اور اسی دن مجھے وفات ہوگئی بنابریں تاریخ و ماہ و سال کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑ گئی ہے اگرچہ حقیقت میں اسدن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ کیونکہ وقت تصدق اور دعا ہمیشہ ہے۔ لیکن جب لوگ ان خاص

بر لبسوئے والدین یا اقارب مے باشد رفع انتظار ایشاں فائدہ است معتد بہ و معاملات مکاشفہ دریافت شدہ کہ در چنیں روز اجتماع ارواح دوستاں در برزخ مے شود پس امداد بدعا و ختم و اطعام بدعت مباح است وجہ قبیح ندارد۔

ایام میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں تو اُن کے فوت شدہ اقارب کو ان خاص دنوں میں وصول ثواب کا انتظار رہتا ہے اور کشف سے ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے ایام میں ارواح مجتمع ہوتی ہیں پس ختم دعا اور کھانا کھلانے کے ثواب سے انکی امداد کرنا بدعت مباحہ ہے اور اسمیں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے

بحمد اللہ تعالٰے ہم نے شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین اور حاجی امداد اللہ کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ عرفی تعیین رائج ہے اور اول الذکر تین حضرات ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عبارات سے سرفراز صاحب نے تنقید میں استدلال اور استشہاد کیا ہے اور مؤخر الذکر تمام مبتدعین دیوبند کے متفق علیہ پیر اور مسلم شیخ ہیں۔ اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو تعیین یوم کو مباح مان کر عرس، سوئم اور چہلم کو جائز مان لیجئے یا پھر ان تمام حضرات کو بدعتی اور مشرک قرار دے کر جہنم میں پہنچا دیجئے۔

شاہ عبد العزیز صاحب کی تعیین یوم پر تصریح

اس مسئلہ کی توضیح مزید کیلئے ہم فتاوٰی عزیزیہ صفحہ ۳۸ جلد ۱ سے ایک استفتاء ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

سوال۔ تعیین و تقرر یک روز بعد سالے بنابر زیارت قبور بزرگان جائز است یا نہ

سوال۔ سال کے بعد ایک دن کو زیارت قبور کیلئے معین کر لینا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ رفتن بر قبور بعد سالے

جواب۔ سال کے بعد ایک دن معین

یک روز معین کردہ سہ صورت است
اول - آنکہ یک روز معین نمودہ یک
شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ
مردمان کثیر بر قبور محض بنا بر زیارت و
واستغفار بروند این قدر از روئے روایات
ثابت است و در تفسیر درمنثور نقل نمودہ
کہ ہر سر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بر مقابر میرفتند و دعا برائے مغفرت
اہل قبور مے نمودند۔ این قدر ثابت و
مستحب است

دوم - آنکہ ہیئت اجتماعیہ مردمان
کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و
فاتحہ بر شرینی یا طعام نمودہ تقسیم
درمیان حاضران نمایند این قسم معمول در
زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود
اگر کسے این طور بکند باک نیست۔
زیرا کہ درین قسم قبح نیست بلکہ فائدہ
احیاء و اموات را حاصل مے شود

سوم - طور جمع شدن بر قبور انیست،
کہ مردمان یکروز معین نمودہ ولباسہائے
فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روز عید

کر کے قبر پر جانے کی کئی صورتیں ہیں۔

اوّل - ایک یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماع
کے قبر پر جائیں اور زیارت اور دعائے
وغیرہ کریں۔ اور یہ از روئے روایات
ثابت ہے۔ تفسیر درمنثور میں نقل ہے
کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
مقابر میں اہل قبور کی دعا کے لئے
تشریف لے جاتے تھے۔

(تفسیر رازی صفحہ ۲۰ جلد ۵ پر بھی اس
قسم کی روایات موجود ہے۔ سعیدی)

دوم - ہیئت اجتماعیہ سے کثیر
لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں۔ اور
شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں
حاضرین کے درمیان تقسیم کریں۔ یہ
قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ اقدس اور عہد خلفاء راشدین میں
معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی اس طرح کرے
تو حرج نہیں کیونکہ ہمیں کوئی قباحت نہیں ہے۔

سوم - لباس فاخرہ پہن کر عید
کی طرح شاداں و فرحاں قبر پر ایک
معین دن جمع ہوں۔ اور قبر پر

شادماں شدہ بر قبرہا جمع میشوند رقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود برائے قبور و طواف کردن قبور مے نمایند ایں قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے بحد کفر میرسند و ہمیں است محل ایں دو حدیث و لا تجعلوا قبری عیدا چنانچہ در مشکوٰۃ شریف موجود است۔ و اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد ایں ہم در مشکوٰۃ است۔

رقص و سرود کی محفل سجائیں اور قبر پر سجدہ و طواف کریں۔ یہ قسم حرام و ممنوع ہے۔ بلکہ حد کفر تک پہنچتی ہے۔ اور یہی اِن دو حدیثوں کا محل ہے۔ جن میں ہے ولا تجعلوا قبری عیدا" اور اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد"۔

دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہیں۔

شاہ صاحب کے اس تفصیلی جواب سے ظاہر ہوا کہ عرس کے لئے دن معین کر کے ایصال ثواب کرنا، طعام و شیرینی پر فاتحہ پڑھنا، ختم قرآن کرنا یہ سب جائز ہیں۔ اور مدار حرمت قبر کے لئے سجدہ و طواف کرنا اور رقص و سرود کا ارتکاب ہے۔ نہ کہ تعیین یوم۔ ممکن ہے سرفراز صاحب کی آنکھیں کھل گئی ہوں۔ اور اب بھی اگر بدعت کا بھوت نہ اُترا ہو تو ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔

فتاویٰ عزیزی ص۴۵ ج ۱ پر شاہ صاحب کے ایک معاصر کا ان پر ایک اعتراض مندرج ہے۔ جو انہوں نے شاہ صاحب کے سال بسال عرس کرنے پر وارد کیا ہے۔

و عرس بزرگاں خود بر خود مثل فرض دانستہ سال بسال بر مقبرہ اجتماع

انہوں نے اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ سال کے سال مقابر پر

کردہ طعام وشیرینی در آنجا بردہ تقسیم نمودہ مقابر را وثنائے عبادمے کنند

جاتے ہیں. طعام و شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور بندے کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں۔

اب آپ اس سوال کا جواب شاہ صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

ایں طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر فرائض شرعیہ را ہیچ کس فرض نمی داند آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں باہدائے ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز مذکر انتقال ایشاں مے باشد از دار العمل بدار الثواب (فتاوٰی عزیزی ص۴۹ ج۱)

یہ طعن ہمارے حال سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ غیر فرائض شرعیہ کو کوئی شخص بھی فرض نہیں جانتا۔ ہاں قبور صالحین کی زیارت اور اُن سے برکت حاصل کرنا اور ثواب سے اُنکی امداد کرنا اور تلاوت قرآن و دعائے خیر کرنا اور کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا باجماع علماء امر مستحسن اور خوب ہے اور روز عرس کی تعیین اسلئے ہے کہ اُسی دن انکا وصال ہوا اور یہ دن انکے وصال کی یاد دلاتا ہے

شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عبارت سے کئی فوائد حاصل ہوئے

اولاً شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر سال تاریخ معینہ پر اپنے والد کا عُرس کیا کرتے تھے۔ اہلسنت علمائے بریلی کو تو آپ ہمیشہ کوستے رہتے ہیں کہ یہ تعین تاریخ پر سوئم، چہلم، عرس، گیارہویں وغیرہ کرتے ہیں۔ اور تعیین بدعت ہے اور کل بدعت ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ اب اپنے مسلم شیخ و مرشد کے بارے میں کیا فتویٰ ہے کیا انہیں بھی بدعتی قرار دیکر جہنم میں پہنچا دیں گے۔ اور اگر آپ کے مزعوم شیخ تعیین سے بدعتی نہیں ہوئے۔ تو آپ اہل سنت کو کیوں تعیین کی وجہ سے اہل بدعت کہتے ہیں۔ وجہ فرق بین ہو۔ ورنہ لوگوں کو آپ کی اصل میں شبہ پڑ جائیگا

کیونکہ اسرائیلی نسل ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایک کام کو اپنے احبار رہبان کیلئے جائز قرار دیتے۔ اور اسی کام کو جب مسلمان کرتے تو اسے غلط کہا کرتے تھے۔ پھر آپ ہی بتلائیے کہ ہم آپ کو کیا سمجھیں۔ ثانیاً اس عبارت سے مستفاد ہوا۔ کہ شاہ صاحب صالحین کے لئے ایصال ثواب کیا کرتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی عبارتوں پر تکیہ کرنے والے گکھڑوی کیلئے مقام عبرت ہے کہ وہ گیارہویں کو اسلئے حرام وغیرہ قرار دیتے ہیں کہ بڑے پیر تو ویسے ہی نیکیوں سے مالا مال ہیں۔ انہیں ایصال ثواب کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح صالحین تو ویسے ہی نیکیوں سے مالا مال ہیں۔ اب شاہ صاحبؒ سے پوچھئے۔ کہ وہ صالحین کے لئے ایصال ثواب کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں۔ ثالثاً۔ اس ہیئت مخصوصہ کے ساتھ عرس کیا۔ خیر القرون میں موجود تھا۔ اگر نہیں تھا تو پھر شاہ صاحبؒ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو آپ کے مسلمہ حرام کو حلال کئے جا رہے ہیں رابعاً علمائے اہل سنت کو تو آپ۔ اپنی روائتی سوءِ ظنی اور بدگمانی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ آڑ تو بظاہر مسئلہ کی ہے۔ مگر انتظام سب پیٹ کا ہے۔ اور عوام الناس کو وہ آئے دن بجائے دلائل وبراہین کے۔ چاولوں اور مٹھائیوں سے مطمئن کرتے رہتے ہیں''۔ (تنقید ص ۵۱)

اب شاہ صاحب کے بارے میں کیا کہئے گا۔ جو فرماتے ہیں ''تقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است'' اگر یہ مسئلہ واقعی پیٹ کے انتظام کیلئے ہے۔ تو گستاخی معاف اس کی بنیاد تو آپ کے حکمی باپ دادا نے رکھی ہے اور من سنّ فی الاسلام سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا وزر من عمل بھا کے فارمولے کے تحت ان امور کا وبال آپکے معنوی آبا کے قرطاس عمل کی رسوائی قرار پائے گا۔ اہلِ سنّت پر تبرا کرنے سے پہلے کاش آپ نے ایک نگاہ اپنے

اسلاف پرکی ہوتی۔

پیٹ کا منتظم کون ہے

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کھانے والے منہ نہیں دیکھے۔ یا پھر مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کاریگروں سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں، بہر حال اب وقت آگیا ہے کہ اس راز سے پردہ اُٹھا ہی دیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے فتاوٰے رشیدیہ میں ایک سوال درج ہے۔

سوال۔ ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں۔ ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاذ و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں

جواب۔ درست ہے۔ رشید احمد عفی عنہ (فتاوی رشیدیہ ص ۴۸۸ بحوالہ تنقید)

ہولی اور دیوالی معین تاریخوں میں منائی جاتی ہیں۔ اور اہل ہنود کے مذہب میں ان کا آگے پیچھے کرنا جائز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک گیارھویں کا کھانا تعیین کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ تو ہولی اور دیوالی کی پوریاں تعیین کی وجہ سے کس طرح جائز ہو جاتی ہیں نیز آپ کے قطب عالم نے سبیل کے شربت پر روافض کے شعار کے تشبہ کی وجہ سے حرمت کا فتویٰ لگایا ہے۔ تو گزارش ہے کہ جب کوئی حلال کھانا مسلمانوں کے ایک گمراہ فرقہ کے شعار سے محض تشبہ کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے تو جو طعام بجائے مشابہت کے خود کفار کا شعار ہو۔ اس کا کھانا کس طرح جائز ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں آپکے مفتی علی الاطلاق نے بغیر کسی دلیل اور شرعی شہادت کے اہل ہنود کے ہاتھ کا پکا ہوا کسی قید یا استثنا کے بغیر حلال کر دیا۔ مولوی گھڑوی صاحب نے حق فرزندی ادا کرتے ہوئے

مولوی گنگوہی صاحب کی وکالت میں لکھا کہ۔

"فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جو رقم کافر کے پاس ہو خواہ اُس نے شراب فروخت کی ہو یا سود لیا ہو۔ اور عام اس سے کہ اس نے خنزیر فروخت کر کے رقم حاصل کی۔ یا عصمت فروشی کے بعد رقم حاصل کی۔ جب وہ رقم مسلمان کے ہاتھ میں آجائیگی اور تبدیلِ ملک ہو جائے گا۔ تو وہ حلال وطیب ہو جائے گی۔"

سبحان اللہ کیا کہنے ہیں اس استدلال کے، اگر آپ کو کافر کتا اور خنزیر بھی پکا کر پیش کرے۔ تو تبدیلِ ملک کے بعد وہ بھی آپ کیلئے حلال اور طیب ہو جائیگا۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

پتہ نہیں مولوی سرفراز صاحب نے خود مغالطہ کھایا ہے یا لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔ کفار کی رقم حرام کی کمائی ہی سہی لیکن بنفسہا رقم کو تو نہیں چبایا جاتا۔ بلکہ اس سے خرید کر کوئی چیز کھائی جائے گی۔ بخلاف کافر کے ہاتھ سے پکی ہوئی چیز کے کہ اس کو خود کھایا جائیگا پس ان دونوں کا ایک حکم کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور اہلِ ہنود جن کا عام حال یہ ہے کہ وہ گائے کے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں۔ اس کے پینے کو سعادت جانتے ہیں۔ کتا اُن کے برتنوں کو چاٹتا رہتا ہے۔ خود دن رات انواع واقسام کی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ سے معین دن میں پکے ہوئے طعام کو بلا کسی قید و استثناء جائز قرار دینا مولوی رشید احمد گنگوہی جیسے فقیہہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اب پتہ چلا کہ مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کون ہیں اور اگر اب بھی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو تو ایک اور حوالہ بھی پیش خدمت

ہے۔ مکالمۃ الصدرین صنا پر مرقوم ہے کہ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی مولوی حفظ الرحمٰن صاحب کے جواب میں کہتے ہیں۔

"دیکھئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اسکو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا"

دیکھا آپ نے یہ ہے مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام۔ مولوی تھانوی اور عثمانی اپنے پیٹ کا انتظام بھی کرتے رہے اور شرعاً ماخوذ بھی نہ ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عثمانی اپنی اور تھانوی صاحب کی برأت میں خواہ کچھ کہتے رہیں۔ لیکن سوچنے والے ضرور سوچیں گے کہ حکومت برطانیہ آخر ان مولویوں کو اس قدر رقوم کیوں مہیا کرتی تھی اور دیوبندی کی چار دیواری میں ان سے وہ کونسا کام لیا جاتا تھا۔ جس کے لئے حکومت کو اتنی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔

امید ہے کہ آئینہ میں اس قدر واضح خدوخال دیکھنے کے بعد مولوی سرفراز صاحب کیلئے اب یہ حقیقت راز نہ رہی ہوگی۔ کہ کھانے پینے کا سیا کون ہے اور فقہی رعائتوں سے کس نے فائدہ اٹھایا ہے۔

ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفراز صاحب کی فاش غلطی

گیارہویں شریف کو خلافِ سنت اور بدعت قرار دینے کیلئے مولوی گکھڑوی صاحب نے ایک اور مذموم کوشش کی ہے چنانچہ تنقید صہ ۵۲ پر لکھتے۔ "کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہویں دینے کا حکم فرمایا ہے"

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کسی جزئیہ کے سنت ہونے کا مدار اس امر پر ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص اس جزئیہ کا حکم فرمایا ہو تو دنیا میں بے شمار جزئیات سنت ہونے سے رہ جائیں گے۔ مثلاً وعظ و تبلیغ کرنا سنت ہے۔ پس اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص مولوی سرفراز صاحب کو وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہے۔ تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے۔ ورنہ ثابت ہوا کہ مولوی گکھڑوی کا وعظ کرنا بدعت ہے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب نے دوسرا سوال یہ قائم کیا ہے کہ "ایصالِ ثواب کیلئے کیا کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے" (تنقید صہ ۵۲)

جواباً التماس ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد" ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت سوئم و چہلم وغیرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عام افرادِ امت کے لئے ہوتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ایصالِ ثواب کے لئے ایک ہی شخصیت کا انتخاب کر لیا ہے۔ اے صاحب۔ اگر آپ کے خیال میں اہلِ سنت صرف گیارہویں دیتے ہیں۔ تو تیجہ۔ چالیسواں اور عرس کا نام نہ لیجئے۔ اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اہلِ سنت سوئم وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ تو یہ نہ کہئے کہ سُنیوں نے ایصالِ ثواب کو صرف بڑے پیر کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ آپ ہی غور

کریں کہ آپ کے کلام میں کس قدر تناقض پایا جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سنت پر تبرّا کرتے وقت آپ کی عقل، ہوش وحواس سب ماؤف ہو گئے تھے۔ اور ہذیان کی شکل میں آپ اُلٹی سیدھی کہتے چلے گئے۔ یا لکھنے سے پہلے شمپئن کی بوتل چڑھالی تھی۔ اور نشہ میں دھت بے تکیاں ہانکتے چلے گئے۔ اس کے بعد پھر یوں گویا ہوئے کہ۔

"کسی کے ایصالِ ثواب کیلئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا گیا ہے۔ تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے اور پھر گیارہویں سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں" (تنقید ص۵۲)

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ آپ جو جمعہ میں خطبہ سے پہلے وعظ کرتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعیین کا حکم دیا ہے۔ اگر دیا گیا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے۔ تب یہ سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں، چلئے آپ کے جمعہ کا وعظ بھی بدعت ہو کر جہنم کی نذر ہو گیا۔ بلکہ نیت کا جو قاعدہ آپ نے باندھا ہے۔ اس سے تو خدا کے فضل سے آپ کا ہر وہ کام جسے آپ سنت سمجھ کر کرتے ہیں۔ بدعت قرار پائیگا۔ کیونکہ ہم کہیں گے کہ آپ کے اصول سے یہ سنت تب ہوگا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص اس کی تعیین کا حکم دیا ہو۔ ورنہ بدعت ہوگا۔ اور تعیین پر صحیح سند باحوالہ آپ لا نہیں سکتے۔ لہذا سر سے پاؤں تک بدعت آپ کا احاطہ کرلے گی۔ اور ابتدا سے انتہا تک آپ کا ہر عمل بدعت کی زد میں آجائیگا۔ اور پھر آپ کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ یہ آپ سوچیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

شاطبی کی عبارت کی وضاحت

مولوی سرفراز صاحب نے اپنی بے سمجھی اور نادانی سے تعیین کو بدعت قرار دینے پر علامہ شاطبی کی ایک عبارت پیش کی ہے ہم اُسے

نقل کر کے مولوی صاحب کی غلط فہمی دُور کر دینا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ شاطبی کا قول یہ ہے۔

فالتقييد في المطلقات التي لم يثبت بدليل الشرع تقييدٌ ممارأي في التشريع فكيف اذا عارضهٗ الدليل الخ۔ (الاعتصام صد ۲۸۲ ج ۱ بحوالہ تنقید)

اُن مطلق احکام میں قید لگانا کہ جنکی قید کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اپنی رائے سے شریعت بنانا ہے خصوصاً جبکہ اس کے معارض کوئی دلیل موجود ہو۔

علامہ شاطبی کے قول میں تقیید سے مراد قید وجوبی ہے مثلاً ایصال ثواب کیلئے کوئی شخص سوئم کو بایں طور مقرر کرے کہ اگر اس دن ایصال ثواب ہوا تو جائز ہوگا۔ اور اگر اس کے آگے پیچھے ہوا تو ناجائز۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شرع میں زیادتی ہے۔ جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اور علامہ شاطبی کے کلام کا اس کے سوا اور کوئی صحیح محمل نہیں۔ کیونکہ اطلاقِ شرعی کا تحقق ظاہر ہے۔ بغیر کسی فرد کے متصور ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ مولوی گکھڑوی ہی ہم کو کسی اطلاقِ شرعی پر بغیر اسے مقید کئے عمل کر کے دکھا دیں۔ نیز اسکی مزید وضاحت شاہ عبد العزیز صاحب کے اس کلام سے ہوتی ہے جسے ہم تعیین عرس کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں۔ فانظر وتدبر۔

کیا غنیۃ الطالبین شیخ جیلانیؒ کی تصنیف ہے

مولوی گکھڑوی صاحب کے ضعیف مطالعہ اور نہایت جسارت کی ایک اور بین مثال یہ ہے کہ انہوں نے غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی تصنیف قرار دیا۔ حالانکہ شیخ ابن حجر مکی نے فتاوی حدیثیہ میں علامہ عبد العزیزؒ نے نبراس میں علامہ ملتانیؒ نے

حاشیہ نبراس ہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ترجمہ غنیۃ میں تصریح فرمائی ہے۔ کہ یہ کتاب آنجناب کی تصنیف نہیں ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم نے عبارات پیش نہیں کیں۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں بعض حنفیہ کو فرقہ مرجیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایسے مسائل شامل ہیں جو جمہور اہل سنّت کے معتقدات کے خلاف ہیں۔ مثلاً اس میں رویت باری جل و عُلا کا انکار کیا گیا ہے۔ حالانکہ انکار اعتزال پر مبنی ہے۔ اور اس نظریہ کا اہل سنّت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور جناب شیخ رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات اس بدعقیدگی سے بہت بلند و بالا ہے۔

طعام پر فاتحہ پڑھنا

مولوی گکھڑوی صاحب نے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو ہندوانی رسم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا

"لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا۔ اس تاریخ میں انہیں ثواب پہنچانا ضرور مانتے ہیں۔ اور کھانے کے ثواب پہچانے کا نام سرادھ ہے۔ اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے۔ تو اوّل اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں۔ جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے۔ ان کی زبان میں ابھشہ من کہلاتا ہے۔ اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں۔" (تنقید ص ۶۱)

اس بیان میں انتہائی بے باکی اور دروغگوئی سے کام لیا گیا ہے اور ادنیٰ سوجھ بوجھ رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے کہ ہندوؤں میں نہ قیامت کا تصوّر ہے۔ اور نہ ثواب و عذاب کا پس یہ کہنا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بید پڑھواتے تھے۔ ایسی یاوہ گوئی ہے جسے ماننے کیلئے کوئی ہوشمند تیار نہیں ہو گا۔ نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عزیزی سے نقل کر چکے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں۔ ان کے مذہب میں مرنے والوں کو

زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ تفسیر عزیزی پ۳ ص۵ دیکھئے توضیح البیان پھر بتلائیے آپ کے حکمی دادا کی اس تحقیق کے مقابلہ میں آپ کے بذبان پر کون کان دھریگا۔ آپ کہتے ہیں ہندو اپنے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ ایں چیزہا اصلا نسبت بآنہا در اصل مذہب آنہا نیز واقع نیست اب بتلائیے کہ آپ جھوٹے ہیں یا آپکے حکمی دادا (ثانیا) چلیئے۔ اس جھوٹ کو مان بھی لیں۔ تو بھی آپ کا کچھ نہ بنا۔ کیونکہ آپ طعام پر قرآن پڑھنے کو کھانے پر بید پڑھنے کی مشابہت کی وجہ سے حرام کہتے ہیں اور آپ کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ باوجود اس مشابہت کے اسے جائز فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے فیصلہ ہفت مسئلہ ص۹ "رہا شبہ تشبیہ کا اس میں بحث از بس طویل ہے۔ مختصر اتنا سمجھ لینا کافی ہے۔ کہ تشبہ اس وقت تک رہتا ہے۔ جبتک وہ عادات اس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہوں کہ جو شخص وہ فعل کرے۔ اسی قوم سے سمجھا جاوے یا اس پر حیرت ہو اور جب دوسرے قوموں پر پھیل کر عام ہو جاوے تو وہ تشبہ جاتا رہتا ہے۔ ورنہ اکثر امور متعلق عادات اور ریاضات جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے ہیں کہ کسی عالم درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں۔ یہ امور مذموم نہیں ہو سکتے قصہ تطہیر اہل قبا اس میں کافی حجت ہے۔ البتہ جو ہیئت عام نہیں وہ موجب تشبہ ہے۔ اور ممنوع پس یہ ہیئت مروجہ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہ کی۔ دسویں بیسویں، چہلم، ششماہی۔ سالانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق رودلوی رحمۃ اللہ علیہ اور سہ منی حضرت شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ وحلوائے شب برات اور دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدہ پر مبنی ہیں۔"

ثالثا مشابہت مذکورہ کا یہ جواب بطور جدل مبتدعین دیوبند کے مسلم پیر

کے کلام سے پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ اس امر میں تحقیق یہ ہے۔ کہ ایصال ثواب کرنے کیلئے طعام پر قرآن پڑھنے میں بر تقدیر تسلیم اہل ہنود کی اصلاً مشابہت نہیں بلکہ سراسر مخالف ہے۔ کیونکہ وہ طعام پر وید کا کلام پڑھتے ہیں اور ہم طعام پر اللہ کا کلام پڑھتے ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ مشرکین وقت ذبح جانور پر بتوں کا نام لیتے تھے۔ تو مسلمانوں کو ان کی مخالفت میں جانور پر اللہ کا نام لینے کا حکم ہوا۔ پس جس طرح جانور پر بتوں کی جگہ اللہ کا نام لینا کفار کی مشابہت نہیں۔ مخالفت ہے۔ اسی طرح طعام پر وید کی جگہ اللہ کا کلام پڑھنا ان کی مشابہت نہیں۔ مخالفت ہے۔ ورنہ آپ کیسے قاعدے سے تو ذبح پر اللہ کا نام لینا طواف میں اللّٰھم لبیک لا شریک لك کہنا یہ سب کفار کی مشابہت قرار پائیگا۔ ممکن ہے سرفراز صاحب اپنی روایتی کجروی سے یہ عذر پیش کریں کہ ذبح پر اللہ کا نام لینا اور طواف میں تلبیہ کے احکام تو منصوص ہیں۔ طعام پر کلام پڑھنے کی کونسی نص موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مخصوص جزئیہ پر نص نہ سہی۔ مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے اس قسم کی مخالفت کی نظیر بھی پیش کی جا چکی ہے اور فاتحہ طعام دونوں کے ثواب پہنچانے کے دلائل بھی ہم پیش کر چکے ہیں۔ باقی یہ عذر کہ دونوں کا ثواب اکٹھا کیوں پہنچایا جاتا ہے۔ الگ الگ فاتحہ اور طعام کا ثواب کیوں نہیں پہنچایا جاتا جواب یہ ہے کہ الگ الگ ثواب پہنچانا بھی جائز ہے اور لوگ پہنچاتے ہیں۔ آپ اپنی کور بینی اور بدظنی کا علاج کیجئے اور دونوں کو جمع کر کے طعام پر فاتحہ پڑھ کے ثواب پہنچانا بھی جائز ہے۔ الگ الگ پہنچانا تو آپ بھی مانتے ہیں۔ دونوں کو جمع کر کے ثواب پہنچانے کے بارے میں گذارش ہے کہ جمع بین العبادات بھی ثابت ہے۔ جیسے قران میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا حالت جہاد میں ذکر کرنا۔ عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنا۔ حضرت علی کا حالت نماز میں زکوۃ

ادا کرنا۔ اہلِ مکہ کا تراویح اور طواف کو جمع کرنا۔ اہلِ مدینہ اور امام مالک کا تراویح کی بیس رکعات کے ساتھ طواف کے قائم مقام سولہ رکعتوں کو جمع کرنا بنیز شیخ محقق۔ اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۳۴ پر فرماتے ہیں۔

"ایک عمل خیر میں ثوابہائے متعددہ کی نیات کو جمع کیا جاسکتا ہے چنانچہ مسجد میں جانا ایک فعل ہے۔ اور اس میں بارہ نیات جمع کی جاسکتی ہیں۔ (۱) زیارت حق (۲) انتظار نماز (۳) اعضا کو معاصی سے پاک رکھنا (۴) اعتکاف (۵) قصد درود (۶) تجرد برائے ذکر (۷) قصد ادراک ثواب حج وعمرہ (۸) افادہ واستفادہ (۹) زیارت برادر دینی (۱۰) سلام (۱۱) تفکر و مراقبہ (۱۲) قصد مشاہدہ حق۔ اور نیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نیۃ المؤمن خیر من عملہ یعنی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے پس نیت بھی عبادت ہے اور مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر عبادت ہے۔ اور جب ایک وقت میں بارہ عبادتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ تو طعام اور تلاوت کے ایصال ثواب کی دو عبادتیں جمع ہونے میں کونسی چیز مانع ہے۔ رابعاً۔ انصاف پسند حضرات کیلئے تو سطور بالا میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے۔ کافی ہے۔ لیکن مبتدعین دیوبند چونکہ دلائل سے زیادہ اپنے آباء کے اقوال کو سند سمجھتے ہیں۔ اسلئے ہم ان کے اطمینان کے لئے ان کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا کلام پیش کرتے ہیں جس کے ضمن میں طعام پر فاتحہ پڑھنے کی مکمل وضاحت ہو جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ ملاحظہ فرمائیے حاجی صاحب کا فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸ پر لکھتے ہیں۔

"سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی۔ متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں

نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب ولسان کیلئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے۔ تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو دلانے لگے۔ کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے۔ اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے۔ اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاویگا کہ جمع بین العبادتین ہے ؎

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں۔ پڑھی جانے لگیں کسی نے خیال کیا کہ دعا کیلئے رفع یدین سنت ہے ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مسکین کو دیا جاویگا۔ اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہو گئی۔"

خامساً حاجی صاحب آپکے طریقت کے شہنشاہ کہلاتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز شریعت کے بادشاہ۔ اسلئے آئیے اب آپ کو بادشاہ شریعت کی زبان سے بھی طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز کا حکم سنوا دیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کے نصیب سے ضلالت نہ مٹ سکے تو ہمارا کیا چارہ ہے۔ شاہ صاحب فتاوٰی عزیزی ص ۳۸ ج ۱ پر لکھتے ہیں:۔

ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمود تقسیم درمیان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا

ختم قرآن کریم اور طعام یا شیرینی پر فاتحہ پڑھیں اور اسکو حاضرین میں تقسیم کریں اور یہ قسم حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

وخلفاء راشدین نبود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست۔ زیراکہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات حاصل مے شود۔	اور خلفاء راشدین کے عہد میں معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس میں زندوں اور مردوں دونوں کا فائدہ ہے۔

اور فتاویٰ عزیزی ص۱؎ ج اپر فرماتے ہیں۔

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و برآں فاتحہ و قل و درود خواندن تبرک مے شود و خوردن بسیار خوب است۔	جس طعام کا ثواب امامین کی نیاز ہو۔ اور اس پر سورہ فاتحہ اور قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے وہ تبرک ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے

سادسًا ہم طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز اور اباحت کے قائل ہیں، اسکو فرض یا واجب نہیں سمجھتے۔ اور آپ اسے حرام کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم تعیین عرفی کو جائز کہتے ہیں۔ اسے فرض واجب نہیں سمجھتے۔ اور آپ اس تعیین کو حرام کہتے ہیں، اب گذارش یہ ہے کہ ہم سے تو ایک امرؔ کی اباحت پر اسقدر شدومد سے نص صریح اور حدیث صحیح کا مطالبہ ہے۔ لیکن آپ جو حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں آپ کے پاس اس مخصوص حکم کی حرمت پر کونسی صریح اور متواتر حدیث یا قرآن کریم کی نص قطعی موجود ہے۔

۱؎ ملاحظہ فرمائیے تنقید متین ص۵۲ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ کیا جناب رسول اللہ نے گیارہویں دینے کا حکم اجرا فرمایا ہے؟ یا ایصال ثواب کیلئے کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے؟ یا کسی کیلئے ایصال ثواب کیلئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو اسکی صحیح سند یا حوالہ مطلوب ہے، پھر گیارہویں سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔"

پس ہم بھی کہتے ہیں کہ آپ جو گیارہویں کو حرام کہتے ہیں۔ اور حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے بتلائیے قرآن کریم کی کونسی نص قطعی یا خبر متواتر میں گیارہویں کو حرام کیا ہے اور اگر کوئی خبر متواتر ہے تو اسکی صحیح سند با حوالہ مطلوب ہے پھر گیارہویں حرام ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔

جس کی وجہ سے آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو بیک جنبش قلم حرام کہہ دیا۔ اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے۔ کہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث متواتر سے سوئم، چہلم عرس۔ گیارہویں اور فاتحہ علی الطعام کی حرمت ثابت ہے۔ ان امور کی حرمت پر آپ دلیل قطعی تو بجائے خود خبر واحد بھی نہیں لا سکتے ہیں قیامت تک کی مہلت دیکر مبند عین دیوبند کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے حرمت کے دعویٰ پر کوئی صاف اور صریح نص پیش کریں۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارۃ

بغیر کسی دلیل کے اپنی اہواء سے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا، اللہ اور رسول کے منصب پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ مشرکین کا شعار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

آپ دیکھیں گے کہ اہل دیوبند کے پاس کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں ہے جس سے وہ فاتحہ علی الطعام یا سوئم یا چہلم کی حرمت ثابت کرسکیں کہیں کل بدعۃ ضلالۃ کے عموم سے استدلال ہوگا۔ کہیں نفس بدعت کو لیکر رد کیا جائیگا۔ کہیں من احدث فی امرنا هذا لیس منه فهو رد سے احتجاج ہوگا۔ کہیں سُوءِ ظنی سے عقائد اختراع کئے جائیں گے۔ غرضیکہ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کریں گے اور دلیل میں ایسے عمومات اور اطلاقات شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دُور کا بھی علاقہ نہ ہوگا۔

مولوی گکھڑوی صاحب نے اگرچہ ایصال ثواب کا اقرار کیا ہے لیکن ایصال ثواب کی جس قدر ممکنہ صورتیں تھیں۔ ان سب کا انکار کرکے حقیقت میں انہوں نے نفس ایصال ثواب کا ہی انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ کسی تعین وقید کو ماننے پر تیار نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر قید اور تعین کے نفس ایصال ثواب کا تحقق ممکن نہیں پس قید اور تعین کا انکار کرنا حقیقت میں نفس ایصال ثواب کا انکار

کرنا ہے۔ اور اب ہم ناظرین پر یہ امر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایصال ثواب نہ کرنے والے معتزلہ تھے۔ دیکھئے طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۷۶ پر ہے

وقالت المعتزلة ليس للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره	اور معتزلہ نے کہا کہ کسی انسان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو پہنچائے

پس ملاحظہ فرمائیے کہ ایصال ثواب کا انکار کر کے مولوی گکھڑوی نے اپنا قارورہ کن لوگوں سے جا ملایا ہے۔ (نعوذ باللہ من تلک الخرافات الباطلۃ)۔

عہد رسالت میں ایصال ثواب

مولوی سرفراز صاحب راہ سنت کے ص ۲۴۶ پر لکھتے ہیں۔

"آپ کی دو ازواج مطہرات حضرت خدیجہ اور حضرت زینب ام المساکین رض اور آپ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رض اور آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت رقیہ۔ حضرت ام کلثوم۔ اور حضرت زینب اور جملہ صاحبزادے آپ کی زندگی میں دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ مگر نہ تو آپ نے ان کا تیجا کیا نہ ساتواں نہ دسواں نہ چالیسواں" الخ۔

اسی صفحہ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ "ایصال ثواب ہوتا تھا۔ مگر نہ تو دنوں کی تعیین ہوتی تھی" الخ شکر ہے کہ آپ نے ایصال ثواب کا اقرار کر لیا ورنہ اگر آپ اس کا بھی انکار کر دیتے۔ تو ہم آپ کا کیا بگاڑ لیتے رہی دنوں کی تعیین تو اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا وہ نفس الامر میں معین نہ تھے۔ تو پاگل خانے جا کر اپنی عقل کا علاج کرائیں۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ شرع میں کسی دن کو معین کرنا واجب نہ تھا تو بسر و چشم ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شرع میں ایصال ثواب کیلئے کوئی دن معین نہیں ہے کہ سوئم چہلم اور گیارہویں کو ایصال ثواب کیا جائے۔ تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور

جس کی وجہ سے آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو بیک جنبش قلم حرام کر دیا۔ اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے۔ کہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث متواتر سے سوئم، چہلم، عرس، گیارہویں اور فاتحہ علی الطعام کی حرمت ثابت ہے۔ ان امور کی حرمت پر آپ دلیل قطعی تو بجائے خود خبر واحد بھی نہیں لا سکتے ہیں قیامت تک کی مہلت دیکر میں بندہ عین دیوبند کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے حرمت کے دعویٰ پر کوئی صاف اور صریح نص پیش کریں۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ

بغیر کسی دلیل کے اپنی اھواء سے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا اللہ اور رسول کے منصب پر غاصبانہ قبضہ ہے مشرکین کا شعار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

آپ دیکھیں گے کہ اہل دیوبند کے پاس کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں ہے جس سے وہ فاتحہ علی الطعام یا سوئم یا چہلم کی حرمت ثابت کر سکیں کہیں کل بدعۃ ضلالۃ کے عموم سے استدلال ہوگا۔ کہیں نفس بدعت کو لیکر رد کیا جائیگا۔ کہیں من احدث فی امرنا ھذا لیس منہ فھو رد سے احتجاج ہوگا۔ کہیں سُوءِ ظنی سے عقائد اختراع کئے جائیں گے۔ غرضیکہ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کریں گے اور دلیل میں ایسے عمومات اور اطلاقات شرعیہ کو لائیں گے۔ جن کا دعویٰ سے دُور کا بھی علاقہ نہ ہوگا۔

مولوی گکھڑوی صاحب نے اگرچہ ایصالِ ثواب کا اقرار کیا ہے لیکن ایصالِ ثواب کی جس قدر ممکنہ صورتیں تھیں۔ ان سب کا انکار کر کے حقیقت میں انہوں نے نفس ایصالِ ثواب کا ہی انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ کسی تعین وقید کو ماننے پر تیار نہیں، اور ظاہر ہے کہ بغیر قید اور تعین کے نفس ایصال ثواب کا تحقق ممکن نہیں۔ پس قید اور تعین کا انکار کرنا حقیقت میں نفس ایصال ثواب کا انکار

کرنا ہے۔ اور اب ہم ناظرین پر یہ امر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایصال ثواب نہ کرنے والے معتزلہ تھے۔ دیکھئے طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۷۶ پر ہے

وقالت المعتزلة ليس للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره	اور معتزلہ نے کہا کہ کسی انسان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو پہنچائے

پس ملاحظہ فرمائیے کہ ایصال ثواب کا انکار کر کے مولوی گکھڑوی نے اپنا قارورہ کن لوگوں سے جا ملایا ہے۔ نعوذ باللہ من تلک الخرافات الباطلۃ۔

عہد رسالت میں ایصال ثواب

مولوی سرفراز صاحب راہ سنت کے ص۲۴۲ پر لکھتے ہیں۔

"آپ کی دو ازواج مطہرات حضرت خدیجہ اور حضرت زینب ام المساکینؓ اور آپ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، اور حضرت زینب اور جملہ صاحبزادے آپ کی زندگی میں دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے، مگر نہ تو آپ نے ان کا تیجا کیا نہ ساتواں نہ دسواں نہ چالیسواں" الخ۔

اسی صفحہ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ "ایصال ثواب ہوتا تھا، مگر نہ تو دنوں کی تعیین ہوتی تھی" الخ شکر ہے کہ آپ نے ایصال ثواب کا اقرار کر لیا ورنہ اگر آپ اس کا بھی انکار کر دیتے۔ تو ہم آپ کا کیا بگاڑ لیتے رہی دنوں کی تعیین تو اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا وہ نفس الامر میں معین نہ تھے۔ تو پاگل خانے جا کر اپنی عقل کا علاج کرائیں۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ شرع میں کسی دن کو معین کرنا واجب نہ تھا تو بسر و چشم ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شرع میں ایصال ثواب کیلئے کوئی دن معین نہیں ہے کہ سوئم چہلم اور گیارھویں کو ایصال ثواب کیا جائے۔ تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور

تاریخ کو کیا جائے تو ناجائز ہو۔ ہم ان تاریخوں کو ضروری نہیں سمجھتے اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں میں بھی ایصال ثواب کرتے ہیں جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ اسکی تعبیر ایسے ہی مکروہ انداز میں کرتے ہیں۔ جیساکہ مکروہ آپ کا مذہب ہے۔ چنانچہ تنقید متین صہ ۵۰ پر لکھتے ہیں۔

"اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ حیلہ شروع کر دیا کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منا لیتے ہیں۔ اور کسی دوسری جگہ بارھویں تیرھویں کو۔ وہ بتلاتے تو یہ ہیں کہ لیجئے ہم گیارہویں تاریخ ہی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ لیکن اصل بات وہ عوام الناس سے بالکل اوجھل رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ اس طریقے سے ان کے بطن مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آتی ہیں۔ اور کوئی جگہ ہاتھ سے نہیں جاتی"۔

نیت کا حال تو بہر حال خدا کو معلوم ہے لیکن سرفراز صاحب کی سوءِ ظنی سے یہ بات بہر کیف معلوم ہو گئی۔ کہ انہیں نفس ایصال سے ہی ضد ہے۔ اور زبان سے اگرچہ ایصال ثواب کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن اپنے طرزِ عمل اور اندازِ تبلیغ سے وہ سنت ایصال ہی کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ جب گیارہویں شریف کو ایصال ثواب کیا گیا۔ تو انہوں نے واویلا مچایا۔ کہ تعیین بدعت ہے۔ اس کا عہد رسالت میں کوئی ثبوت نہیں۔ داعیہ وفات تو زمانہ نبوی میں بھی تھا۔ لیکن ان تاریخوں میں ثواب نہیں پہنچایا جاتا تھا۔ اور جب انہیں بتایا گیا کہ گیارہویں تاریخ ضروری نہیں دوسری تاریخوں میں بھی ہم ایصال ثواب جائز سمجھتے ہیں تو کہنے لگے کہ بطن پروری کے لئے متعدد مواقع فراہم کر لئے۔ سرفراز صاحب آپ ہی بتلائیے۔ کہ جب نفس ایصال ثواب سنت ہے اور ثابت ہے تو وہ کس طریقے سے کیا جائے معروف تاریخوں میں کیا جائے تو بدعت اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں میں کیا جائے تو بطن پروری

اب ذرا ہوش میں آکر یہ بتلائیں کہ حضور نے یہ حکم بدعت کے لئے دیا ہے یا باطن پروری کے لئے۔

بدعت سیئہ کا سرفرازی ضابطہ اور اس میں ان کی شدید ٹھوکر

سرفراز صاحب راہِ سنت ص ۶۵ پر لکھتے ہیں۔

"ایسے امور میں جن کے تمام اسباب و دواعی و محرکات اس وقت موجود تھے۔ نہ قیاس ہو سکتا ہے اور نہ بدعت حسنہ کا درجہ پا سکتے ہیں۔ یہ امور قطعی طور پر بدعت قبیحہ اور سیئہ کی مد میں داخل ہیں اس میں ایک رتی برابر شک نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی تحریر فرماتے ہیں۔ اور اگر آپ کے زمانہ میں سبب موجود ہو۔ لیکن کسی عارضی وجہ سے متروک ہو اور حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا ہو۔ تو ایسے امر کا احداث بھی جائز ہے۔ جیسے قرآن کا جمع کرنا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیات میں یہ مانع تھا۔ وحی برابر آتی رہتی تھی۔ اللہ تعالٰے جو چاہتا تھا بدل دیتا تھا حضور کی وفات کے بعد وُہ مانع جاتا رہا۔ اور جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو۔ باوجود اس کے حضور نے نہ کیا ہو۔ تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے۔ کیونکہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرورِ کائنات اس فعل کو خود ضرور کرتے یا ترغیب فرماتے۔ اور جب آپ نے خود نہ کیا۔ اور نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہُوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ وہ بدعت سیئہ قبیحہ ہے"

سرفراز صاحب نے جو بدعت سیئہ کا یہ ضابطہ وضع کیا ہے۔ چند وجہ سے مردود اور باطل محض ہے۔

اولاً اس لئے کہ مرقاۃ ص ۱۹۳ ج ۳ پر ہے۔

وذکر السیوطی فی رسالتہ انہ | امام سیوطی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے

یستحب لاهل المدینة ستا وثلاثین رکعة تشبیها باهل مکة حیث کانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافا ویصلون رکعتین ولا یطوفون بعد الخامسة فاراد اهل المدینة مساواتهم فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات ولو ثبت عددها بالنص لم یجز الزیادة علیہ

ہے کہ اہلِ مدینہ کے لئے اہلِ مکہ کی مشابہت کی وجہ سے چھتیس ۳۶ رکعات تراویح پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ اہلِ مکہ ہر ترویحہ کے بعد طواف کرتے ہیں۔ اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے پس اہلِ مدینہ نے طواف کے قائم مقام دو رکعات کو کیا اور اس طرح ہر ترویحہ کے بعد چار رکعات پڑھیں یعنی سولہ رکعات زیادہ کیں) اور اگر تراویح کے عدد کی تعیین نص سے ثابت ہوتی تو یہ لوگ زیادتی نہ کرتے۔

سوال یہ ہے کہ طواف کا داعیہ کعبہ معظمہ ہے۔ اور وہ عہدِ رسالت میں بھی موجود تھا۔ اور تراویح کا داعیہ رمضان ہے۔ اور وہ بھی دور نبوی میں کئی بار آیا اور پھر باوجود سبب اور عدم مانع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تراویح چھتیس رکعت پڑھیں۔ نہ دو ترویحوں کے درمیان طواف کیا۔ پھر اہلِ مکہ کیلئے مع طواف کے اٹھائیس رکعات اور اہلِ مدینہ کے لئے بغیر طواف کے چھتیس ۳۶ رکعات کس طرح مستحب ہو گئیں۔ غور فرمائیے جس امر کو آپ بدعت سیئہ اور قبیحہ قرار دیتے ہیں۔ اسی کو امام سیوطی مستحب فرما رہے ہیں۔ اور یہی امام مالک کا مذہب ہے۔

ثانیاً چلئے ہم ارخاء عنان کے لئے خیر القرون کے احداث فی الاسلام سے صرف نظر کئے لیتے ہیں۔ تب بھی گذارش ہے کہ قرآن پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے اور وہ آپ کی تحقیق کے مطابق خیر القرون میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ راہ سنت ص ۲۷ پر آپ نے قرن کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا "اس سے انسانوں کا بہترین طبقہ

مراد ہے۔"

حجاج بن یوسف کے بارے میں مورخین اور محدثین کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کا بدترین انسان تھا۔ بنایہ شرح ہدایہ صہ ۷۲۲ ج ۱ پر علامہ عینی فرماتے ہیں۔

وکان افسق اهل زمانه حجاج بن یوسف۔	حجاج بن یوسف اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ فاسق شخص تھا۔

پس ثابت ہوا کہ وہ خیر القرون سے خارج ہے۔ اب فرمائیے کہ اس بدترین فاسق کا احداث فی الاسلام کس طرح جائز ہو گیا۔ اعراب لگانے کا داعیہ اور سبب عہدِ رسالت میں بھی موجود تھا، کیونکہ آپ کے زمانہ اقدس میں بھی بے شمار عجمی اسلام لا چکے تھے۔ اور عہد فاروقی اور عثمانی میں تو اسلام کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اعراب لگانے کا سبب اور داعیہ عہد نبوی اور دورِ خلافتِ راشدہ دونوں میں موجود تھا۔ اور مانع کوئی نہیں تھا اس کے باوجود قرآن پر اعراب نہ لگائے گئے۔ پس حجاج بن یوسف کا یہ احداث فی الاسلام بدعت سیئہ قبیحہ قرار پایا۔ حجاج کا تو جو حشر ہو گا سو ہو گا۔ اس بدعت قبیحہ پر جن صحابہ اور آئمہ دین نے خاموشی کی انہیں آپ کس کھاتے میں رکھیں گے؟ نیز آپ کے حکمی دادا شاہ عبد العزیز صاحب فتاویٰ عزیزی صہ ۳۸ ج ۱ پر عرس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بہیئت اجتماعیہ مردان کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ کنند فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا وخلفائے راشدین نبود	ہیئت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں ختم قرآن کریں اور فاتحہ طعام اور شیرینی پر پڑھیں اور اسے حاضرین میں تقسیم کریں یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں معمول نہ تھی۔

اگر ایں طور بکند باک نیست۔ زیراکہ دریں قسم قبح نیست

لیکن اسکے کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں کوئی قبح نہیں۔

بقول آپ کے عرس کا داعیہ عہد رسالت میں موجود تھا۔ اور مانع کوئی نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی اس ہیئت کذائیہ سے نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرس نہ کیا نہ خلفائے راشدین نے اور شاہ صاحب کو بھی یہ تسلیم ہے کہ یہ صورت خیر القرون میں معمول نہ تھی۔ اس کے باوجود آپ اس صورت کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ اور آپ کے شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قبح نہیں اب بتلائیے کہ آپ سچے ہیں یا شاہ عبدالعزیز صاحب۔

پس اب اس کے سوا اور کوئی مفر نہیں کہ آپنے جو بدعت سیئہ قبیحہ کا معیار مقرر کیا ہے۔ وہ باطل اور مردود ہے۔ اصل میں بدعت سیئہ ہر وہ نیا امر ہے۔ جو مزاج اسلام کے خلاف اور اس کا مغیر ہو۔ جس کا منشا کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ اور اس کو دین میں داخل کر لیا جائے (محصلہ شامی ص۳۹۳ ج۱) اور جو شخص بھی کسی ایسی بدعت سیئہ کا ارتکاب کرے۔ وہ بندہ ہوا بدعتی ضال اور مضل ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ دین نے جن امور کا احداث کیا۔ ان سب کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہے اور وہ منشا اسلام کے مطابق ہیں۔ ان پر بدعت سیئہ قبیحہ کی تعریف کسی طور پر سچی نہیں آتی۔ بدعت سیئہ کیا ہے۔ سنئیے۔ حیات انبیاؑ کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ امکان کذب کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ عطائی علم غیب کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ علم الٰہی کو حادث ماننا کما فی بلغۃ الحیران لحسین علی، بدعت سیئہ ہے انبیاء کی شان میں تنقیصی اور توہینی کلمات کو صحیح کہنا بدعت سیئہ ہے۔ الغرض مجموعی طور پر پورا کارخانہ دیو بدعت سیئہ ہے۔ کاش آپنے

بریلی کے کسی طالبعلم ہی سے پڑھ لیا ہوتا تو یہ رسوائیاں آپ کا مقدر نہ بنتیں۔ اور ابراہیم حنفی کی عبارت ہمارے نزدیک ان امور پر محمول ہے۔ جن کا منشا شریعت میں ثابت نہ ہو۔ اور بیشک جس کا منشا شریعت میں موجود نہ ہو اور ثمالیس منہ کا مصداق ہو وہ مردود ہے۔ اور جس کا داعیہ عہد رسالت میں موجود ہو اور مانع کوئی نہ ہو اور پھر بھی حضور اس کو نہ کریں۔ یہ اسی وقت مردود ہوگا۔ جب اس کا منشا اسلام میں موجود نہ ہو۔ اور وہ مزاج اسلام کے خلاف ہو۔ اور یہی بدعت سیئہ ہے۔ بخلاف اہل سنت کے معمولات کے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا منشار اسلام میں موجود ہے۔

بدعت حسنہ کا استنباط

"راہِ سنت" ص۹۷ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ "باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز کسی بدعت کو حسنہ قرار نہیں دیتا۔"

الجواب ۔ مجتہد سے کیا مراد ہے۔ مجتہد فی الشرع جس کا کام اصول کلیہ وضع کرنا ہے یا مطلقاً خواہ کسی درجہ کا مجتہد ہو۔ اگر شق اول مراد ہے کہ مجتہد فی الشرع کا غیر کوئی بھی کسی ضرورت کے پیش نظر کسی اصل سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا۔ تو یہ بداہتہ باطل ہے۔ کیونکہ ہر نماز میں تثویب کو متاخرین فقہا نے مستحسن قرار دیا اور ان میں سے کوئی بھی مجتہد فی الشرع نہیں ہے۔

نیز ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ انہیں حل کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز۔ ریڈیو اور ٹیلیفون پر چاند کی خبر سینما اور ٹیلی ویژن وغیرہ کا جواز اور عدم جواز اور ایسے صدہا مسائل جن کے بارے میں صریح نصوص موجود نہیں ہیں۔ بتلائیے آپ اور آپ کی جماعت کے جغادری علماء انہیں حل کرتے ہیں یا نہیں اور سب کو چھوڑیئے۔ آپ کے قطب عالم نے جو کوا کھانے کو کارِ ثواب

اور ہولی دیوالی کی پوریوں کو جائز قرار دیا ہے۔ اس پر کونسی صحیح اور صریح نص موجود ہے۔ اور بغیر کسی نص صریح کے جو آپ کے پیشوا نے یہ اجتہاد کیا ہے اس کو کس کھاتے میں رکھئے گا۔

نیز آپ جو اپنے فاسد اجتہاد سے خدا رسول کے بے شمار حلال کردہ امور کو دن رات حرام کرتے ہیں۔ وہ کونسے شرعی اجتہاد سے انجام دیتے ہیں۔

سرفراز صاحب نے "راہِ سنت" میں بدعت کی بحث میں دیوبندی نظریئے کو جو سہارا دینے کی کوشش تھی۔ بفضلہ تعالےٰ ہم نے اسے پیوند زمین کر دیا ہے اور اگر سرفراز صاحب اس مردہ کو پھر اکھیڑنا چاہیں تو بصد شوق! وہ انشاء اللہ ہمیں اپنے تعاقب میں کمربستہ پائیں گے۔

نور و بشر

و من الناس من یقول کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل تحریر فرماتے ہیں کہ "من الناس" فرمانے میں لطیف رمز یہ ہے کہ یہ گروہ بہتر صفات و کمالات سے ایسا عاری ہے کہ اس کا ذکر وصف خوبی کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ یوں کہا جاتا ہے۔ کہ یہ بھی آدمی ہیں۔

مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ اور در حقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے"۔

اس پر مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ تنقید ص ۶۵۔

تنقید۔ "نہ تو یہاں لفظ بشر ہے۔ اور نہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے بلکہ اس مقام پر (من الناس) کا لفظ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کی تردید کی ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مولوی نعیم الدین مرادآبادی صاحب نے بزور اپنا گندہ عقیدہ یہاں ٹھونسنے کی لاحاصل کوشش کی ہے! ور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے۔ قرآن و سنت۔ اجماع امت کے مسلمہ اصول اور عقائد اسلام کے سراسر خلاف کہا ہے (اولاً) اسلئے کہ بشر (انسان) کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ ابلیس لعین کا کام ہے۔ نہ کہ کسی مسلمان کا۔ معصوم فرشتوں نے بھی بحکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اسکی خداداد برتری۔ فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو فرشتوں سے فرمایا کہ

میں بجنے والی مٹی اور سڑے ہوئے گارے سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو بنا چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔ فرشتوں نے بلا قیل وقال تعمیل حکم میں سجدہ کیا۔ مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا"۔

مسئلہ بشریت

علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے مبعوث ہونے کا کب انکار کیا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی بشریت بے شمار فضائل وکمالات کی حامل ہوتی ہے۔ اور چونکہ کتاب وسنت سے نبی علیہ السلام کی نورانیت بھی ثابت ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک نبی علیہ السلام بشریت اور نورانیت دونوں کے علیٰ وجہ الکمال جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافات نہیں ہے۔ بلکہ کتاب وسنت میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ البتہ نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہی صدر الافاضل کا مطلب ہے۔ جس کی انہوں نے خود اپنی تفسیر میں جگہ جگہ تصریح فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ سورۂ کہف کے اخیر میں قل انما انا بشر" مثلکم کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"بہر حال آپ کی ذات وکمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں۔ اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کیلئے حکم فرمایا گیا۔ یہی فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (خازن) مسئلہ۔ کسی کو جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہے۔ کیونکہ جو کلمات اصحاب عزت وعظمت بر طریق تواضع فرماتے ہیں انکا کہنا دوسرں کیلئے روا نہیں ہوتا۔ دوئم یہ کہ جس کو اللہ تعالےٰ نے فضائل جلیلہ ومراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں۔ اُس کسی کے ان فضائل ومراتب.....

کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام میں ذکر کرنا جو ہر کہہ ومہ میں پایا جائے۔ ان کمالات کے نہ ماننے کا مشعر ہے۔ سوئم یہ کہ قرآن کریم میں جابجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنی مثل بشر کہتے تھے۔ اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔

سورہ حٰم سجدہ میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں "(فائدہ) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر انا بشر مثلکم فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کیلئے بطریق تواضع ہے۔ اور جو کلمات تواضع کیلئے کہیں جائیں۔ وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتی ہے۔ چھوٹوں کا ان کلمات کو اسکی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈھنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امت کو روا نہیں، کہ وہ حضور علیہ السلام سے مماثل ہونے کا دعوٰی کرے۔ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ کہ آپ کی بشریت سب سے اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے"

صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ کے اس کلام سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔ (۱) بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہے (۲) کمالات کے اعتبار سے آپ کی بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں ہے (۳) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور کو اپنی مثل بشر کہے (۴) انبیاء کو اپنی مثل البشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ ومن الناس من یقول کے تحت جو صدر الافاضل نے فرمایا ہے کہ "اسلئے قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے"[1] اس کلام میں بھی بشر

---

[1] ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ صدر الافاضل نے یہاں صراحۃً بیان کیوں نہیں کیا کہ اپنی مثل بشر [illegible] موضوع پر بحث ہے۔ وہاں اس تفصیل کو پیش کر دیا ہے۔ فافہم واستقم۔

کہنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر کہتے تھے۔ جیسا کہ خود صدر الافاضل نے دو جگہ تصریح فرمائی ہے۔ جس کو ہم نقل کر چکے ہیں۔ تیسری جگہ ص۳۲۴ پر صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "اس امت میں بہت سے بدنصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے ہیں اور ہمسری کا خیال فاسد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے بچائے"

اس حوالہ سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ صدر الافاضل نفس بشر کے تحقیق کو جائز رکھتے ہیں۔ البتہ ہم مثلی کے عقیدہ کو فاسد قرار دیتے ہیں۔ اصل تفسیر میں یونہی مرقوم تھا۔ ہمارے پاس مراد آباد کا قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔ جس میں یہ عبارت اسی طرح ہے بعد میں جب تاج کمپنی سے یہ شائع ہوا تو بعض بددیانت سرفرازیوں نے اس میں اس طرح تحریف کر دی ہے۔

"اس امت میں بھی بہت سے بدنصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن وحدیث کے منکر ہیں"

یہود کے جانشینوں نے تاج کمپنی کے عملہ میں شامل ہو کر جس طرح صدر الافاضل کی تفسیر میں تحریف کی، اس کی تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں۔ تاج کمپنی کا معذرت نامہ بھی چھپ چکا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی حقیقت نہ جانی جا سکے، ہمارے پاس قدیم نسخہ موجود ہے۔ جس سے مقابلہ کر کے اصل حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے۔

بہر حال صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اس مقصد پر نص ناطق ہے۔ کہ بدنصیبی اور گمراہی۔ بشر کہنا اور ہمسری کا خیال فاسد رکھنا ہے لیکن سرفراز صاحب کی دیانتداری ملاحظہ فرمائیے۔ کہ وہ اس عبارت پر تبصرہ کرتے وقت لفظ ہم مثلی کے خیال کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے۔ حالانکہ مرکزی نقطہ یہی ہے۔ جیسا کہ ہم

مرارا کثیرہ بیان کر چکے ہیں۔ مولوی سرفراز صاحب کی دیانتداری اور دین وایمان کی روشن ضمیری دیکھئے جس نے ان کو اس غاصبانہ تبصرہ پر آمادہ کیا۔

تنقید ص ۹۲ پر لکھتے ہیں۔

"کرم فرما مصحح کی عبارت کے پیش نظر حضرت صحابہ سے لیکر بشمولیت فقہاء عظام وصوفیاء کرام اور خود خانصاحب بریلوی اور ان کے ہم مشرب لوگ بھی بدنصیب قرار پاتے ہیں ..... جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں۔"

مولوی صاحب! تحریف کے میدان میں آپ یہود کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نبی علیہ السلام کی بشریت کی ہمسری کے خیال کو بدنصیبی اور گمراہی فرما رہے ہیں اور آپ نے لفظ ہمسری کے خیال کو نظر انداز کر کے نفس بشریت کے اعتقاد کو بدنصیبی بنا ڈالا۔ اور یہ دیوبند کی بازیگری کا ایک ادنےٰ کرتب ہے۔ جس سے کام لے کر وہ ہمیشہ اہل حق پر تبرا کرتے رہے ہیں۔

(یعنی مولوی سرفراز صاحب کی [illegible])

۴ جب بشریت کو ثابت کرنا چاہا تو انہوں نے اپنی کتاب میں اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل کی کتابوں سے حوالے دے کر یہ بھی ثابت کر لیا ہے کہ اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل نبی کی بشریت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جب صدر الافاضل پر سب وشتم کا شوق چرایا تو یہ بات گھڑ لی۔ کہ مولوی نعیم الدین نبی کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا آپ نے اپنے قارئین کو بالکل ہی بیوقوف اور گھامڑ سمجھ لیا تھا کہ آپ انہیں فریب پر فریب دیتے رہیں گے۔ اور انہیں حقیقت سے آشنائی نہ ہوسکے گی۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتیں نقل کر کے ہم نے بحمد اللہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک نبی علیہ السلام میں بشریت متحقق ہے۔ اور آپ کا

ہمسر اور ہم مثل کوئی نہیں ہے۔ اور نبی کو اپنے جیسا بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا دستور رہا ہے۔ اور گکھڑ کے محرف نے اپنی تنقید میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مولوی نعیم الدین نبی علیہ السلام کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اور بشر کہنا کفار کا دستور بتاتے ہیں۔ اور پھر علماء اسلاف کی عبارتیں یہ ثابت کرنے کیلئے پیش کیں کہ آپ میں بشریت متحقق ہے۔ گذارش یہ ہے کہ اگر اس تصنیف سے آپ کا مقصد محض بھرتی کرنا تھا تو وہ تو ماشاءاللہ چشم بد دور خوب پورا ہو گیا۔ اور اگر مقصد صدر الافاضل کا رد کرنا تھا۔ تو وہ معاف کیجئے۔ آپ کو حاصل نہ ہو سکا۔ کیونکہ صدر الافاضل نے نفس بشریت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ وہ آپ کی ہمسری کا انکار کرتے ہیں اور محض بشر کہنے کو نہیں۔ بلکہ اپنا ہم مثل بشر کہنے کو کفار کا دستور قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ میں جرأت تھی تو اس امر کی تردید کیلئے قلم اٹھاتے مگر یہ آپ سے نہ ہو سکا۔ آئیے اب ہم اس امر پر قرآن کریم کے حوالے پیش کرتے ہیں کہ اپنے جیسا بشر کہنا۔ یہ واقعی کفار ہی کا دستور تھا۔

ملاحظہ فرمائیے۔ سورۂ ہود میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی۔

فقال الملاُ الذین کفروا من قومہ مانراک الا بشرا مثلنا۔	پس نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تمکو اپنا ہم مثل بشر ہی سمجھتے ہیں۔

سورۃ مؤمنون میں دوسرے رکوع کی دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

فقال الملاُ الذین کفروا من قومہ ماھذا الا بشرٌ مثلکم	پس حضرت نوح کی قوم کے اکابر کفار نے کہا نہیں ہے یہ مگر تم جیسا بشر۔

اسی سورت کے تیسرے رکوع میں ہود یا صالح علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو دعوت توحید دی۔

وقال الملاء من قومه الذین کفروا وکذبوا بلقاء الاخرۃ و اترفناھم فی الحیوٰۃ الدنیا ماھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منه ویشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخاسرون۔

اور ان کی قوم کے صنادید کفار جو لقاء آخرت کے مکذب تھے۔ اور جنہیں ہم نے دنیاوی آسائش دی تھی۔ وہ کہنے لگے نہیں ہے۔ یہ مگر بشر تمہارا ہمسر جو تم کھاتے ہو وہ کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو وہ پیتا ہے۔ اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گے

اس رکوع کے اخیر میں ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کیطرف بھیجا۔

الیٰ فرعون وملائه فاستکبروا وکانوا قوما عالین فقالوا انؤمن لبشرین مثلنا۔

طرف فرعون اور اس سرداروں کے پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ قوم تھی ہی متکبر۔ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں۔

سورۂ یٰسین میں ہے۔

اذ ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث فقالوا انا الیکم مرسلون قالوا ما انتم الا بشر مثلنا۔

اور جب ہم نے اصحاب قریہ کی طرف دو رسولوں کو بھیجا پس انہوں نے انکی تکذیب کی۔ پھر تیسرے رسول نے تائید کی پس تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف رسول ہیں۔ پس کہنے لگے نہیں ہو تم مگر بشر ہم جیسے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہم نے بحمد اللہ یہ امر واضح کر دیا ہے کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کفار ہی کا دستور ہے۔ مولوی سرفراز صاحب میں اگر ہمت ہے تو وہ قرآن کریم کی کسی ایک ہی آیت سے ثابت کر دیں۔ کہ

انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا مومنوں کا دستور ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ آیت بالکل صاف اور صریح ہو۔ کوئی ہیر پھیر اور صیہونی چکر نہ ہو۔ مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کی تفسیر پر تنقید کرتے ہوئے صـ۲۶ پر کہا کہ "اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے۔ قرآن و حدیث اجماع امت کے مسلمہ اصول اور عقائد اسلام کے سراسر خلاف ہے"

ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ صدر الافاضل کا نبی علیہ السلام میں بشریت کو متحقق اور جمیع عوارض میں اسے غیر مماثل ماننا قرآن وحدیث اجماع امت کے مسلمہ اصول اور عقائد اسلام کے عین مطابق ہے۔ بلکہ خود اکابر دیوبند کو بھی اس حقیقت کا اقرار ہے۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی براہین قاطعہ میں صـ پر لکھتے ہیں۔

"پس کوئی ادنی مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں"

بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت کا فرق

آگے چل کر مولوی سرفراز صاحب اسی صفحہ پر لکھتے ہیں "اولاً۔ اسلئے کہ بشر و انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا ابلیس لعین کا کام ہے۔ نہ کہ کسی مسلمان کا۔ معصوم فرشتوں نے بھی بحکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس کی خداداد برتری فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا"

حقیقت یہ ہے کہ دروغ گوئی ابلیس لعین کا کام ہے۔ صدر الافاضل نے اپنی پوری تفسیر میں کہیں بشر و انسان کو حقیر اور ذلیل نہیں کہا۔ پس ہم سوائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ باقی مولوی سرفراز صاحب

کا یہ مغالطہ دینا کہ فرشتوں نے سجدہ کر کے اس کی فضیلت کا اعتراف کیا دلائل کی روشنی میں کوئی وقعت نہیں رکھتا فرشتوں نے بشر کو سجدہ کیا تھا لیکن بشر کو بحیثیت بشر کے سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ بشر کو بحیثیت نبی و خلیفۃ الارض سجدہ کیا غور کیجئے کہ اگر نفس بشریت میں کوئی ایسی اہم فضیلت ہوتی تو آدم علیہ السلام کو صورت بشری میں پیدا کرتے ہی سجدہ کا حکم دے دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ پہلے آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت اور برتری منوائی گئی اسکے بعد فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا پس ثابت ہوا کہ آدم کی فضیلت اور برتری کا سبب محض بشریت نہ تھی۔ بلکہ وہ اُنکی جلالت علمی اور خلافت و نبوت تھی جس نے فرشتوں کی گردنوں کو سجدہ ریز کر دیا۔ اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ نفس بشریت ہی ملائکہ پر برتری کا سبب ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ نفس بشریت تو ابوجہل اور ابو لہب میں بھی متحقق ہے۔ پھر کیا آپ کے عقیدہ میں وہ بھی جبرائیل حملۂ عرش اور دیگر ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور اگر ابوجہل اور دوسرے کفار فرشتوں سے افضل اور برتر نہیں اور یقیناً نہیں ہیں۔ تو پھر آپ کو ماننا پڑیگا۔ کہ فضیلت اور برتری کا منشاً محض بشریت نہیں۔ بلکہ صفات نبویہ فاضلہ کاملہ ہیں۔ آدم علیہ السلام میں دو جہتیں تھیں۔ ایک نبوت اور خلافت کی اور ایک بشریت کی۔ فرشتوں کی نظر صفت نبوت پر پڑی۔ اور سجدہ میں گر گئے۔ ابلیس کی نظر بشریت پر پڑی اور اس نے سجدہ سے انکار کر دیا۔

قال لم اکن لا سجد لبشر خلقته من صلصال من حماٍ مسنون	کہنے لگا میں اس بشر کو سجدہ کرنیوالا نہیں ہوں جسکو تو نے بجتی ہوئی مٹی اور گارے سے پیدا کیا۔

مبتدعین دیوبند دیدہ عبرت سے دیکھیں اور غور کریں۔ کہ ابلیس کے کفر کی بنیاد یہ تھی۔ کہ اس نے نبی کی بشریت کو ملحوظ رکھا اور کمالات نبوت کو نہ دیکھا

آج بھی ابلیس لعین کے طریقہ کو اپنانے والے ہر جگہ ہر موقع پر نبی کی بشریت پیش کرتے ہیں۔ اور نبی کی باقی خصوصیات و کمالات کیلئے اپنی نگاہوں کے دریچے بند کر لیتے ہیں۔

آیئے اب امام رازی کی نگاہ سے دیکھیئے۔ کہ فرشتوں نے کس کو سجدہ کیا تھا

الرابع ان الملائکۃ امروا بالسجود لادم لاجل ان نور محمد علیہ السلام فی جبھۃ ادم (تفسیر کبیر ص ۳۰۲ ج ۲)	فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ نورِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آدم کی پیشانی میں تھا۔

اور اب یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو کر سامنے آگئی۔ کہ جن کی نظر نبی کے نور پر تھی۔ وہ سجدہ میں گر گئے۔ اور قربِ خداوندی حاصل کر لیا۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی۔ وہ تکبر کر کے ابلیس لعین ہوا۔ اور ابدی لعنت کا طوق پہن لیا۔ سابقہ حوالوں سے ناظرین پر یہ امر واضح ہو چکا ہوگا۔ کہ نبی علیہ السلام کی بشریت کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا نبی علیہ السلام کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کر کے یوں کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہم جیسے بشر تھے۔ پس علمائے اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

مبتدعین دیوبند کے روحِ رواں مولوی اسماعیل دہلوی نے نبی علیہ السلام کی بشریت کو عام بشریت پر قیاس کر کے پیغمبر اسلام کی شان میں انتہائی ناشائستہ کلمات استعمال کئے اور آپ کی تنقیص کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا حقیقت یہ ہے کہ مبتدعین دیوبند تنقیص رسالت کیلئے آپ کی بشریت کو بنیاد بناتے ہیں۔ اور پھر اس بنیاد پر وہ اپنی اہواءِ باطلہ کا محل تعمیر کرتے ہیں۔ جہانتک بشریت کا تعلق ہے۔ ہم اکابر اہلِ سنت کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ

یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے اور مولوی سرفراز صاحب کا نفس بشریت کو نزاعی مسئلہ بنا کر اس پر حوالے پیش کرنا محض مغالطہ آفرینی ہے۔ البتہ بشریت کی بنٹ پر مبتدعین دیوبند اس پر اپنی ہوائے نفسانی سے تنقیص رسالت کا جو قلعہ تعمیر کرتے ہیں۔ اسے ماننے سے ہم کو پہلے بھی انکار تھا۔ . . آج بھی انکار ہے۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ انکار رہے گا۔ اب ہم آپ کے سامنے ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد مولوی اسماعیل دہلوی کی بدنام زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" سے چند حوالے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین پر واضح ہو جائے کہ ہر جگہ اور ہر موقعہ پر نبی علیہ السلام کی بشریت پیش کرنے سے اہل دیوبند کا اصل مدعا کیا ہے۔

تقویۃ الایمان صہ۴۲ پر مشکوٰۃ شریف سے ایک حدیث نقل کی۔ جس میں نبی علیہ السلام نے تواضعاً چند کلمات فرمائے ہیں۔ اس کے بعد ف سے فائدہ کا عنوان قائم کر کے مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

ف:۔ "یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو۔ سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں تو ان کا یہ فتویٰ ہے۔ کہ بشر کی سی تعریف میں بھی کمی کرو! اور اپنے مولویوں کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔

تری تربت کو دے کر طور سے تشبیہ

کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی — مرثیہ گنگوہی صہ۱۲

تقویۃ الایمان صہ۴۲ پر ہے۔ "جیسا کہ ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سو ان معنوں کر ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔"

نبی علیہ السلام کی تنقیص کی یہ ایک انتہائی خطرناک کوشش ہے ہمیں کوئی

سمجھائے۔ کیا گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی اطاعت گاؤں والوں پر فرض ہوتی ہے کیا چوہدری کو نہ ماننے سے گاؤں والے کافر ہو جاتے ہیں۔ پھر اس لغو تشبیہ سے کیا حاصل؟۔ ص۴۳ پر لکھتے ہیں۔

"یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں۔ سو بیان کرو۔ وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں" —— یہ ٹھیک ہے رسالت سے بڑھ کر بشر کا کوئی مرتبہ نہیں۔ مگر حضور کو صرف رسول کہہ دینے سے آپ کے تمام کمالات کس طرح آجاتے ہیں۔ رسول تو تین سو تیرہ ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ تلك الرسل فضلنا بعضهم علىٰ بعض (بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت ہے) بتلائیے قرآن کریم میں آپ کی مدح میں اللہ تعالےٰ نے آپ کا صرف وصف رسالت بیان کیا ہے۔ اور

ورفع بعضهم درجات علمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما مازاغ البصر وماطغىٰ انك لعلىٰ خلق عظيم ما ارسلناك الا رحمة للعالمين قرآن کریم کی بے شمار آیات اور احادیث کا وافر ذخیرہ کس کی فضیلت میں وارد ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسان کو منبر پر بٹھا کر ان سے صرف رسول کی گردان سنا کرتے تھے۔ بتلایئے بھلا آپ کو حضور کی اس تنقیص اور فضائل کی قطع برید سے کیا حاصل ہوا؟ صفحہ ۲۲ پر لکھتے ہیں۔

یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔ الی ان قال اولیاء انبیاء امام و امام زادہ پیر و شہید یعنے جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی ہیں مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔

صفحہ ۲۲ پر نبی علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔
"یعنی میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں"
صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔
"اور جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی چیز کا مختار نہیں"
صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں۔
"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"
قارئین کرام آپ ان عبارتوں کو پڑھیئے اور سوچئے کہ نبی علیہ السلام کے فضائل اور کمالات کو مٹانا کن لوگوں کا شعار ہے۔ اور کیا نبی علیہ السلام کی بشریت اسی لئے دن رات پیش کی جاتی ہے کہ یہ مذکورہ بالا بکواس آپ کی شان میں کی جائے اور آپ کے تمام فضائل کا انکار کر دیا جائے۔

نبی علیہ السلام کی نورانیت

نبی علیہ السلام کی بشریت پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اب ہم مصباح کلام کو آپ کی نورانیت سے روشن کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین۔	تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین۔

قرآن کریم کی اس دلیل پر مولوی سرفراز صاحب کا ارشاد ہے کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ اس میں لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ اور چونکہ واؤ عطف سے کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور معطوف و معطوف علیہ متغائر ہوتے ہیں۔ لہذا نور الگ شئے ہے اور کتاب جدا۔

الجواب۔ اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے۔ اور عطف محض تفسیری ہے"۔ (تنقید متین ص ۱۰۵)۔

آیئے اب ہم آپ کو بتلائیں کہ یہ کہنے والے کون ہیں۔ کہ نور سے مراد نبی علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ ملاحظہ ہو، تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی اسی آیۃ کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

وفیہ اقوال (الاول) ان المراد بالنور محمد وبالکتاب القرآن۔ (والثانی) ان المراد بالنور الاسلام وبالکتاب القرآن (الثالث) النور والکتاب ھو القرآن وھذا ضعیف لان العطف یوجب المغائرۃ

اور اس آیت میں کئی اقوال ہیں۔ پہلا یہ کہ بیشک نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے قرآن کریم۔ دوسرا یہ کہ نور سے اسلام مراد ہے اور کتاب سے قرآن۔ تیسرا یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہو اور یہ کمزور بات ہے کیونکہ عطف تغائر کو چاہتا ہے۔

اب غالباً مولوی سرفراز صاحب کو پتہ چل گیا ہوگا۔ کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدہ کی عمارت کھڑی کی ہے۔ وہ تیسرے درجہ کا قول ہے۔ جس کو امام رازی نہایت کمزور قرار دیتے ہیں۔ ملا علی قاری حنفی اسی آیت کے تحت شرح شفا ص۴۲ ج۱ پر فرماتے ہیں۔

(قد جاءکم من اللہ نور) ای لظھور الحق وابطال الباطل واطلق علیہ الصلوٰۃ والسلام لانہ یھتدی بہ من الظلمات الی النور (کتاب مبین) بین الاعجاز وبین الاحکام وھذا شاھد للمدعی الاول وبیانہ ان الاصل فی العطف المغائرۃ۔

(تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور) یعنی حق کے ظہور اور باطل کو ملیا میٹ کرنے کیلئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق اسلئے کیا گیا کہ آپ سے ظلمات میں نور کی طرف ہدایت حاصل کی جاتی ہے (اور کتاب مبین) جسکا اعجاز ظاہر ہے اور وہ احکام بیان کرنے والی ہے اور یہ پہلے مطلوب کی دلیل ہے جس کا بیان یہ ہے کہ اصل عطف میں مغائرۃ ہے۔

باقی رہا مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا۔ کہ واو کا عطف تفسیری ہے اس

کا ایک جواب تو یہ ہے۔ کہ واؤ عاطفہ میں اصل مغائرت ہے اور عطف تفسیر مجاز ہے۔ اور کاش کہ آپ نے "اصول الشاشی" پڑھی ہوتی۔ تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اصل الفاظ میں حقیقت ہے۔ تاوقتیکہ تعذر عقلی یا شرعی لازم آئے۔ پس آپ کا بدون [illegible] تعذر کے واو کو عطف تفسیری پر محمول کرنا علم سے تہی دستی کے سوا اور کیا ہے اور اسی عطف تفسیری کا دوسرا جواب ملا علی قاری حنفی کی زبان سے ملاحظہ فرمائیے۔

شرح شفا میں اسی مقام پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقد حاول بعض المفسرين بانه من باب الجمع بين الوصفين باعتبار تغائرهما اللفظي وان المراد بهما القرآن وقد يقال في مقابلهم وای مانع من ان يجعل النعتان للرسول صلى الله عليه وسلم فانه نور عظيم لكمال ظهوره بين الانوار وكتاب مبين من حيث انه جامع لجميع الاسرار ومظهر للاحكام والاحوال والاخبار

اور بحقیق بعض مفسرین نے یہ ارادہ کیا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور عطف میں تغائر لفظی بلحاظ صفات کے ہے۔ اور بلا خوف وخطر انکے مقابلہ میں یہ بات کہی جائے گی کہ جب نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم لیا جا سکتا ہے، تو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے رسول اللہ کی ذات کریم مراد لی جائے بایں طور کہ نور اور کتاب مبین ہونا دونوں آپکی صفات میں سے ہوں۔ کیونکہ آپ نور اس لحاظ سے ہیں۔ کہ انوار میں کامل ظہور رکھتے ہیں۔ اور کتاب مبین اس اعتبار سے ہیں کہ آپ جمیع اسرار الٰہیہ کے جامع احکام شرعیہ کے مبین اور اخبار و حالات کے بتلانے والے ہیں۔

اسی طرح علامہ آلوسی پارہ ۶ صفحہ ۸۷ پر اسی آئت کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا يبعد ان يراد بالنور والكتاب

اور بعید نہیں کہ نور اور کتاب

المبين النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعطف علیہ کالعطف علی ما قالہ الجبائی ولا شک فی صحۃ اطلاق کل علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

مبین دونوں سے نبی علیہ السلام کی ذات مقدسہ مراد ہو۔ اگر عطف کو جبائی کی طرح عطف تفسیری پر محمول کیا جائے اور بلا ریب نبی علیہ السلام پر نور اور کتاب مبین دونوں کا اطلاق صحیح ہے۔

آپ نے غور فرمایا۔ مداح نبی ملا علی قاری حنفی اور علامہ آلوسی حنفی تو مدحت رسول اور عظمت نبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد آپ کی ذات ہے اور رفعت نبی اور عظمت رسالت کے منکر کہتے ہیں۔ کہ دونوں تو کجا ایک سے بھی مراد آپکی ذات نہیں ہے۔ مولوی سرفراز صاحب نے ذکر رسول کو قطع کرنے کیلئے جس طرح مقراض دیوبند کو استعمال کیا ہے۔ اس نے ان کی فطرت کے نقوش کو خوب اُبھار کر عوام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اب عوام کو غور کرنے کا موقع ملے گا کہ دیوبند کے اسلام اور عشق نبی کے نعروں میں کتنی اصلیت ہے۔ کیا یہ حقیقت اب واضح نہیں ہو گئی ہے۔ کہ دیوبندی نصاب اپنے فضلاء کے سینوں میں کوٹ کوٹ کر بغض رسالت کی چنگاریاں بھر دیتا ہے۔ جس کا ایک اندازہ دیوبند کے اس فاضل کی تحریر سے کیا جا سکتا ہے۔

ملا علی قاری حنفی کے بعد سید محمود آلوسی حنفی کا کلام ملاحظہ فرمایئے روح المعانی میں فرماتے ہیں۔

(قد جاءکم من اللہ نور) عظیم وھو نور الانوار والنبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم والی ھذا ذھب قتادہ

تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور عظیم اور وہ تمام نوروں کا نور ہے اور نبی مختار ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف قتادہ گئے ہیں

واختارہ الزجاج۔

اور اسی کو زجاج نے اختیار کیا۔

علامہ آلوسی کے اس کلام سے مستفاد ہوا کہ حضور تمام انوار کی اصل ہیں اور یہ عبارت مبتدعین دیوبند کے اس فاسد عقیدہ پر ضرب کاری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط ہدایت کے لحاظ سے نور ہیں۔ اور حسی نورانیت آپ کو نہیں ملی۔ حق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسی اور معنوی ہر قسم کی نورانیت کے جامع اور تمام انوار کے نور ہیں۔ اور مختلف اوقات میں آپ سے مختلف کے مقتضیات ظہور میں آئے۔ جب بشریت کا غلبہ ہوا تو بشری پائے گئے۔ اور جب نور معنوی یا حسی غالب ہوا تو اس کے مظاہر خلعت وجود سے ملبوس ہوئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے اپنی تفسیر جلالین میں فرمایا۔

(قد جاءکم من اللہ نور) ھو نور النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

قد جاءکم من اللہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ذکر ہے۔

اس پر شیخ احمد صادی مالکی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔

وسمی نورا لانہ ینور البصائر ویھدیھا للرشاد ولانہ اصل کل نور حسی و معنوی۔

آپکو نور سے اسلئے موسوم کیا گیا ہے کہ آپ بصائر کو منور کرتے ہیں اور انہیں استقامت کی ہدایت عطا فرماتے ہیں اور اسلئے کہ آپ ہر نور کی اصل ہیں خواہ حسی ہو یا معنوی۔

شیخ ابو سعود اس آیہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

قیل المراد بالاول ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبالثانی القرآن۔

کہا گیا ہے کہ اول یعنی نور سے مراد رسول کریم کی ذات اور ثانی یعنی کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے۔

حضور کی نورانیت پر سرفراز صاحب کے اعتراض کا جواب

مولوی سرفراز صاحب نے نور سے ذات نبی مراد نہ ہونے پر ایک دلیل قائم کی

ہے۔ لکھتے ہیں۔ اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ذکر اسی آیت کے شروع میں مستقل ہو چکا ہے ص۱۰۵

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم الایہ۔	اے اہل کتاب تحقیق سے آیا تمہارے پاس ہمارا رسول ظاہر کرتا ہے تم پر۔ اور آخر میں

کتاب کا ذکر ہے جو روشن بھی ہے اور بین بھی ص۱۰۵

اس بے سروپا شبہ کے جواب میں مفسرین کی عبارات لانے کی بجائے بہتر ہو گا کہ مبتدعین دیوبند کے حکیم علی الاطلاق مولوی اشرف علی تھانوی کا کلام پیش کیا جائے۔ رسالۃ النور ص۳۱ پر لکھتے ہیں :-

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین یھدی بہ اللہ ایک تفسیر یہ ہے کہ نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر بھی قد جاءکم رسولنا فرمایا ہے۔ تو یہ قرینہ ہے اس پر کہ دونوں جگہ جاءکم کا فاعل ایک ہو۔

اب آپ غور فرمایئے کہ مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک سباق میں قد جاءکم رسولنا کا ذکر نور سے حضور کی ذات مراد نہ ہونے پر قرینہ ہے اور ان کے حکیم الامت کے نزدیک سباق میں اسی قد جاءکم رسولنا کا ذکر نور سے آپ کی ذات مراد ہونے پر قرینہ ہے۔ اب کس کا بتلایا ہوا قرینہ صحیح ہے اور کس کا غلط یہ فیصلہ ہم مولوی سرفراز صاحب کے ذوق سلیم پر چھوڑتے ہیں۔ خواہ خود کو جاہل بنا کر تھانوی صاحب کی تصحیح کریں۔ یا اپنے کلام کو صحیح قرار دے کر امت دیوبند کے حکیم کو جہالت کی بھٹی میں جھونک دیں۔

حضور کی نورانیت پر سرفراز صاحب کا ایک اور اعتراض اور اسکا جواب

نور سے حضور کی ذات اقدس مراد لینے پر مولوی سرفراز صاحب کا تیسرا

اعتراض یہ ہے کہ۔ اگر نور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب مبین سے الگ چیز مراد ہوتی۔ تو ضمیر تثنیہ کی بہما مناسب تھی۔

قرآن کریم میں ایسی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔ جن میں امور متعددہ کی طرف ضمیر واحد کا علی سبیل البدیہتہ ارجاع کیا گیا ہو۔ لیکن بغض رسالت کا کیا علاج کہ مولوی سرفراز صاحب کو پورے قرآن میں صرف یہی ایک مقام کھٹکا ہے۔ بہرحال جواب حاضر ہے۔ علامہ ابو سعود آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

توحید الضمیر المجرور لاتحاد المرجع بالذات اولکونہا فی حکم الواحد او ان یہدی بما ذکر الخ

ضمیر مجرور کو واحد یا تو اسلئے لایا گیا ہے کہ انکا مرجع متحد بالذات ہے رکیونکہ احکام قرآنی کی جامع انسانی صورت اگر متصور ہو سکتی ہے

تو وہ آپ کی ذات مقدسہ ہے اور اگر آپ کی ذات وصفات کی اگر کوئی جامع عبارت حاصل ہو سکتی ہے۔ تو وہ قرآن کریم ہے) یا اس لئے کہ دونوں کا حکم ایک ہے دکیونکہ دونوں واجب الاطاعت ہیں) اور یا ضمیر دونوں کی طرف مذکور کی تاویل میں راجع ہے (اور یہی وہ جواب ہے جو اس قسم کے مواقع پر بالعموم مفسرین اور شارحین دیا کرتے ہیں)، شیخ ابو سعود کی طرح علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی نے انوار التنزیل میں علامہ اسمٰعیل حقی نے روح البیان میں اور دیگر اکابر علماء نے بھی اپنی تفاسیر میں اسی قسم کے جوابات دیئے ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے۔ کہ معاندین رسالت اپنے تو ہمات کے تیر برسا رہے ہیں۔ اور نبوت کے پروانے دلائل و براہین کی سپر بن کر ان کے مقابل آگئے۔

علاوہ ازیں اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجع بھی واحد ہونا چاہیئے۔ تو چلئے یہی سہی لیکن یہ کب ضروری ہے کہ اگر مرجع واحد ہو تو

نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہو، یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ دونوں سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو۔ اور یہی جواب ملا علی قاری نے شرح شفا میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں دیا ہے جسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

منصف مزاج کیلئے یہ جاندار حوالے کافی ہیں اور جن کے دل ظلم و عدوان سے مردہ ہو چکے ہیں۔ ان کا ہم کوئی ذمہ نہیں لیتے۔ اب اس ضمن میں صاحب بیضاوی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

(قد جاءکم من اللہ نور) ھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرید بالنور محمداً صلی اللہ علیہ وسلم۔	آیت مبارکہ میں نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ فرماتا ہے۔

تفسیر خازن میں ہے۔

(قد جاءکم من اللہ نور یعنی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم انما سماہ اللہ نوراً لانہ یھتدی بہ کما یھتدی بالنور فی الظلام	نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا ہے اور آپ کو نور سے موسوم کرنے کی اسکے سوا کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ آپ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسے نور سے

اندھیروں میں ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

علامہ نسفی حنفی مدارک التنزیل میں زیر نظر آیۃ کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

او النور محمد علیہ السلام لانہ یھتدی بہ کما سمی سراجا۔	یا نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ آپ کو قرآن کریم میں دوسری جگہ سراج سے موسوم کیا ہے۔

ان مختصر اور جاندار حوالوں کے بعد ہم اس آیت پر علامہ اسمٰعیل حقی کا

نورانی اور روح پرور کلام روح البیان سے نقل کرتے ہیں۔ لیجئے آپ بھی ملاحظہ کر کے اپنے قلوب اور ارواح کو منور فرمائیے۔

واعلم ان الله تعالیٰ بعث النبی صلی الله علیه وسلم نورا یبیّن حقیقة حظ الانسان من الله تعالیٰ وانهٗ تعالیٰ سمی نفسه نورا بقوله تعالیٰ الله نور السموات والارض لانهما کانا مخفیتین فی ظلمة العدم فالله تعالیٰ اظهرهما بالایجاد وسمی الرسول نورا لان اول شی اظهره الحق بنور قدرته من ظلمة العدم کان نور محمد صلی الله علیه وسلم کما قال اول ما خلق الله نوری ثم خلق العالم بما فیه من نوره بعضه من بعض فلما ظهرت الموجودات من وجود نوره سماه نورا وکل ما کان اقرب الی الاختراع کان اولی باسم النور کما ان عالم الارواح اقرب الی اختراع من عالم الاجسام فلذلک سمی عالم الانوار والعلویات نورانیا بالنسبة

اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحیثیت نور مبعوث فرمایا۔ اور آپ نے انسان کا حصہ الٰہی بیان کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اپنے قول اللہ نور السموات والارض میں نور سے موسوم فرمایا کیونکہ ارض و سما ظلمت عدم میں مستور تھے پس اللہ تعالیٰ نے صفت ایجاد سے انہیں ظاہر فرمایا۔ اور نبی علیہ السلام کو نور فرمایا کیونکہ وہ پہلی مخلوق جسے اللہ تعالیٰ نے نور قدرت سے ظاہر فرمایا۔ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس طرح آپ نے خود فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عالم کے بعض انوار کو بعض سے پیدا فرمایا پس جب آپ کے نور سے موجودات ظاہر ہو گئے تو آپ کا نام نور رکھا اور وہ ہر شے جو اقرب الی الایجاد ہو وہ اسم نور کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ عالم ارواح جب کہ ایجاد کے زیادہ قریب تھا تو اسی وجہ سے اسے عالم انوار کا نام دیا۔ اور عالم علوی نورانی ہے۔ بنسبت

الی السفلیات فاقرب الموجودات
الی الاختراع لما کان نورا فالنبی صلی
اللّٰہ علیہ وسلم کان اولی باسم النور
ولھذا کان یقول انا من اللّٰہ و
المؤمنون منی وقال تعالی قد جاءکم
من اللّٰہ نور وروی عن النبی علیہ
السلام انہ قال کنت نورا بین یدی
ربی قبل خلق ادم باربعۃ عشر الف
عام وکان یسبح ذالک النور وتسبح
الملائکۃ بتسبیحہ فلما خلق ادم
القی ذالک النور فی صلبہ وعن
ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما عن
النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال
لما خلق اللّٰہ ادم اھبطنی فی
صلبہ الی الارض وجعلنی فی صلب
نوح فی السفینۃ وقذفنی فی صلب
ابراھیم ثم لم یزل تعالی ینقلنی من
الاصلاب الکریمۃ الی الارحام
الطاھرۃ حتی اخرجنی من ابوی
لم یلتقیا علی سفاح قط۔

عالم سفلی کے پس نور نبی جبکہ تمام موجودات
کی نسبت ایجاد کے سب سے زیادہ قریب ہے
لہذا نور کا نام سب سے زیادہ آپ ہی کی ذات
مقدسہ کے مناسب ہے۔ اسی لئے آپ نے
فرمایا کہ میں اللہ کے نور کی (تجلی) سے پیدا ہوا۔
اور مومنین مجھ سے۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے بلا
ریب تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور آیا اور
نبی علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں اپنے رب کے پاس
بحیثیت نور آدم کی پیدائش سے چودہ ہزار برس
پہلے موجود تھا اور یہ نور اللہ کی حمد و ثنا کرتا تھا اور
فرشتے اس حمد سے تسبیح کیا کرتے تھے پس جب
آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ نور انکی پشت میں
میں رکھا گیا اور ابن عباس رضؓ سے مروی ہے۔ وہ
کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ
نے جب آدم کو پیدا کیا تو مجھے انکی پشت کے ضمن
میں زمین پر اتارا۔ پھر صلب نوح کے ضمن میں کشتی
میں اتارا اور ابراہیم کی پشت میں رکھا پھر اسی
طرح مجھے کریمانہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی
طرف نقل فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے میرے
والدین کی طرف بھیجا۔ جو کبھی زنا پر اکٹھے
نہیں ہوئے۔

حضور کی نورانیت اکابر دیوبند کی نظر میں

مسئلہ نورانیت محمدی میں جمہور مفسرین کا کلام سپرد رقم کرنے کے بعد ہم اس موضوع پر ان ستونوں کی عبارت پیش کرتے ہیں جن کے کاندھوں پر عمارت دیوبند کا بوجھ ہے۔ اور ظاہر ہے ان عمائد کو گرانا دیوبند کو مسمار کرنے کے مترادف ہے۔ اب مولوی سرفراز صاحب یا تو علماء دیوبند کی پوجا چھوڑ دیں اور یا توبہ کر کے اہل سنت کے مسلک کو قبول کرلیں۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔ "امداد السلوک" ص۸۶ پر لکھتے ہیں۔

حقتعالیٰ درشان حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ آمدہ نزد شما از طرف حق تعالیٰ نور و کتاب مبین و مراد از نور ذات پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم است۔

حق تعالے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے کہ آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین اور نور سے مراد حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی رسالہ النور ص۳۱ میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔
"اب لیجئے کہ نور کی حقیقت ہے ظاہر بنفسہ مظہر لغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مظہر کے بہت مناسب ہے۔ کہ مراد نور سے آپ ہوں"

مولوی سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں اسی آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔
"شائید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے"

شائید کی یہ ہڈی ان کے گلے میں جا کر اس طرح پھنسی ہے نہ صاف اقرار کر سکتے ہیں اور نہ واضح انکار کی ہمت ہو سکی۔ عجیب مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مولوی

مشتاق احمد نے رسالہ التوسل میں لکھا۔ اور اسے مولوی محمود الحسن۔ مفتی کفایت اللہ مفتی محمد شفیع جیسے صنادید دیوبند کی تائیدات سے مزین کیا اس میں اسی آیت کے تحت ص۲۳ پر لکھتے ہیں۔

"نور سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے"

ہم نے آپ کے سامنے کھلی کتاب میں علماء دیوبند کی عبارات کو پیش کر دیا ہے کہ رؤسا دیوبند آیۃ مذکورہ میں نور سے رسول کریم کی ذات اقدس مراد لیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مولوی سرفراز صاحب کا قول بھی نقل کر دیا ہے کہ وہ نور سے رسول اللہ کے مراد ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ دونوں میں کون غلط اور گمراہ ہے۔ اس پر ہم ناظرین کی بصیرت منصف بناتے ہیں۔

حضور کی نورانیت پر قرآن سے مزید دلائل

مولوی سرفراز صاحب نے اپنے ضعیف مطالعہ اور علمی فقدان سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر یہی ایک دلیل ہے۔ یہ ان کی خوش فہمی بلکہ غلط فہمی ہے۔ دیدہ بینا کے لئے قرآن شریف میں انگنت آیات نبی علیہ السلام کی نورانیت کی حامل ہیں۔ ہم چند آیات مع تفسیری حوالوں کے نذر رقم کرتے ہیں۔ قاضی عیاض مالکی شفا ص۱۰ میں فرماتے ہیں۔

وقال اللہ تعالیٰ اللہ نور السمٰوات والارض الایۃ۔ قال کعب الاحبار وابن جبیر المراد بالنور الثانی ھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقولہ تعالیٰ مثل نورہ ای نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم	اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ کعب احبار اور ابن جبیر نے کہا کہ یہاں نور ثانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول مثل نورہ اس کا معنی ہے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وقال سهل بن عبد الله المعنى الله
هادى اهل السموات والارض
ثم قال مثل نور محمد اذا كان
مستودعا فى الاصلاب كمشكوٰة
صفتها كذا واراد بالمصباح قلبه
والزجاجة صدره اى كانه
كوكب درى لما فيه من الايمان
والحكمة يوقد من شجرة مباركة
اى من نور ابراهيم عليه الصلوٰة
والسلام وضرب المثل بالشجرة
المباركة وقوله يكاد زيتها يضئى
اى تكاد نبوة محمد صلى الله عليه
يتبين للناس قبل كلامه كهذا
الزيت وقد قيل فى هذه الاية
غير هذا والله اعلم وقد سماه
الله فى القرآن فى غير هذا الموضع
نورا وسراجا منيرا فقال تعالى
قد جاءكم من الله نور وكتاب
مبين وقال تعالى انا ارسلناك
شاهدا ومبشرا ونذيرا وداعيا
الى الله باذنه وسراجا منيرا

کی مثال اور سہل بن عبد اللہ نے کہا کہ معنی
یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا ہادی ہے
پھر کہا مثال نور محمد کی جیسکہ وہ پشتوں
میں بطور امانت تھا مثل اس طاق کے ہے
جسکی ایسی ایسی صفت ہو اور مصباح سے
آپکے قلب کا ارادہ کیا۔ اور زجاجہ سے سینہ
اقدس کا گویا کہ وہ سینہ ایک روشن ستارہ ہے
جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا ہے۔ اور ایک
درخت سے روشن ہے یعنی خود ابراہیم علیہ السلام
سے اور شجر مبارکہ سے محض مثال دی گئی
ہے۔ اللہ عزوجل کا قول یکاد زیتہا یضیئ
اسکا مطلب یہ ہے کہ قریب ہے کہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ
وسلم اپنے دعوائے نبوت سے پہلے لوگوں کے دلوں
پر ظاہر ہو جائیگی مثل اس زیتون کے اور
اس آیت میں اور بھی مضمون بیان کئے گئے
ہیں۔ واللہ اعلم اور بلا ریب اللہ تعالے نے آپکو
قرآن میں اس مقام کے علاوہ نورا اور سراج منیر
سے موسوم فرمایا ہے پس اللہ تعالی نے فرمایا قد
جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین اور فرمایا۔ انا
ارسلناک شاہدا ومبشرا ونذیرا وداعیا
الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔

ومن هذا قوله تعالىٰ الم نشرح لك صدرك الى آخر السورة شرح وسع والمراد بالصدر ههنا القلب قال ابن عباس رضی الله عنهما شرحه بنور الاسلام و قال سهل بنور الرسالة الخ۔

اور اسی ضمن میں فرمایا۔ الم نشرح لک صدرک الخ الصدر سے مراد قلب اطہر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دل کو نور اسلام سے لبریز کر دیا۔ اور سہل نے کہا نور رسالت سے۔

ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا جلد ۲ میں اسی مضمون کی شرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

والحاصل ان نور محمد صلی الله علیه وسلم انتقل من آبائه الکرام الی ان ظهر ظهورا بینا فی ظهر ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام اذ صار علما فی علم التوحید ولا سیما فی باب التفویض والاستسلام فهو شجرة کثیرة الخیر لان من بعده من الانبیاء کلهم من ذریته وکان اکثرهم من جهة الشام من الارض التی بارك الله تعالىٰ حولها وکان الزیتونة اشارة الیها۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آباء کرام سے منتقل ہوتا رہا۔ یہانتک کہ ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں ظاہر ہوا۔ جبکہ وہ توحید میں علم کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور خاص طور پر تسلیم و رضا کے باب میں پس وہ کثیر خیر کے حامل شجر تھے۔ کیونکہ بعد کے تمام انبیاء آپکی اولاد میں سے تھے۔ اور ان میں سے اکثر ملک شام سے مبعوث ہوئے جس کی زمین میں اللہ تعالیٰ نے برکت ودیعت کی تھی اور ممکن ہے کہ زیتون سے اسی طرف اشارہ ہو۔

تفسیر خازن میں سراجا منیرا کے تحت مرقوم ہے۔

معناه امدّ الله بنور نبوته

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکے نور

نور البصائر کما یمد بنور السراج نور الابصار۔

نبوت سے بصائر کے نور کی مدد فرمائی جیسے نور سراج سے نور ابصار کی مدد کی جاتی ہے۔

امام رازی علیہ الرحمتہ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

قال فی حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم سراجا ولم یقل انہ شمس مع ان النہار اشہر اضارۃ من السراج لفوائد منہا ان الشمس نورہا لا یؤخذ منہا شئی والسراج یوخذ منہ انوار کثیرۃ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے حق میں چراغ فرمایا اور شمس نہ فرمایا۔ حالانکہ سورج کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ شمس کا نور اخذ نہیں کیا جاتا بخلاف چراغ کے کیونکہ اس سے انوار کثیرہ حاصل کئے جاتے ہیں

قد جاءکم من اللہ نور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے کون تھے

ہم نے گذشتہ سطور میں یہ امر انتہائی بسط کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔ کہ اہلِ سنت کے نزدیک نورانیتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حقیقت ثابتہ ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک "قد جاءکم من اللہ نور" میں نور سے مراد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب لگے ہاتھ یہ بھی دیکھتے چلئے۔ کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن کریم لے کر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے والے کون لوگ ہیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر میں مرقوم ہے :۔

وقال ابو علی الجبائی عنی بالنور القرآن لکشفہ واظہارہ طرق الھدی والیقین واقتصر علی ذالک الزمخشری۔

ابو علی جبائی نے کہا نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ کیونکہ وہ حقائق کا کشف وبیان اور ہدائیت کے طریقوں کو ظاہر کرتا ہے اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اکتفا کیا ہے۔

اور زمخشری صاحب کشاف کا کیا مذہب ہے۔ نیز اس ص۲۸ میں ہے
وکان صاحب الکشاف یکنی نفسہٗ ابا لمعتزلۃ۔ صاحب کشاف نے
اپنی کنیت ابو معتزلہ رکھی تھی۔ نیز اس ص ۲۹ پر ابو علی جبائی کے ترجمہ میں
ذکر کیا ہے۔ ابی علی جبائی ھو محمد بن عبد الوھاب من معتزلۃ بصرۃ
ابو علی جبائی کا نام محمد ابن عبد الوہاب تھا اور وہ معتزلہ بصرہ سے تھا۔

نیز اس کے ان حوالوں سے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ ابو علی جبائی اور زمخشری
دونوں معتزلہ تھے۔ اور روح المعانی کی عبارت سے واضح ہوگیا کہ یہی معتزلہ
نورانیتِ نبی کا انکار کر کے نور کا قرآن میں انحصار کرتے ہیں پس اب غور
فرمائیے کہ مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی نے نورانیتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
انکار کر کے کن لوگوں کے برابر میں اپنے عقیدہ کو شامل کر لیا ہے۔

حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ۔ مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی نے اپنی کتاب کے
ص۱۰۷ پر لکھا کہ "نورانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری دلیل حدیث
جابرؓ سے دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ امام عبد الرزاق شیعہ
تھے۔ اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے مجروح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس جرح کا جواب دینے سے پیشتر ہم آپ کے سامنے اہلِ سنت کے
ان اکابر علماء کی عبارات پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو روائیت
اور اس سے استدلال کیا ہے۔ امام احمد علیہ الرحمتہ کے استاذ اور بخاری و
مسلم کے استاذ الاستاذ امام عبد الرزاق اپنی تصنیف میں اور امام بیہقی
دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روائیت کرتے
ہیں۔ قال قلت یا رسول اللہ بابی
انت وامی اخبرنی عن اول شیئ

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا
یا رسول آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔
مجھے بتلائیں کہ سب سے پہلے اللہ

خلقه الله تعالیٰ قبل الاشیأ قال
یا جابر ان الله تعالیٰ قد خلق قبل
الاشیاء نور نبیك من نورہ فجعل
ذلك النور یدور بالقدرۃ حیث
شاء الله تعالیٰ ولم یکن فی ذالك
الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا
نار ولا ملك ولا سماء ولا شمس و
لا قمر ولا جنی ولا انسی فلما
اراد الله تعالیٰ ان یخلق الخلق قسم
ذالك النور اربعة اجزاء فخلق من
الجزء الاول القلم و من الثانی اللوح
ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء
الرابع اربعة اجزاء الحدیث بطوله

کس کو پیدا کیا۔ فرمایا اے جابر بے شک
اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور
خدا کی قدرت سے جہاں چاہا دورہ
کرتا رہا۔ اس وقت لوح قلم جنت
دوزخ۔ فرشتے۔ آسمان۔ زمین
سورج۔ چاند جن وانس کچھ نہیں
تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے
مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔ تو اس
نور کے چار حصے کئے۔ پہلے سے قلم
دوسرے سے لوح۔ تیسرے سے
عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار
حصے کئے۔ الحدیث۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ کے مقصد اول میں ارقام فرماتے ہیں۔

لما تعلقت ارادۃ الحق تعالیٰ
بایجاد خلقه وتقدیر رزقه ابرز
الحقیقة المحمدیة من الانوار
الصمدیة فی الحضرۃ الاحدیة ثم
سلخ منها العوالم کلها علوها و
سفلها علی صورۃ حکمه کما سبق
فی سابق ارادته وعلمه ثم اعلمه

جب حق تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا
کرنے کا اور اس کے رزق مقرر کرنے کے
ساتھ متعلق ہوا تو اس نے حقیقت محمدیہ
کو صمدی انوار سے بارگاہ احدیت
میں ظاہر فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت
محمدی سے تمام عالم علوی اور سفلی کو اپنے
ارادہ ازلی کے مطابق اخراج فرمایا پھر

تعالیٰ بنبوتہ وبشرہ برسالتہ هكذا وآدم لم یکن الا کما قال صلے اللّٰہ علیہ وسلم بین الروح والجسد

اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدی کو نبوت کی خبر اور رسالت کی بشارت دی اور ابھی حضرت آدم فرمان نبوی کے مطابق روح اور جسد کے درمیان ہی تھے۔

اس کی شرح میں امام زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں ارقام لکھتے ہیں۔

وانما کانت الحقیقة المحمدیة ھی صورة الحقیقة الحقائق لاجل ثبوت الحقیقة المحمدیة فی خلق الوسطیة ھی عین النور الاحمدی المشار الیہ بقولہ علیہ السلام اول ما خلق اللہ نوری

اور جزایں نیست کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت خلق وسطیہ میں ہے۔ جو کہ عین نور احمدی ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔

امیر عبد القادر الجزائری الحسنی اپنی کتاب مواقف ص۹۹ میں فرماتے ہیں۔ فان حقیقة صلی اللہ علیہ وسلم ھی الرحمة التی وسعت کل شئی وعمت ھذہ الرحمة حتی اسماً الحق تعالیٰ من حیث ظهور آثارها ومقتضیاتها بوجود هذه الرحمة وهذه الرحمة ھی اول شئی فتق ظلمة العدم واول صادر عن الحق تعالیٰ بلا واسطة وھی الوجود المفاض علی اعیان المکنونات

بلا ریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ رحمتِ عظمیٰ ہے جس نے ہر شے کا احاطہ کر لیا ہے۔ حتی کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے اسماء کو بھی یہ رحمت شامل ہے۔ کیونکہ ان اسماء کے مقتضیات اور آثار کا ظہور اس رحمت محمدی سے وجود میں آیا۔ اور اسی رحمت نے سب سے پہلے پردہ عدم کو چاک کیا اور یہ پہلی مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ صادر ہوئی اور اس وجود کا فیضان تمام موجودات کو

وقد ورد فی الخبر اول ما خلق الله نور نبیک یا جابر۔

شامل ہے اور بالتحقیق حدیث شریف میں وارد ہوا کہ اے جابر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

سیدی عبدالکریم جیلی ناموس اعظم کی کتاب النور باب اول میں فرماتے ہیں

ان اللہ تعالیٰ خلق محمداً صلی اللہ علیہ وسلم کثیر السعادۃ الکبرٰی وانموذجاً للطائفۃ صورۃ ومعنی فجعل مرتبتہ فی الوجود المرتبۃ العلیۃ التی لیس فوقہا مرتبۃ الوجود۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سعادت کبرٰی اور تمام لوگوں کے لئے ظاہری اور باطنی نمونہ بنا کر پیدا فرمایا اور وجود میں آپ کا مرتبہ اللہ نے سب سے پہلے رکھا جس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

شیخ عبداللہ البوسنوی مطالع النور السنی کے مطلع اول میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان الحق تعالیٰ لما اراد ان یعرف من حیث ظہور آثار الاسماء الالٰہیہ تجلیاتہا من حضرۃ الالوہیۃ خلق اولا الروح المحمدی علی الصورۃ الجمعیۃ ثم منہ جمیع العوالم العلویۃ الروحانیۃ العقلیۃ والعوالم السفلیۃ الخلقیۃ العنصریۃ الی خاتم الصور النوعیۃ الکونیۃ وھو آدم علیہ السلام کما روی عن جابر بن عبداللہ انصاری

یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسماء الٰہیہ کے آثار کے ظہور سے بارگاہِ الوہیت کی تجلیات کی معرفت کرائے تو اس نے سب سے پہلے روح محمدی کو جامع صورت پر پیدا کیا پھر اس نے جمیع عالم علوی، روحانی اور جمیع عالم سفلی جسمانی کو پیدا فرمایا۔ حتےٰ کہ خاتم صور نوعیہ یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رض سے مروی ہے

قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اول شئی خلقه الله قال هو نور نبیك یا جابر خلقه من نوره ثم خلق منه کل خیر وخلق بعده کل شئی الحدیث۔

کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے جس کو اللہ نے اپنے نور کے سبب سے پیدا فرمایا۔ پھر اس نور سے ہر اچھی چیز کو پیدا فرمایا۔ اور اس کے بعد ہر چیز کو پیدا فرمایا۔

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ـــ واما اول وے صلی اللہ علیہ وسلم اولست در ایجاد کہ اول ما خلق اللہ نوری واولست در نبوت کہ کنت نبیا وآدم لمنجدل فی طینتہ۔

بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں اول ہونا پس وہ اسلئے ہے کہ پہلی وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے۔ اور نبوت میں اول ہونا اسلئے ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی زمین پر افتادہ تھے۔

ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکی علامہ فاسی علامہ دیاربکری سیدی عبدالغنی نابلسی امام ابوالحسن اشعری وغیرہم نے بھی اس مضمون جلیل کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس پر اظہار اعتماد فرمایا ہے۔

اوّلیت اضافی کا جواب

سرفراز صاحب نے حدیث جابر کو رد کرنے کیلئے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث میں حضور کے اول خلق ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ حضور اوّل خلق نہیں ہیں چنانچہ موضوعات کبیر سے قلم کے اوّل خَلق کی روائت کو لیکر مولوی سرفراز صاحب تنقید متین پر کہتے ہیں۔ "اس صحیح روائت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تقدیر کو پیدا کیا ہے۔ جب صحیح روائت سے قلم کی اولیت ثابت ہے۔ تو بلا وجہ اسکو بجائے اول

حقیقی کے اولیت اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں ہے"۔

چند سطریں آگے چل کر دبی زبان سے مولوی صاحب اعتراف تو کرتے ہیں۔ کہ "ہاں ملا علی قاری نے مرقات صـ۱۴۹ ج ۱۔ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات میں آپ کا نور ذکر کیا ہے لیکن خود ان کی کتابوں میں تصریح ہے۔ کہ نور سے مراد روح ہے"

مولوی سرفراز صاحب کو چونکہ یقین تھا کہ اگر ملا علی قاری کی عبارت نقل کر دی تو قصر دیوبند منہدم ہو جائیگا۔ اسلئے وہ ملا علی قاری کی اس ایمان افروز عبارت کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف ہضم کر گئے۔ آئیے۔ اب ہم آپ کے سامنے ملا علی قاری کی وہ عبارت لاتے ہیں۔ جسے پیش کرنے سے مولوی سرفراز صاحب خوف کھاتے ہیں۔

قال ابن حجر اختلف الروایات فی اول المخلوقات وحاصلہا کما بینتہا فی شرح شمائل الترمذی ان اولہا النور الذی خلق منہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم الماء ثم العرش (مرقات ج ۱ صـ۱۴۹)

ابن حجر نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے جیسا کہ میں نے شرح شمائل ترمذی میں بیان کیا ہے۔ کہ بالیقین اول مخلوقات وہ نور ہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو پھر عرش کو۔

ملا علی قاری کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا۔ کہ حضور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ ابن حجر نے بھی حضور کی اولیت حقیقی پر تصریح کی ہے۔ اور صاحب ازہار نے بھی جیسا کہ ہم ابھی انشاء العزیز نقل کریں گے۔ علاوہ ازیں بیشمار جگہ علماء اسلام نے نور محمدی کی اولیت حقیقی پر نص صریح قائم کی ہے۔ جیسا کہ ہم ماسبق میں آفتاب سے زیادہ روشن حوالے پیش

کر چکے ہیں۔ پس ان تمام حوالوں کی موجودگی میں رسالت مآب کی اولیت حقیقی کا وہی انکار کرسکتا ہے۔ جو بغض رسالت سے اپنی بینائی کھو چکا ہو۔

ملاحظہ فرمائیے ملا علی قاری حنفی مرقاۃ میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَم کے تحت فرماتے ہیں۔

وفی الازھار اول ما خلق اللہ القلم یعنی بعد العرش۔ والماء والریح لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموٰت والارض بخمسین الف سنۃ وعرشہ علی الماء رواہ مسلم وعن ابن عباس سئل عن قولہ تعالیٰ وکان عرشہ علی الماء علی ای شئی کان الماء قال علی متن الریح رواہ البیھقی ذکرہ الابھری فالاولیۃ اضافیۃ والاول الحقیقی ھو النور المحمدی علی ما بینتہ فی المورد للمولد۔

ازہار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا۔ اسکو مسلم نے روایت کیا اور ابن عباسؓ سے وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا۔ پانی کس چیز پر تھا۔ تو فرمایا ہوا کی پیٹھ پر۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔ (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا، پانی اور عرش کے بعد ہے) اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے۔

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدارج النبوت ص۲ ج ۲ پر ارقام فرماتے ہیں۔

بدانکہ اول مخلوقات وواسطہ صدور کائنات وواسطہ خلق عالم وآدم نور محمد است صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث

جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق عالم وآدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے

صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری
وسائر مکونات علوی و سفلی ازاں نور
وازاں جوہر پاک پیدا شدہ از ارواح
واشباح و عرش و کرسی و لوح و قلم و
بہشت و دوزخ و ملک و فلک و
انس و جن و آسمان و زمین و بحار و
جبال و اشجار و سائر مخلوقات و در
کیفیت صدور این کثرت ازاں وحدت
و بروز و ظہور مخلوقات ازاں جوہر
عبارات و تعبیرات غریب آوردہ اند
وحدیث اول ما خلق اللہ العقل نزد
محققین و محدثین بصحت نرسیدہ و
حدیث اول ما خلق اللہ القلم نیز گفتہ اند
کہ مراد بعد العرش و الماء است کہ واقع
شدہ است وکان عرشہ علی الماء
و در بعضے احادیث تصریح بدال
واقع شدہ است و آمدہ است کہ خلق
ماء پیشتر از عرش است کہ چوں خلق کردہ
شد قلم گفت بوی پروردگار تعالی و
تقدس بنویس گفت قلم چہ نویسم گفت
بنویس ما کان و ما یکون الی آخرہ

کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو
پیدا کیا۔ اور باقی تمام کائنات علوی و سفلی
اس نور سے پیدا ہوئی۔ اسی وحدت سے
یہ کثرت صدور میں آئی اور مختلف ناموں سے
موسوم ہوئی۔ چنانچہ یہ نور کہیں عرش و کرسی
سے موسوم ہوا۔ اور کہیں بحار و اشجار
سے۔ اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے
پہلے عقل کو پیدا کیا گیا صحت محققین اور
محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ اور ایک
حدیث میں ہے کہ پہلے قلم کو پیدا کیا۔
(اس میں اولیت حقیقی نہیں ہے) کیونکہ
محققین نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ عرش اور
پانی کے بعد قلم کو پیدا کیا۔ کیونکہ اس طرح
آیا ہے کہ اس وقت عرش پانی
پر تھا۔ . . . . . .
اور بعض احادیث میں اسکی تصریح موجود
ہے۔ اور یہ بھی وارد ہے کہ پانی عرش
سے پہلے پیدا ہوا۔ پس جب قلم پیدا کیا گیا
تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لکھ۔ قلم نے
پوچھا۔ کیا لکھوں۔ ارشاد ہوا۔ لکھ جو
ہو چکا ہے اور جو ہو گا۔

پس معلوم شد کہ پیش از خلق کائنے بودہ
است کہ آں عرش و کرسی و ارواح است
و خلق نور وے صلی اللہ علیہ وسلم از اں
سابق است و بریں وجہ تواند کہ مراد
از ما کان صفات و احوال آں بودہ
باشد کہ اول در آں عالم ثابت است
و از ما یکون آنچہ در آخر ظاہر گردد در دنیا۔

پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے
پہلے کچھ ہو چکا تھا۔ اور وہ عرش و کرسی
اور ارواح نفیس اور نور محمدی ان سب
سے پہلے پیدا ہوا۔ پس اس تقدیر پر یوں
کہا جا سکتا ہے کہ ما کان سے مراد اس
نور کے صفات اور احوال ہیں اور ما یکون سے
مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہونگے۔

ملا علی قاری صاحب از ہار اور شیخ محقق کے اس محققانہ کلام کو دیکھئے۔ اور مولوی سرفراز کے کمزور مطالعہ پر تحسین و آفرین کیجئے۔ وہ تو عداوت رسول میں بروایت صحیح مسلم دیوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ قلم تو چوتھے نمبر پر بھی نہیں ہے۔ جب خود جناب رسول اللہ نے بیان فرما دیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپ کے فرمان صریح سے اس کی اولیت اضافی ثابت ہو گئی اسے اولیت اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں؟ کیا آپ کے مذہب غیر مہذب میں فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں ہوتا؟ ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ تنقیص نبوت اور تردید رسالت سے تائب ہو کر اپنی آخرت کی فکر کریں۔ ورنہ سیروں کے حساب سے جو آپ نے منقصت رسول میں کتابیں لکھیں ہیں۔ ان کا وزن آپ کی لٹیا ڈبو دینے کیلئے کافی ہوگا۔ اور ان کی فروخت سے جو آپ نے دنیاوی سکے حاصل کئے ہیں۔ وہ اس دن کسی کام نہ آ سکیں گے۔ رہا مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ نور سے علی قاری کی مراد روح ہے۔ ہمیں اصلا مضر نہیں۔ اولاً تو اسلئے کہ نور محمدی ہو یا روح محمدی بمقصد تعبیر یہ ہے۔ کہ آپ اول خلق ہیں۔ خواہ آپ کو روح سے تعبیر کیا جائے۔ یا نور سے۔ ثانیاً

یہ کہ آپ کو نفع تب ہوگا۔ اگر نور اور روح میں تباین ہوتا۔ تب آپ کہہ سکتے تھے۔ کہ روح کی اولیت ثابت ہے۔ نور کی نہیں۔ حالانکہ ملا علی قاری تو فرماتے ہیں۔ قولہٗ اول ما خلق اللہ نوری وفی روایۃ روحی ومعناھما واحد فان الارواح نورانیۃ | آپ کا فرمان سب سے پہلے میرے نور کو پیدا۔ اور ایک روایت میں کہ میری روح کو پیدا کیا۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ کیونکہ ارواح نورانی ہی ہوتی رہیں۔

اسی بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے کہا۔ اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے۔ کہ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات کی تحقیق اور بحث کی ہے۔ وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے۔ مگر نور کا ذکر وہ نہیں کرتے۔ تنقید متین ص۱۱۰

جواباً عرض ہے کہ ہم ماسبق میں امام عبدالرزاق۔ امام بیہقی۔ امام احمد قسطلانی، امام زرقانی۔ عبدالقادر الجزائری۔ ملا علی قاری حنفی۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کا کلام نقل کر چکے ہیں۔ اس میں غور فرما لیجئے۔ کہ یہ اکابر ائمہ حدیث مسئلہ اولیت خلق میں نور محمدی کا ذکر کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جن کی آنکھوں پر ابلیس نے بغض رسالت کی پٹی باندھ دی ہو۔ انہیں ان عبارات میں نور محمدی نظر نہیں آئیگا۔

حدیث جابر پر اعتراض کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب کہتے ہیں۔
"اس کی سند کا علم نہیں۔ کہ کیسی ہے۔ اور امام عبدالرزاق شیعہ تھے۔ گو غالی نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں۔ ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ اور خصوصاً فضائل کے بارے میں تو انہوں نے ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا" ص۱۰۸ انتھی کلامہ۔ محض تشیع کی طرف نسبت کی وجہ سے امام

عبدالرزاق کی روائیت کو قابلِ اعتبار قرار نہ دینا صحیح نہیں ہے۔ اہلِ بدعت کی روایات کے بارے میں شیخ محقق مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں۔

ومختار آنست کہ اگر داعی باشد بہ بدعت خود و در مقام ترویج و تزئین آن بود قبول نکنند و اگر نہ این چنین بود قبول کنند۔	اور مختار یہ ہے کہ اہلِ بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی تزئین اور ترویج میں ہو تو مقبول نہ ہو گی۔ اور خلاف ہو۔ تو قبول کی جائے گی۔

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

در جامع الاصول مے گوید کہ اخذ کردہ اند ائمہ حدیث از فرقہ خوارج و از آنہا کہ منسوب اند بقدر و تشیع و رفض و دیگر اصحاب بدع و اہوا۔	جامع الاصول میں ہے کہ ائمہ حدیث نے فرقہ خوارج سے اور ان سے جو قدریہ شیعہ اور رافضیوں کی طرف منسوب تھے احادیث حاصل کیں اور دیگر اہلِ بدعت سے بھی۔

پس اب مولوی سرفراز صاحب کا اس حدیث میں امام عبدالرزاق پر انتساب الی التشیع کی وجہ سے طعن کرنا اربابِ علم کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا ثانیاً یہ کہ اس روائیت کو تنہا امام عبدالرزاق نے ہی روائیت نہیں کیا۔ بلکہ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بھی روائیت کیا ہے۔ کما مرّ منا سابقاً۔ اور چلئے اگر امام عبدالرزاق منسوب الی الشیعہ ہیں تو کیا ہوا امام بیہقی تو شیعہ نہیں ہیں۔ ان کی روائت مان لیجیے۔ پس محض امام عبدالرزاق کو لے کر مولوی سرفراز صاحب کا حدیث میں نقص نکالنا جہل اور عناد کے سوا کچھ نہیں ہے۔ باقی یہ کہ بعض چیزوں میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں تو صاحب جن چیزوں میں منفرد ہوں۔ پھر وہ ساقط الاعتبار ہوئیں۔ اس مسئلہ میں تو امام عبدالرزاق منفرد نہیں ہیں۔ ہم گذشتہ صفحات میں ان علماء اعلام کی

فہرس مع عبارتوں کے پیش کر چکے ہیں جو نور محمدی کے اول خلق ہونے میں امام کے ساتھ ہیں۔ لہذا آپ کا یہ قول بالکل غیر متعلق ہے۔ "کہ فضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں انکا کوئی ساتھ نہیں دیتا"۔ ثالثاً یہ کہ علماء اصول نے تصریح کی ہے۔ کہ تلقی بالقبول سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پس جبکہ اجلہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو اپنی تصانیف میں ذکر کر کے اس سے احتجاج کیا۔ تو اس حدیث کو تقویت حاصل ہو گئی۔

نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب نے کہا۔ "ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی ہے۔ کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں۔ اور معاذ اللہ انکو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں۔ اور آتش دوزخ کا ایندھن بنیں"۔ تنقید متین ص۱۱۴

مولوی سرفراز صاحب کے اس کلام سے لازم آیا۔ کہ وہ تمام اکابر اسلام اور محدثین عظام جنہوں نے نور محمدی کو اول خلق قرار دیا۔ عذاب خداوندی کا شکار اور آتش دوزخ کا ایندھن ہیں۔ معاذ اللہ

آیئے اب ذرا مولوی سرفراز کے حکمی خاندان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جبہ و دستار جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔ یہ ہیں سرخیل دیوبند مولوی قاسم نانوتوی۔ محذورات عشرہ میں محذور اول کے جواب میں لکھتے ہیں "اب سنئے کہ روح پُر فتوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل موصوف نبوت ہے اسیم ارواح انبیاء باقیہ کیلئے موقوف علیہ ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہُوا۔ مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجئے۔ اور اول ما خلق اللہ نوری وغیرہ

مضامین کی تغلیط فرمائیے (الی ان قال) اور اگر یہ سزا اس جرم کی ہے کہ میں نے موقوف علیہ کیوں کہا۔ اول ماخلق اللہ نوری کیوں نہ کہا تو اب سہی۔" معمار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) نور محمدی اول مخلوق ہے (۲) نبی علیہ السلام تمام انبیاء کیلئے موقوف علیہ ہیں (۳) آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے۔ (۴) اول ماخلق اللہ نوری نہ صرف لائق احتجاج ہے۔ بلکہ دیوبند کے پیر مغاں نے اس سے استدلال کر کے بیشمار نصوص قرآنیہ کو رد کر دیا۔ کما سیأتی انشاء اللہ تعالیٰ۔ تحذیر الناس ص ۳۹ پر دلائل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مولوی قاسم صاحب نے کہا۔ "باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہ السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معنی خاتمیت پر موقوف ہے۔ جس کی شرح و بسط کما ینبغی اوپر کر چکا ہوں۔"

اہل علم پر مخفی نہیں جو موصوف بالعرض بواسطہ فی العروض ہو۔ اس کے ساتھ وصف کا قیام نہیں ہوتا۔ بلکہ وصف کا قیام تو موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور موصوف بالعرض کو مجازاً موصوف بالذات کی مجاورت کی وجہ سے موصوف کہتے ہیں۔ مثلاً جالس فی السفینہ کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا۔ لیکن اس کو بھی مجازاً متحرک کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی سفینہ کا مجاور ہے۔ جو کہ واسطہ فی العروض ہے۔ پس اس تقریر سے لازم آیا۔ کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو۔ اور نبی علیہ السلام سے مقارنت کی بناء پر انہیں مجازاً نبی کہا گیا ہو۔ مولوی قاسم صاحب نے اپنے اس کلام میں حضور کے سوا تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کر کے قرآن کی صدہا نصوص کو رد

کر دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا نفرق بین احد من رسلہ اس کے تحت علامہ ابو سعود فرماتے ہیں:۔

لان المعتبر عدم التفریق من حیث الرسالۃ دون سائر الحیثیات الخاصۃ۔

اس لئے کہ معتبر یہ ہے کہ رسولوں کے درمیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ میں۔

اور اب پیغمبر دیوبند کی منطق فرمائیے۔ جنہوں نے نبی علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں فرق کیا ہے۔ اور آپ کیلئے وصفِ نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے نبوت کی نفی کر دی۔ اور اس کی بنیاد وہی مقدمہ ہے جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کہیں اول ما خلق اللہ نوری سے۔ فیا للعجب۔ اب ہمیں مولوی سرفراز صاحب سے پوچھنے دیجئے۔ کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے۔ تو اس کو ماننے والوں میں جو آپ کے پیر مغاں شامل ہیں۔ ان کے بارے میں کیا ارشاد ہو گا۔ اور اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے۔ اور اس موضوع روایت کو اساس بنا کر ایک نئے عقیدہ کی طرح کس نے رکھی ہے ؎

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ مولوی قاسم نانوتوی نے اس ابلیسی چکر میں پڑ کر قرآنِ پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواتر احادیث کی تاویل بیجا کی۔ اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذابِ خداوندی کا شکار ہوئے۔ اور اپنے آپ کو آتش دوزخ کا ایندھن بنا لیا۔ اور سچ پوچھئے تو قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں جس ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھایا ہے۔ اسی راہ پر چل کر

مرزا ملعون نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور امت دیوبند آجتک مرزائیہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی۔ اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوتی ہو۔ تو لیجئے۔ دیوبند کے حکیم الامت حاضر ہیں۔ اب دیکھئے وہ آپ کے بقول باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پہنچتے ہیں۔ حضرت جابر کی اس روائت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانوی نے ف سے فائدہ کا عنوان قائم کیا۔ کہتے ہیں۔

ف۔ اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے۔ ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا۔ اس حدیث میں منصوص ہے۔ انتہیٰ (نشر الطیب ص۷)

لیجئے ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کیئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ آپ کسی طور پر اولیت حقیقیہ نہیں مانتے اور تھانہ بھون کے حکیم الامت اولیت حقیقی کو منصوص قرار دیتے ہیں۔ اب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے اپنے حکیم الامت کے پیر پکڑ لیجئے۔ یا انہیں جاہل اور غالی قرار دے کر جہنم میں جھونکئے۔ یہ آپ کا اور آپ کے آباء کا معاملہ ہے۔ ہم نے تو صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ فہمی کی بات عرض کی ہے۔

نورانیت محمدی کی تابناک شعائیں

جواہر البحار صفحہ ۲۲۶ جلد ۴ پر ہے۔

وردفی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا کانت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی فراشہ فی لیلۃ ظلمۃ فسقط من یدھا ابرۃ الی الارض فکشفت عن

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ ایک اندھیری رات کو وہ حضور کے ہمراہ بستر پر تھیں۔ اچانک انکے ہاتھ سے سوئی گر زمین پر گر گئی پس وہ حضور کے چہرۂ انور سے ظاہر ہوئی اور ام المؤمنین نے

وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فوجدتھا بنور جبینہ فرفعتھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے نور سے
اس سوئی کو پایا اور اٹھا لیا۔

جمع الوسائل ص۲ ج۲ پر ملا علی قاری حنفی تحریر فرماتے ہیں:۔

قال بعض المحققین ان جمال نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غایۃ
الکمال وان من جملۃ صفاتہ وکثرۃ
ضیاءہ علی ماروی ان صورتہ
کان یقع نورھا علی الجدار بحیث
یصیر کالمرأۃ یحکی علی ماقابلہ من
مرور الناس لکن اللہ ستر عن اصحابہ
کثیرا من ذالک الجمال الزاھر والکمال
الباھر اذلو برز الیھم لتصعب
النظر الیہ علیھم

بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی
علیہ السلام کا جمال غایت کمال میں تھا روایات
سے ثابت ہے کہ آپ کی صورت کا نور دیوار
پر منعکس ہوتا تھا اور وہ دیوار آئینہ
کی طرح آپ کی صورت کے نور کی حکایت
کرتی تھی۔ اور اللہ تعالی نے آپ کے
جمال کو صحابہ کی نگاہوں سے بھی مستور
رکھا۔ کیونکہ اگر ان پر مکمل جمال ظاہر
ہو جاتا۔ تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب
نہ لا سکتے۔

انفاس العارفین ص۳۹ پر شاہ ولی اللہ۔ شاہ عبدالرحیم سے حکایت کرتے ہوئے
تحریر فرماتے ہیں:۔

وقتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
را در واقعہ دیدم وازیں نکتہ استفسار
نمودم فرمودند جمال من از چشم مردم
مستور است غیرۃ من اللہ تعالی۔

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں
حضور کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ
سے سوال کیا۔ کہ جمال یوسف سے زنان
مصر نے انگلیاں کاٹ لیں آپ کے جمال سے
کسی نے انگلیاں نہ کاٹیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں
کی نگاہوں سے مستور رکھا۔

موضوعات کبیر صـ۸۶ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

واما نورہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فھو فی غایۃ من الظھور شرقًا و غربًا واول ماخلق اللہ نورہ وسماہ فی کتابہ نورًا۔

بہر کیف نبی السلام کا نور شرقاً وغرباً غایت ظہور میں ہے اور جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ آپ کا نور ہے اور اللہ نے آپکو اپنی کتاب میں نور سے موسوم فرمایا۔

قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا کی تقریر کرتے ہوئے سرفراز صاحب کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی (النور صـ۳۲) پر لکھتے ہیں۔

ہم انزلنا سے بھی رسول مراد لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر ہے قد انزلنا الیکم ذکرا رسولا۔ رسولا بدل بطور تفسیر ہے۔ ذکر اُسے۔ یہاں بھی انزلنا کا مفعول رسول واقع ہوا ہے۔ پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا۔

حضرت ملا علی قاری جمع الوسائل صـ۱۴۷ ج ا پر تحریر فرماتے ہیں۔

(احسن من القمر) فی ان نورہ ظاھر فی الآفاق وفی الانفس مع زیادۃ الکمالات الصوریۃ والمعنویۃ بل فی الحقیقۃ کل نور خلق من نورہ وکذا قیل فی قولہ تعالیٰ اللہ نور السمٰوات والارض مثل نوراى نور محمد فنور وجھہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی لاینفک عنہ ساعۃ فی اللیالی والایام ونور القمر مکتسب ومستعار ینقص تارۃ وینکسف اخری

نبی علیہ السلام چاند سے زیادہ حسین ہیں کیونکہ آپکا نور آفاق اور انفس دونوں میں ظاہر ہے اور آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں بلکہ حقیقت میں ہر چیز آپکے نور سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح اللہ نور السموات والارض مثل نورہ میں مثل نورہ کی تفسیر نور محمد کے ساتھ کی گئی ہے پس نبی علیہ السلام کا نور ذاتی ہے جس کا دن رات میں سے کسی وقت بھی انفکاک نہیں ہوتا اور چاند کا نور مکتسب اور مستعار ہے کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی گہن لگنے سے مسلوب ہو جاتا ہے۔ (اور دن کے اجالوں میں ماند پڑ جاتا ہے) سعیدی

نفی ظل جمہور مسلمین کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے جسم اقدس کیلئے تاریک سایہ ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نور ہیں۔ اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اور نورانیت کا ثبوت یا سایہ کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ سایہ مطلقاً بشریت کے لوازم سے نہیں۔ بلکہ بشریت کثیفہ کے لوازم سے ہے۔ اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر اس درجہ لطافت میں تھی کہ تاریک سایہ کا موجب نہ ہوتی تھی۔ نیز یہ عقیدہ ظنی ہے۔ اور ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کفایت کرتے ہیں۔

ہم اس بحث میں پہلے نفی ظل پر دلائل ذکر کریں گے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب کے شکوک وشبہات پر نقد ونظر پیش کریں گے۔ محدث ابن جوزی۔ الوفا باحوال المصطفیٰ ص۴۰۷ پر اور ان کے حوالے سے ملا علی جمع الوسائل ص۱۷۶ ج ۱۔ اور امام مناوی شرح شمائل علی ہامش جمع الوسائل ص۴۷ او ۱۷۶ ج ۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس قط الا غلب ضوءہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوءہ علیٰ ضوء السراج

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا اور نہ کبھی چاند کی روشنی میں آئے مگر آپ کا نور چاند کی روشنی پر غالب رہا۔

علامہ نبہانی وسائل الوصول ص۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نورا فکان اذا مشی بالشمس والقمر لا یظھر لہٗ ظل۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے پس جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ظاہر ہوتا۔

فوائد جلیہ شرح شمائل محمدیہ ص۳۶ ج ا میں سیدی محمد بن قاسم جسوس تحریر فرماتے ہیں۔

وقد روی ابن المبارك وابن الجوزی عن ابن عباس رضی الله عنهما انه صلی الله علیه وسلم لم یقم مع شمس قط الا غلب ضوءه ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوءه ضوء السراج۔ اھ۔ ولهذا لم یظهر له صلی الله علیه وسلم ظل۔ فقد ذکر ابن سبع فی الشفاء ونقله القاضی عیاض فی الشفاء انه لا ظل لشخصه فی شمس ولا قمر ویوجه ذالك ایضا بحفظ ظله الذی هو مثال صورته فی القدر عن الامتداد علی الارض اجلالا اولان الظل المرتسم معرض للارتسام علی الاماکن القذرة ولوطأ المارین علیه وبان الظل مزوم للظلمة فی الجملة بالنسبة الی النور اذ هو حجاب له وهو صلی الله علیه وسلم النور المنیر فلا تظهر منه ظلمة وبان الشمس والقمر منه

ابن المبارک اور ابن الجوزی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روائیت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوتے مگر آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی میں کھڑے ہوتے مگر چاند پر آپ کا نور غالب رہا۔ اسی لئے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا۔ اور ابن سبع نے شفا میں ذکر کیا اور اس کو قاضی عیاض نے شفا میں نقل کیا کہ آپ کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا۔ نہ چاندنی میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ (جو حقیقت میں آپ کی مثال کے مرتبہ کا ہے) زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا جائے یا گندی جگہوں اور قدموں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رکھنے کیلئے یا اسلئے کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لئے حجاب ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام تو نور منیر ہیں پس آپ کا سایہ کس طرح متصور ہو گا۔ یا اسلئے کہ شمس و قمر

ظهراو عنه نشأ فلا يستران له اذ
المظهر للشی یمتنع ان یکون ساترا
لما اظهره ولا یقال کیف یتاتی هذا
مع انه صلی الله علیه وسلم بشر کما
نطق به القرآن لانا نقول لیست
بشریته کبشریة غیره فهو بشر
لیس کالبشر کما ان الیاقوت حجر
لیس کالحجر کما قال ابو الحسن شاذلی
رضی الله عنه فهو مع بشریته نور
ولذلک سمی نورا قاله شیخنا المحقق
فی شرح همزیته وفی حدیث عمر
رضی الله تعالی عنه. یاعمر ابن
الخطاب اتدری من انا انا الذی
خلق الله عزوجل. اول کل شیئ
نوری. فسجد له فبقی فی سجوده
سبع مأة عام فاول کل شئ سجد له نوری
ولا فخر یا عمر اتدری من انا ان
الذی خلق الله العرش من نوری
والکرسی من نوری واللوح والقلم
من نوری ونور الابصار من
نوری والعقل الذی

تو آپ کے نور سے مخلوق ہوئے اور آپ کے
سبب سے ظہور میں آئے بس آپ کے سبب سے
انکی روشنی کس طرح چھپ سکتی ہے حتیٰ کہ
آپ کا سایہ ہو کیونکہ جو کسی چیز کا مظہر ہو
وہ اس کیلئے ساتر نہیں ہو سکتا اگر یہ کہا
جائے کہ حضور تو بشر ہیں جیسا کہ قرآن میں
ہے پھر آپ کیلئے سایہ کیونکر نہ ہوگا. تو اس
کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپکی بشریت عام
بشریت کی طرح نہیں ہے. جیسے یاقوت
پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے.
بقول ابوالحسن شاذلی آپ باوجود بشریت
کے نور ہیں. اسلئے آپ نور سے موسوم ہوئے
شیخ محقق نے شرح ہمزیہ میں کہا کہ حدیث
عمرؓ میں ہے کہ آپنے فرمایا اے عمرؓ جانتے ہو میں
کون ہوں. میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ عزوجل نے
سب سے پہلے پیدا کیا. وہ میرا نور تھا پس میرے
نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور سات سو سال سجدہ
میں رہا پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اس پر
فخر نہیں. اے عمر جانتے ہو میں کون ہوں. میں وہ
ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی
ولوح وقلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور آنکھوں کے
نور کو میرے نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں کے

فی رؤس الخلائق من نوری و نور المعرفۃ فی قلوب المؤمنین من نوری ولا فخر الا فالانوار الاضوا کلھا من نورہ خلقت و بہ استنارت فھی الفروع وھو الاصل ولا نسبتہ للفروع بالاصول۔

سرول میں ہے۔ وہ بھی میرے نور سے پیدا کی اور معرفت جو قلوب مومنین میں ہے۔ وہ بھی میرے نور سے پیدا کی۔ اور مجھے اس پر فخر نہیں الخ پس تمام انوار اور اضواء کو حضور کے نور سے پیدا کیا گیا۔ لہذا سب حضور علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور ان سب کے لئے اصل۔ بھلا فرع کا اصل کے ساتھ کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ پھر وہ کیسے شقی العقل ہیں جو فرع کیلئے کمال نفی ظل مانتے ہیں اور اصل کیلئے اس کا انکار کرتے ہیں۔ سعیدی))۔

اس مختصر سی گفتگو کے بعد اب ہم سرفراز صاحب کا وہ کلام پیش کرتے ہیں۔ جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تاریک سایہ ثابت کرنے کیلئے تنقید متین میں وارد کیا ہے۔ جس میں خود ہی اپنی طرف سے اہلسنت کی ایک دلیل وضع کی کہ اہل سنت حدیث ذکوان پر نفی ظل کی بنیاد رکھتے ہیں اور پھر اسی پر جرح کر کے اپنے خیال میں آپ کے لئے تاریک سایہ ثابت کر لیا۔ چنانچہ تنقید متین ص ۱۴۳ پر لکھتے ہیں:۔

عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرای لہ ظل فی شمس ولا قمر۔

ذکوان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں نظر آتا تھا اور نہ چاند میں۔

حدیث نقل کرنے کے بعد مولوی سرفراز اپنی طرف سے اہل سنت کا استدلال وضع کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اور جب سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ) آپ بشر

بھی نہ تھے ۔ انتھی کلامہ صد ۱۱۵ ۔

جہانتک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک ظنی عقیدہ ہے جس کے اثبات کیلئے دلائل ظنیہ کافی ہیں۔ کما سیظہر انشاء اللہ۔ لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس پر اہل سنت کی طرف سے جو یہ تفریع بٹھائی ہے۔ کہ جب سایہ نہ تھا۔ تو آپ بشر بھی نہ تھے۔ یہ محض افترا اور کذب خالص کی بدترین مثال ہے۔ اہل سنت کی کتابیں نبی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت اور تحقیق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ ہم پچھلے صفحات میں صدر الافاضل کا کلام نقل کر چکے ہیں۔ البتہ دیوبندیوں کی طرح نبی علیہ السلام کی بشریت کو عام بشریت کے مماثل ماننا اہل سنت کا عقیدہ نہیں۔ ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے اعتبار سے ممتنع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی۔ تو سایہ بھی ماننا ہوگا۔ عناد اور جہل کے سوا کچھ نہیں کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اولاً تو اسلئے کہ آپ کی ذات مقدسہ بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت کی بھی کامل ترین جامع ہے۔ کما ثبت بالدلائل القاہرۃ ۔ اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ ثانیاً اسلئے کہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے واقع ہو۔ اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہے۔ اور اس درجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لئے حاجب نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ تاریک سایہ کی موجب ہو۔ سرفراز صاحب گکھڑوی نے ذکوان کی روائیت کو ذکر کرنے کے بعد کہا الجواب اولاً یہ روائیت قابل احتجاج نہیں صلہ ۱۱۵ کسی ضعیف روایت کو عقیدہ قطعیہ کے اثبات میں تو بے شک پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن ظنی عقیدہ میں ظنی دلائل کافی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار کیا جائیگا۔ ثانیاً

اسلئے کہ کسی عقیدہ کا اثبات اور شی ہے۔ اور اس کی تائید ایک امر آخر ہے۔ نبی علیہ السلام کی نورانیت قرآن سے ثابت ہے، اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے۔ پس تائید کے درجہ میں اس روائیت کا اعتبار کسی خدشے کا حامل نہیں۔ ثالثاً یہ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا تمام امت کا تقریباً اتفاقی مسئلہ ہے۔ اور تلقی بالقبول کو بھی ناقدین فن نے وجوہ مصححہ سے شمار کیا ہے۔ رابعاً یہ کہ خصائص کبریٰ میں امام سیوطی نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ کہ انکے نزدیک یہ حدیث قابلِ تسلیم و احتجاج ہے۔ اور فن حدیث میں جو امام سیوطی کا مقام ہے۔ وہ اپنے پرائے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خامساً یہ کہ اگر آپ کو اس روایت سے للّٰہی بغض ہے۔ تو چلئے یہ نہ سہی۔ الوفا سے جو ہم ابن عباس کی متصلاً روائیت پیش کر چکے ہیں، اسے مان لیجئے اور اگر اس میں بھی تامل ہو تو مدارک التنزیل علی ھامش الخازن ج ۳ ص ۳۲۲ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث مان لیجئے۔

مدارک التنزیل میں لولا اذ سمعتموہ کے تحت علامہ نسفی حنفی فرماتے ہیں۔

قال عثمان ان اللہ ما اوقع ظلک علی الارض لئلا یضع انسان قدمہ علی ذالک الظل

بلاریب اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں کیا۔ تاکہ کہیں کوئی شخص آپ کے سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔

یہ کوئی ذکوان کا قول نہیں ہے، کہ آپ کہدیں، اسکی براہِ راست رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں ہوتی۔ یہ حضرت عثمان ہیں جو سفر و حضر میں۔ رسول اللہ کے جلیس میں جن کے سر پر ما انا علیہ و اصحابی کا تاج ہے۔ ہاتھ میں اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم کا پرچم ہے۔ ماتھے پر علیکم بسنتی کی چتون ہے۔ عظیم الشان صحابی کا قول، جن کا قول بھی حدیث ہے۔ اور پھر وہ بھی بارگاہِ نبوی میں پیش ہو کر تقریر سے

حکماً مرفوع ہو چکا ہے۔ اور اگر حضرت عثمان کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے یہ ہیں مولوی رشید احمد گنگوہی سفینہ دیوبند کے ناخدا۔ امداد السلوک میں ص۸۶ پر لکھتے ہیں۔

وبتواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ نداشتند وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل مے دارند۔

تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضر صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے۔

حضرت عثمان اگر آپ کے ہاں مقبول نہیں۔ تو نہ سہی۔ ٹکسالِ دیوبند کا یہ سکہ تو بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے۔ اب فرمایئے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ جو مسئلہ تواتر سے ثابت ہو۔ وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی۔ یہ کیسا ظلم صریح ہے۔ کہ ہم اس مسئلہ کو اگر ظن کے درجہ میں مان لیں۔ تو کافر مشرک اور بدعتی سے کم نہیں اور آپ کے پیرِ مغاں اسے تواتر سے ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں۔ تو پھر شیخ کے شیخ۔ جو چیز شرک و بدعت ہو۔ گنگوہی مہر اسے کیسے توحید و سنت بنا دیتی ہے۔ اور وہ کونسا منتر ہے جس کے عمل سے آپ اپنے مولویوں کو شرک اور بدعت کے فتووں سے بچا لیتے ہیں۔ یہود اپنے احبار و رہبان کی عبادت چھوڑ چکے ہیں۔ آپ کے ہاں یہ پوجا کب بند ہوگی۔

المواہب اللدنیہ شرح شمائل محمدیہ ص۳۰ پر ہے۔

ففی روایۃ لابن المبارک وابن الجوزی لم یکن لہ ظل۔

ابن المبارک اور ابن جوزی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

زرقانی ص۲۲۰ ج ۴ پر ہے۔

روی ابن المبارک وابن الجوزی عن ابن عباس لم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابن مبارک اور ابن جوزی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم

ظل ولم یقم مع الشمس قط الا غلب ضوءہ ضوء الشمس۔

کا سایہ نہ تھا۔ اور آپ کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر سورج کی روشنی پر آپکا نور غالب آ گیا۔

اور یہ ذکوان کی طرح مرسل روائیت نہیں۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پیش کردہ حدیث متصل ہے اور روائیت کرنے والے ہیں۔ ابن جوزی جیسے ناقد حدیث جو اچھی بھلی حدیث کو موضوع بنا ڈالتے ہیں۔ پس ایسے شخص کی روائیت میں تردد کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں۔ مولوی سرفراز صاحب کی خیانت اور گمراہ کن ذہنیت کا اندازہ اسی امر سے با آسانی کیا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اہل سنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو قرار دیا تاکہ رسول اللہ کے کمال نفی ظل پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں عظمت رسول کو کم کرنے کا انہوں نے اپنے زعم میں خوب بہانہ تراشا۔ مگر اس سے غافل تھے۔ کہ یہ رسوائی خود ان کا مقدر بن چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مداحوں کے دامن پر گندگی کا جو ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا۔ وہ اپنی تمام تر نجاستوں سمیت ان کی اپنی ذات کی طرف لوٹ آیا ہے۔

قاضی عیاض مالکی شفا شریف ص۲۴۳ ج ۱ پر فرماتے ہیں۔

وذکر من انہ لا ظل لشخصہ فی شمس ولا قمر لانہ کان نورا۔

اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج میں سایہ نہ پڑتا تھا پس وہ اسلئے ہے کہ آپ نور ہیں۔

شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض جز ۳ ص۳۱۹ پر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لا ظل لشخصہ ای جسدہ الشریف اللطیف یعنی آپکے جسد شریف لطیف کا سایہ نہ تھا اور لطیف کے لفظ میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی بشریت کثافت

سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کیلئے حاجب نہ ہوتی تھی کہ حتیٰ کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی۔ اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

هذا اوردا صاحب الوفا. عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل

اس کو (ابن جوزی) صاحب کتاب الوفا نے ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

غور فرمائیے کہ ان تمام اکابر علماءؒ نے نفی ظل کی بنا حدیث ابن عباسؓ پر کی ہے۔ لیکن مولوی سرفراز نے اس حدیث متصل کو چھوڑ کر اس مسئلہ کو حدیث ذکوان پر مبنی قرار دیا تاکہ اسی روایت کے ضعف اور ارسال سے اصل مسئلہ میں ضعف ثابت کر سکیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاضی عیاض کے قول لانہ کان نورا۔ کی شرح میں ملا علی قاری حنفی شرح شفا ص۵۳۰ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ای بنفسه والنور لا ظل له لعدم جرمه وهذا معنی ما فی النوادر ولفظه لم یکن له ظل فی شمس ولا قمر ونقله الحلبی عن ابن سبع ایضاً

یعنے حضور نور بذاتہ ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کثافت نہیں ہے اور جو مضمون نوادر میں وارد ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں۔ اسکو حلبی نے بھی ابن سبع سے نقل کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ مدارج النبوت ص۲۱ جلد ا پر فرماتے ہیں۔

ونور یکے از اسماء آنحضرت است ونور را سایہ نمے باشد۔

اور نبی علیہ السلام کے اسماء میں سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا

نیز یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ مدارج النبوۃ ص۱۶۱ ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وعثمان بن عفان رضی اللہ عنہما گفت کہ سایہ شریف تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ کہیں نجس زمین پر نہ پڑے۔

تفسیر عزیزی ص۲۱۹ پ ۳۰ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

وسایہ ایشاں برزمین نیفتاد	اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

کیا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے

مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ اصل میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے انتہی کلامہٗ — کیا خیال ہے آپ کا کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابن عباسؓ۔ امام سیوطی شافعی۔ قاضی عیاض مالکی۔ علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی ملا علی قاری حنفی۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی۔ علامہ بیجوری۔ شہاب الدین خفاجی۔ ابن مبارک۔ اور ابن جوزی یہ تمام صحابہ اور اکابر آئمہ دین حضرات شیعہ تھے

جب عہد رسالت سے لیکر شاہ عبدالعزیز تک تمام اکابر مسلمین حضور کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے۔ تو آپ کے انکار پر کون کان دھریگا اور یہ جو آپنے صحابہ سے لیکر شاہ عبدالعزیز تک تمام مسلمانوں کو بیک جنبش قلم شیعہ بنا ڈالا ہے۔ بھلا علم و تحقیق کی کسوٹی پر ایسی بے سروپا بات کون مانے گا۔

اور اگر واقعی سایہ نہ ہونا شیعہ کا مسئلہ ہے۔ تو جناب والا گستاخی معاف پھر سب سے بڑے شیعہ تو مولوی گنگوہی ہیں۔ جو لکھتے ہیں۔ آپ کا سایہ نہ ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اور دوسرے نمبر پر مولوی اشرف علی تھانوی ہیں۔

شکر النعمہ ص۲۰ پر لکھتے ہیں۔ یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا یا پھر عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند شیعہ ہیں جو عزیز الفتاوی ص۲۰۲ ج ۸ پر لکھتے ہیں۔ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر الخ۔

بہتر ہوگا کہ مولوی سرفراز صاحب خدا سے توبہ کر کے لوٹ آئیں۔ ورنہ جس ڈگر پر انہوں نے چلنا شروع کیا ہے۔ وہ اس میں بالکل تنہا رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ عمائد دیوبند بھی ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ یہ خیر خواہی سے ایک نصیحت پیش کی گئی ہے۔ ورنہ ذہن ان کا ہے۔ قدم ان کے ہیں۔ منزل ان کی ہے۔ جادہ ان کا

اثبات ظل کے دلائل اور انکے جوابات

مولوی سرفراز صاحب نے ص۱۱۷ پر اثبات ظل میں دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ نے آپکو ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا۔ اور پھر پیچھے ہٹاتے ہوئے دیکھا۔ بعد آپکے اسکی حکمت پوچھی۔ تو آپنے فرمایا۔ کہ پہلے مجھ پر جنت پیش کی گئی۔ اور پھر دوزخ۔ حتی رأیت ظلی وظلکم فیھا[۱]۔ یہانتک کہ اس آگ میں میں نے اپنا اور تمہارا

---

[۱] اس حدیث کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ یہانتک کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اپنے فاسد عقیدہ کی جگہ بنانے کیلئے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ یہانتک کہ میں نے اس آگ کی روشنی میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔

سایہ دیکھا ۔ الحدیث۔

حدیث کافی طویل ہے لیکن جس مرکزی نقطہ اور جن خاص الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے ۔ انہیں ہم نے پیش کر دیا ہے ۔

جواباً گذارش ہے کہ اگر قرآن کی طرف التفات کئے بغیر محض لفظ ظل کے اطلاق سے تاریک سایہ ثابت ہو جاتا ہے ۔ تو حدیث مبارک میں سبعۃ یظلھم اللّٰہ بظلہ اور یوم لا ظل الا ظلہ سے کیا اللہ تعالٰے کیلئے بھی ۔ العیاذ باللہ سایہ ثابت کیجئے گا ۔ ثانیا یہ کہ رأیت ظلی وظلکم فیھا ۔ یعنی میں نے دوزخ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا ۔ اس جملہ میں ظل اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے ۔ کیونکہ دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں ہوتی ۔ جیسا کہ آپ نے اپنے کمزور مطالعہ سے سمجھا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ مشکوٰۃ شریف ۔ باب صفۃ النار فصل ثانی کی پہلی حدیث میں ہے ۔ فھی سوداء مظلمۃ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے پس مولوی سرفراز کا حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ بڑھانا کہ اس آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا ۔ علمی بے مائیگی کے سوا کچھ نہیں ۔ کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے ۔ وہاں روشنی کا کیا کام ۔ اور پھر کس قدر حیرت ہے کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنے ناپاک عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے حدیث میں تصرف کیا ۔ اور روشنی کا لفظ بڑھا کر سایہ کے جواز کا چور دروازہ نکال لیا ۔ اور اس طرح جو بات حضور نے نہیں فرمائی ۔ اسے آپ کی طرف منسوب کر کے العیاذ باللہ جہنم کے سیاہ اندھیروں اپنا مقام بنا لیا ۔ بہر حال دو طرح ثابت ہو گیا کہ یہاں ظل کا لفظ اپنی اصل پر محمول نہیں ۔ ایک تو اسلئے کہ آپ نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا دوسرا

اس لئے کہ جہنم میں سایہ دکھائی دینا معقول ہی نہیں ہے کیونکہ جہنم تو سیاہ تاریکی ہے اور سایہ روشنی میں متحقق ہوتا ہے۔ پس ان دو قرینوں سے متعین ہو گیا کہ یہاں پر لفظ ظل مجاز پر محمول ہے۔ اور ظل مجازی طور پر شخص کے معنی میں آتا ہے۔

معالم التنزیل میں ہے۔ وقیل ظلا لھم ای اشخاصھم پس معنی حدیث یہ ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اور اس میں اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا اور جہنم میں دیکھنے سے حضور نے یہ تعبیر لی کہ آپ کے وصال کے بعد امت فتنوں میں مبتلا ہو گی۔ باقی جہنم میں دیکھنے کا مطلب مجاز بالمشارفہ کے طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود یا اصحابہ کو جہنم کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا ہو۔ اور اگر خود جہنم میں دیکھنا بھی وارد ہو۔ تو معاذاللہ وہ کس طرح تنقیص شان کا موجب نہیں کیونکہ جہنم میں ہونا صرف کفار کیلئے موجب عذاب واہانت ہے۔ ہر ایک کیلئے نہیں۔ ورنہ خزنۃ جہنم بھی تو جہنم میں موجود ہیں اور وان منکم الا واردھا کے تحت مفسرین کہتے ہیں۔ کہ تمام مومنین کا جہنم سے گذر ہو گا۔ مگر ان کیلئے یہ باعث نشاط و سرور ہو گا اور کفار کے لئے یہی گذر موجب عذاب واہانت ہو گا۔

دوسری حدیث جس سے مولوی سرفراز صاحب نے نبی علیہ السلام کیلئے تاریک سایہ ثابت کیا۔ اس کا خلاصہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے۔

"حضرت زینب فرماتی ہیں۔ کہ میں آپ سے ناامید ہو گئی اور میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹا دی۔ اذا انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبلا الخ فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا" تنقید متین ص ۱۱۹

اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے کیونکہ ہم پہلے دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اسلئے ہمارے

نزدیک اس حدیث میں بھی ظل شخص کے معنی پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے

بادل کا سایہ فگن ہونا

سرفراز صاحب تنقید صـ ۲۲ پر ایک شیعہ عالم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ۔

"آپ کا سایہ نہ تھا کہ ہمیشہ بادل آپ کے درمیان اور سورج کی ٹکیا کے درمیان حائل رہتا تھا" اس کے بعد لکھتے ہیں ۔

" ان کی اس تاویل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ سے سایہ کی جو نفی ہو رہی ہے ۔ اس سے وہ بھی مطمئن نہیں ہیں ۔ اور تاویل پر مجبور ہیں ۔ لیکن قطع نظر اس کے کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر بادل کے سایہ کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں اس لحاظ سے بھی مشکل ہے کہ پورے تریسٹھ سال تک سورج اور چاند میں دن اور رات کو سفر اور حضر میں ہمیشہ بادل کا سایہ آپ کے سر پر ہوتا رہا ہو "

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم کا سایہ نہ ہونا ہمارے نزدیک آپ کی نورانیت پر مبنی ہے اور اس کو ٹھوس حوالوں سے ثابت کر دیا ہے ۔ مولوی سرفراز صاحب کا شیعوں کی روایت سے حضور کے سایہ نہ ہونے کی وجہ ۔ بادل کا سایہ فگن ہونا ۔ ذکر کرنا ۔ اور پھر اس بحث کو طول دے کر بادل کے سایہ نہ کرنے پر حدیث پیش کرنا در اصل غلط مبحث کی ناکام کوشش ہے ۔ بایں ہمہ ہم ان کے غور و فکر کے لئے دو حوالے پیش کرتے ہیں ۔

ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد شاہ ولی اللہ " انفاس العارفین " صـ ۴۰ پر اپنے والد شاہ عبد الرحیم کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک رات نبی الکرم علیہ السلام نے شاہ عبد الرحیم صاحب کو ملاقات سے مشرف فرمایا ۔ اور از راہ عنایت انہیں اپنے دو موئے مبارک بھی عنائیت فرمائے ۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب نے وہ بال دکھلائے اور تین شخصوں نے اس بات کا انکار کیا کہ وہ حضور کے موئے مبارک ہیں اور بحث چل پڑی ۔

چوں مناظرہ بامتداد انجامید آں عزیزاں ہر دو موئے در آفتاب بردند ہماں ساعت ابرپارہ ظاہر شد حال آنکہ آفتاب بسیار گرم بود و موسم ابر ہرگز نہ یکے توبہ کرد و دیگر گفتند قضیہ اتفاقیہ است۔ دیگر بار آوردند ابر پارہ ظاہر شد و دیگرے توبہ کرد۔ سوئم گفت ایں نیز قضیہ اتفاقیہ است۔ سہ بار بہ آفتاب بردند دیگر بار ابر پارہ ظاہر شد سیمے نیز در مسلک تائباں منسلک گشت

جب مناظرہ طوالت کو پہنچا تو وہ لوگ ہر دو موئے مبارک کو دھوپ میں لے گئے۔ اسی وقت ابر کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا حالانکہ اس وقت سورج خوب گرم تھا اور موسم ابر کا نہ تھا۔ تین میں سے ایک نے توبہ کرلی۔ اور باقی دو کہنے لگے کہ اتفاقاً بادل آگیا ہوگا۔ دوسری مرتبہ لے گئے اور دوسری بار بادل آگیا۔ دوسرا بھی تائب ہوگیا۔ لیکن تیسرے نے کہا ممکن ہے یہ بھی اتفاق ہو۔ تیسری مرتبہ لے گئے تیسری بار ابر پھر ظاہر ہوا اور تیسرا منکر بھی تائب ہوا۔

تفسیر عزیزی ص ۲۱۹ پ ۳۰ پر شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

وہمیشہ ابر در وقت حرارت گرما بر ایشاں سایہ مے داشت۔

اور ابر ہمیشہ گرمی کے وقت آپ کے اوپر سایہ کرتا تھا۔

اس موضوع پر بھی وسیع کلام کی گنجائش ہے لیکن چونکہ آپ کے ہاں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلئے انکے دو حوالے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے گا کہ شاہ ولی اللہ اور تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبد العزیز حضور کیلئے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے یا تاہنوز سنی رہے اگر وہ شیعہ ہو گئے تو آپ نے جو اپنی کتاب میں انکی عبارتوں سے اندھا دھند استشہاد کیا ہے۔ اسکی کیا وقعت رہ گئی اور اگر وہ سنی رہے تو کیا آپ اپنے اس قول سے رجوع کریں گے کہ بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسئلہ ہے؟

حاضر وناظر

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ویکون الرسول علیکم شہیدا کے ترجمہ میں فرمایا۔ "اور یہ رسول تمہارے نگہبان وگواہ" اس پر مولوی سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمایئے۔

"مفسرین کرام نے شہید کے معنی حاضر قائم بالشہادۃ ناصر اور امام وغیرہ کئے ہیں۔ خان صاحب نے جب یہ محسوس کیا کہ گواہ کیلئے مجلس میں موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ الشہادۃ بالتسامع (یعنی سن کر گواہی دینا) بھی درست ہے تو نگہبان کا لفظ خانصاحب نے زیادہ کیا تاکہ انکے مسلک کے اختراعی عقیدہ حاضر و ناظر پر روشنی پڑے" تنقید متین ص ۱۲۳

اس تنقید میں مولوی سرفراز صاحب نے تمام تفاسیر سے یا تو تجاہل عارفانہ برتا ہے یا واقع میں جاہل ہیں۔ یا مفسرین کی وہ تمام عبارات جو ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھیں۔ انہیں صیہونی ہاضمہ کی بھینٹ چڑھا کر تمام دنیا کی آنکھوں میں دھول دھونکنا چاہتے ہیں بہر حال انہوں نے جو کچھ کیا اپنے حق میں اچھا نہیں۔ کیونکہ دنیا کے سامنے جب اُن کی تنقید کی حقیقت واضح ہو گی تو سوائے رُسوائی کے آنسوؤں کے کوئی ان کا غمگسار نہ ہو گا۔

اس مقام پر مفسرین کرام نے شہید کے کس معنی پر اعتماد کیا ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ نے نگہبان کے لفظ کو کس حکمت کے پیش نظر ترجمہ میں ذکر کیا۔ یہ ہم ابھی ہدیۂ ناظرین کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے تفسیر روح البیان میں علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمتہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:۔

ان قلت ان الشاهد اذا اضر بشهادته عدیت الشهادة بکلمة علی واذا نفع بها تعدی باللام فیقال شهد له۔ والرسول علیه السلام لما زکی امته وعدلهم بشهادة انتفعوا بها فالظاهر ان یقال ویکون الرسول لکم شهیدا بخلاف شهادة الامة علی الناس فانها علیهم حیث استضروا بها فکلمة علی فیها واقعة فی موضعها قلت هذا مبنی علی تضمین الشهید معنی الرقیب والمطلع فعدی تعدیته۔

اگر تو یہ کہے کہ شاہد جب اپنی شہادت سے ضرر پہنچائے تو شہادت کو کلمہ علی سے متعدی کرتے ہیں اور جب اپنی شہادت سے نفع دے تو شہادت کو لام سے متعدی کرتے ہیں پس کہا جاتا ہے شہدلہٗ اُسکے حق میں گواہی دی، اور رسول کریم نے جب اپنی شہادت سے امت کا تزکیہ کیا اور اُنکی تعدیل کی تو امت آپکی گواہی سے نفعیاب ہوئی پس بظاہر ویکون الرسول لکم شہیدا کہنا چاہیئے تھا۔ بخلاف لوگوں پر امت کی گواہی کے کیونکہ اُنکی شہادت ان لوگوں کے لئے باعث ضرر تھی پس اس کا کلمہ علی سے متعدی ہونا اپنی اصل پر ہے۔ تو میں اسکے جواب میں کہوں گا کہ شہید کا علی کے ساتھ متعدی ہونا اس امر پر مبنی ہے کہ شہید رقیب (نگہبان) اور مطلع کے معنی کو متضمن ہے اور رقیب چونکہ علی کیساتھ متعدی ہوتا ہے اسلئے شہید کیساتھ علی لایا گیا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی جلالت علمی

صاحب روح البیان کے اس بیان سے خوب واضح ہوگیا کہ شہید یہاں پر نگہبان کے معنی کو متضمن ہے۔ اور شہید کے ساتھ اگر نگہبان کے معنی کا لحاظ نہ کیا جائے۔ اور اُسے اپنے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ "میں رسول تمہارے خلاف گواہ" اور یہ معنی بالاجماع مراد نہیں پس اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے کمال علمی پر داد دینی پڑتی ہے۔ کہ انہوں نے گواہ کے ساتھ نگہبان کا لفظ ذکر کرکے

اس طرف اشارہ فرمادیا۔ کہ علیٰ یہاں پر شہادت کا صلہ نہیں۔ بلکہ شہید جس رقیب کے معنی کو متضمن ہے۔ یہ اس کا صلہ واقع ہے۔

علامہ بیضاوی علیہ الرحمتہ اسی آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

ولما کان الرسول علیہ السلام کالرقیب المہیمن علی امتہ عدی بعلٰی

اور چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لئے نگہبان کی طرح ہیں۔ اس لئے (شہید) کو علےٰ سے متعدی کیا گیا۔

مدارک التنزیل میں علامہ نسفیؒ ارقام فرماتے ہیں۔

ولما کان الشہید کالرقیب جئ بکلمۃ الاستعلاء

اور جبکہ لفظ شہید رقیب (نگہبان) کی مثل ہے تو کلمہ استعلاء یعنی علی کو لایا گیا

تفسیر ابی سعود میں ہے۔

وکلمۃ الاستعلاء لمافی الشہید من معنی الرقیب والمہیمن

اور کلمہ استعلاء یعنی علیٰ کو اسلئے لایا گیا کہ لفظ شہید مطلع اور نگہبان کے معنی کو متضمن ہے

سرفراز صاحب سے گذارش ہے کہ اگر ترجمہ میں نگہبان کے معنی کا ملحوظ رکھنا ان کے نزدیک قرآن میں تحریف ہے تو علامہ بیضاوی علامہ نسفی اور ابوسعود نے جو رقیب اور المہیمن سے تفسیر کی ہے تو کیا یہ مفسرین آپکے نزدیک محرف نہیں اور صاحب روح البیان قائم کیا ہے آپ اس معنی کا لحاظ کے بغیر اس اشکال کا جواب دے سکتے ہیں دیدہ باید۔

مفسرین کرام کی عبارتوں کے سامنے آجانے سے اب یہ بات پردہ میں نہیں رہی۔ کہ شہید اس مقام پر مطلع اور نگہبان کے معنی کو متضمن ہے لیکن چونکہ اس معنی میں عظمت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلو ہے۔ اسی لئے مولوی سرفراز صاحب کو کسی تفسیر میں یہ معنی نظر نہیں آیا اور انہوں نے اس معنی کو اعلیٰ حضرت کی اختراع قرار دیا۔ اور اب چونکہ وہ روشنی میں آچکے ہیں۔ اسلئے ناظرین کرام

پر واضح ہو جائیگا کہ اس مقام پر شہید کے معنی ہیں نگہبان کا ذکر کرنا اعلیٰ حضرت کی عظمت علمی ہے۔ یا نگہبان کے ذکر پر چیں بجبیں ہونا مولوی گکھڑوی صاحب کی جہالت ہے۔

صدر الافاضل کی تفسیر اور اس پر تائید

صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے آیۂ زیرِ نظر کی مندرجہ ذیل تفسیر ارقام فرمائی ہے "اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکرم نورِ الٰہی نورِ نبوت سے ہر شخص کے حال اور اُس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں (مسئلہ) اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت امت کے حق میں مقبول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ کے حاضرین کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے فضائل و مناقب، یا غائبوں اور بعد والوں کے لئے مثل حضرت اویس علیہ الرحمتہ اور امام مہدی وغیرہ اس پر اعتقاد واجب ہے"

اس تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب تنقید کرتے ہیں ص ۱۲۴۔ "اور مولوی نعیم الدین صاحب نے تو صاف لفظوں میں لکھدیا کہ" آپ ہر شخص کی حقیقت ایمان اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق پر مطلع ہیں۔ لیکن یہ نظریہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ و صریحہ کے سراسر خلاف ہے"

آیئے اب دیکھیں کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف تفسیر کرنے کے جرم میں اور کون کون شریک ہے۔ یہ ہیں ذریت دیوبند کے معتمد علیہ و معنوی جد امجد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ جن کی عبارتوں کو مولوی گکھڑوی نے اپنی کتاب میں اندھا دھند پیش کیا ہے۔ وہ اسی آئت شریفہ کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔

یعنی و باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ	یعنے تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ

او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر
متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از
دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او
چیست و حجابے کہ بداں از ترقی
محجوب ماندہ است کدام است پس
او مے شناسد گناہان شمارا و درجات
ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا
و اخلاص و نفاق شمارا و لہذا شہادت
او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول
و واجب العمل است و آنچہ او از
فضائل و مناقب حاضران زمان
خود مثل اصحاب و ازواج و اہل بیت رض
یا غائبان از زمان خود مثل اویس رح و
مہدی رض و مفتون دجال یا معائب و
مثالب حاضراں و غائباں میفرماید
اعتقاد براں واجب است و ازیں است
کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر
اعمال امتیان خود مطلع میسازند
کہ فلانے امروز چنیں میکند و فلانے
چناں تا روز قیامت ادائے شہادت
تواند کرد۔

وہ نور نبوت سے ہر دین دار کے دین پر
مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا
ہوا ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت
کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ
دین میں ترقی نہ کر سکا۔ وہ کونسا ہے۔
پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات
اور تمہارے اچھے اور برے اعمال اور
اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں۔ اسی لئے
امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی
بحکم شرع مقبول اور واجب العمل ہے اور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانے کے حاضرین
مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضی اللہ عنہم
اجمعین یا غائبین مثلاً اویس رح و مہدی اور
مفتون دجال کے فضائل و مناقب بیان
فرمائے ہیں یا اپنے زمانے کے حاضر و غائب
لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں۔
ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اسی قبیل سے
ہے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت
کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں آج
یہ کرتا ہے اور فلاں یہ۔ تاکہ قیامت کے
دن ان پر گواہی دے سکیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس نورانی کلام کو ملاحظہ فرمائیے۔ اور دیکھئے کہ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی یہ تفسیر بعینہٖ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مضمون کی تعبیر ہے یا نہیں۔ پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ یہی بات اگر شاہ صاحبؒ فرمائیں تو وہ حق وصواب اور اگر صدر الافاضل وہی بات کہہ دیں تو وہ نصوص صریحہ کے خلاف ہو جاتی ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کو اگر صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے کلام پر سب وشتم کرنا ہی تھا تو پہلے شاہ صاحبؒ کی تفسیر کے تمام نسخوں کو دریا برد کر دیتے۔ ورنہ جبتک دنیا میں تکیہ دیوبند کی یہ تفسیر موجود ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں سلامت ہیں تو اس وقت تک مولوی سرفراز صاحب کے اس دجل وفریب کو کوئی وقعت نہیں دیگا۔ اور اس کلام پر اُن کی تنقید اہلِ حق کی نگاہوں میں ذلّت و رسوائی کا آخری نشان بن کر رہ جائے گی۔

تفسیر عزیزی کے بعد روح البیان سے اسی مقام کی تفسیر میں ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

ومعنی شهادة الرسول علیهم اطلاعه علی رتبة کل متدین بدینه وحقیقته التی هو علیها من دینه وحجابه الذی هو محجوب عن کمال دینه فهو یعرف ذنوبهم وحقیقة ایمانهم واعمالهم وحسناتهم وسیاٰتهم واخلاصهم ونفاقهم وغیر ذالك بنور الحق۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر دیندار کے دینی مرتبہ اور اس کے دین کی حقیقت پر مطلع ہیں اور اُس حجاب سے بھی واقف ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے کمالِ دینی سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے گناہوں۔ ایمان کی حقیقت۔ انکی نیکیوں اور برائیوں اُن کے اخلاص ونفاق اور اسکے علاوہ باقی تمام امور پر نورِ ربانی سے واقف ہیں۔

روح البیان کی یہ شہادت ان دلوں پر یقیناً گراں گذرے گی۔ جو تنقیص نبوت

کی تسبیح پر اپنے ایمان کے درجات کا شمار کرتے ہیں جن کی نگاہیں فضائل رسالت کی تیز روشنی میں شپرہ ناہنجار کی طرح بینائی کھودیتی ہیں۔ اور بغض نبوت کے سیاہ فام اندھیروں میں جن کا دیدہ غارت گر مستعد اور فعال ہو جاتا ہے

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل پر جو مشق ستم مولوی سرفراز صاحب نے کی ہے اور آپ کی وسعتِ علمی پر جو گھڑے سے تیر پھینکے ہیں انہیں ہم سطور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کے نفاق کو بھی نہ جانتے تھے۔

(۲) سورۂ نور میں حضرت عائشہؓ پر اتہام کا اور پھر اُن کی صفائی کا ذکر ہے اگر آپ ہر شخص کی حالت سے واقف ہوتے تو اُم المومنینؓ کو پیچھے چھوڑتے ہی کیوں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سچے صحابی (حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ) کو جھوٹا فرمایا اور منافقین کو سچا فرمایا۔ لیکن نزول وحی کے بعد حقیقت منکشف ہوئی۔

(۴) سورۂ تحریم میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی ایک خاص کاروائی کا ذکر ہے جس کی وجہ سے آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا۔ اور اُن اصل کاروائی اور حالات کا علم نزول سورت کے بعد ہوا۔

(۵) حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا جس کو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تلاش کیا۔ اور دیگر صحابۂ کرام نے بھی تلاش کیا۔ مگر نہ ملا، حاضر و ناظر سے بھی بھلا کوئی چیز مخفی رہتی ہے۔

(۶) ۷ھ میں خیبر کے مقام پر آپ کی زہر خورانی کا واقعہ موجود ہے جس سے صاف طور پر یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے۔ کہ آپ کو غیب کا علم نہ تھا اور نہ آپ نگہبان ہیں (تنقید متین صد ۱۲۴ و ۱۲۵)۔

علم رسالت پر طعن طریقہ منافقین ہے

اس سے پہلے کہ ہم ان سوالوں کے جوابات پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کو اس معدن پر مطلع کریں۔ جہاں سے بغض رسالت کا یہ لاوا پہلی بار پھوٹا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبحر علمی پر جن سوالات کا اعادہ گکھڑ سے کیا گیا ہے۔ اُن کی اختراع کس ذہن نے کی تھی۔ تفسیر خازن میں ماکان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ما انتم علیہ کے شانِ نزول میں علامہ خازن فرماتے ہیں۔

قال السدی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرضت علیّ امتی فی صورھا فی الطین کما عرضت علےٰ آدم و اعلمت من یومن بی و من یکفر بی فبلغ ذٰلک المنافقین فقالوا استھزاءً زعم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہ یعلم من یومن بہ و من یکفر ممن لم یخلق بعد ونحن معہ و ما یعرفنا فبلغ ذالک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقام علی المنبر فحمد اللہ تعالےٰ و اثنی علیہ ثم قال ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی عن شئی فیما بینکم و بین الساعۃ الا نبأتکم بہ فقام عبد اللہ بن حذافۃ

سدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت اپنی خاکی صورت میں اس طرح پیش کی گئی جس طرح حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتلا دیا کہ مجھ پر کون ایمان لائیگا اور کون نہیں لائے گا جب بات منافقین تک پہنچی تو انہوں نے استہزا کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یوں گمان کرتے ہیں، کہ انہیں جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے انکے بارے میں بھی علم ہے کہ ان میں سے کون ان پر ایمان لائیگا اور کون کفر کریگا۔ حالانکہ ہم انکے درمیان رہتے ہیں۔ اور انہیں ہمارے نفاق کا علم نہیں پس جب یہ بات رسول اللہ تک پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر طعنہ زنی کرتے ہیں تم لوگ اب سے قیامت تک کسی بات کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو گے۔ مگر میں تم کو اس کی خبر دونگا۔ پس عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ (باقی حدیث معہ ترجمہ بر صفحہ ۱۹۶)

السہمی رضی اللہ عنہ فقال من ابی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال حذافۃ فقام عمر فقال یا رسول اللہ رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبالقرآن اماما وبك نبیا فاعف عنا عفا اللہ عنك فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فهل انتم منتهون فهل انتم منتهون ثم نزل عن المنبر فانزل اللہ هٰذه الآیۃ

سہمی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض گذار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے تو حضور نے فرمایا۔ حذافہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ کی ربوبیت پر راضی ہیں۔ اسلامی دین پر خوش ہیں۔ ہم قرآن کی امامت مانتے ہیں آپکی نبوت پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپکے درجات بلند کرے آپ ہمیں معاف فرما دیجئے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر فرمایا کیا تم رکنے والے ہو۔ کیا تم رُکنے والے ہو پھر اللہ تعالےٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اس حدیثِ صریح سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام امت کے ایمان وکفر پر مطلع ہیں:۔

(۲) منافق آپکے اس دعوٰی پر طعنہ زن ہوئے کہ اگر آپ سب کے ایمان وکفر پر مطلع ہیں تو ہمارا نفاق کیوں آپ سے مخفی ہے۔

(۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر دعوٰی فرمایا کہ اب سے قیامت تک کی جو بات چاہو۔ پوچھو۔

(۴) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے علم پر طعنہ زنی سے ناراض ہوئے۔

(۵) حضرت عمر اور عبداللہ ابن حذافہ رضی اللہ عنہما آپ کی وسعتِ علمی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

حوالہ خازن کی تحریر تفصیل اور اس تجزیہ کے بعد اب ناظرین پر مخفی نہ رہا

ہوگا کہ پس آفگندہ منافقین سے خوشہ چینی کر کے مولوی سرفراز نے اپنے آپ کو کس صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اور کیا اب یہ صراحت ضروری ہے کہ علمِ رسالت پر طعن کرنا کس کا اندازِ فکر ہے۔ اور علمِ نبوت کی وسعتوں کو ماننا کس کا طریقہ ہے اور وہ جزوی واقعات جو مولوی سرفراز صاحب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاعلمی ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں۔ ہمیں کسی طرح مضر نہیں کیونکہ باوجود علم کے کسی امر کی طرف سے توجہ ہٹ جانا۔ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور علماء دیوبند کو بھی مسلم ہے۔ دیکھئے عقائد علماء دیوبند ص ۳۱۔ ثانیاً یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں الی حین الوصال مکمل ہُوا۔ سرفراز صاحب نے جس قدر واقعات حضور کی بے علمی ثابت کرنے کیلئے پیش کئے ہیں۔ سب نزولِ قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً ان کا علم حضور کو حاصل ہوتا رہا۔ اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی بے علمی ثابت کرنے کیلئے بیقرار ہیں۔ تو ثابت کریں۔ کہ آپ کو فلاں امر کا علم وصال تک حاصل نہیں ہُوا۔ وبدونہ خرط القتاد۔

انتہائی افسوسناک امر یہ ہے کہ مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کیلئے ہمیشہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ بر سرِ عام بازاروں میں مساجد کے منبروں پر کتاب کے صفحات پر کہیں بھی اس واقعہ کو بیان کرنے سے نہیں چوکتے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اگر ان کی ماں پر اس قسم کی تہمت لگائی جاتی تو کیا یہ اس بات کو پسند کرتے کہ وہ تہمت خواہ غلط ہی ہو اسکو بر سرِ عام بیان کیا جائے پھر ام المؤمنین کے اس واقعہ کو بیان کرنے میں انہیں کوئی حیا کیوں نہیں آتی۔ کیا اس طرزِ عمل سے ام المؤمنین اور نبی علیہ السلام کو ایذا

نہیں پہنچتی۔ اسی طرح مسئلہ حاضر ناظر کو مولوی سرفراز صاحب کا بار بار استہزاً ذکر کرنا فضائل نبوت سے لہو ولعب کے مترادف ہے:۔

حاضر و ناظر کا ثبوت

ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم اقدس کے ساتھ روضۂ منورہ میں تشریف فرما ہیں۔ اور تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے۔ جسے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اگر آن واحد میں امکنہ متعددہ پر تشریف لے جانا چاہیں۔ تو یہ بھی ممکن ہے۔ یہی حاضر و ناظر کا صحیح مفہوم ہے نہ یہ کہ آپ اپنے محصور جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے اہل سنت پر افترا باندھا اور پھر اسے بنیاد بنا کر لغو اور لایعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جہانتک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے۔ ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں۔ ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے۔ وللتفصیل موضع اخر۔ اجمالی طور پر یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ حاضر ناظر کے اثبات کیلئے آپ کی حیات اور لوازمات حیات کے بالفعل متحقق ہونے کا اور آن واحد میں امکنہ متعددہ پر موجود ہونے کے امکان کا اثبات ضروری ہے۔

حیات

حیات کے بارے میں کچھ گفتگو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔

مبتدعین دیوبند کے سرخیل مولوی قاسم نانوتوی لطائف قاسمیہ صـ۳ پر لکھتے ہیں۔ "عقیدہ دل سے آگاہ کئے دیتا ہوں۔ اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔ تو ہو جائے۔ انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں"

لطائف قاسمیہ صـ۴ پر لکھتے ہیں۔

"تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاصکر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔ مگر اس صورت میں یہ اجتماع موت وحیات ایسا ہوگا۔ جیسا وقت حرکت کشتی جالشین کشتی کا حرکت وسکون۔ جیسے یہاں سکون اصلی ہے۔ اور حرکت عرضی ایسی ہی وہاں بھی حیات اصلی اور موت عرضی ہوگی"

نانوتوی صاحب کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا اتصاف مجازاً ہوا ہے۔ اور حقیقۃً حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام مجازاً ہوتا ہے۔ اور حقیقۃً وہ متحرک نہیں ہوتا۔ خلاصۃ المرام یہ کہ اس تقریر سے آپ پر حقیقۃً موت کے طاری ہونے کا انکار ہوگیا۔

لطائف قاسمیہ صہ ۵ پر لکھتے ہیں۔

فرض کیجئے چراغ کو کسی ظرف گلی میں رکھ کر سرپوش رکھ دیجئے جیسے یہاں تمام شعائیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں۔ بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتی ہیں جس سے وہ اشتداد مشار الیہ نمایاں ہوجاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمالیجئے۔ اس صورت میں موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہوگا جیسا چراغ ظرف گلی میں مستور ہوجانے اور گل ہوجانے میں فرق ہے"

اس عبارت کا مطلب واضح ہے۔ یعنی عوام کی موت تو اس طرح ہے کہ، موت سے ان کا چراغ حیات بجھ جاتا ہے۔ اور انبیاء کی موت اس طرح ہے کہ ان کا چراغ حیات قبر میں مستور ہوجاتا ہے۔ یعنی اس کی روشنی پہلے سے بڑھ جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کی حیات کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے اور کبھی نہیں بجھتا!

لطیفہ | مولوی سرفراز صاحب تنقید متین صہ ۲۹ پر لکھتے ہیں۔

"یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء اور شہداء سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب"

اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیاتِ انبیاء کی نفی کی ہے۔ اور لطائف قاسمیہ میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے۔ غور فرمائیے۔ مبتدعین دیوبند کے اصول وفروع کس قدر تناقض ہے۔ آبارِ دیوبند نے حیات کو ماننے میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ حقیقت موت کا سرے سے انکار کیا ہے۔ اور انک میت۔ کل نفس ذائقۃ الموت اور فان محمد اقد مات کی تکذیب کر دی۔ اور ابناءِ دیوبند نے موت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ حیات کا قطعاً انکار کر دیا۔ اور نبی اللہ حی یرزق کی تکذیب کر دی۔ باپ بیٹوں میں کوئی جھوٹا ہے۔ اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کے لئے ایک آن کی موت ثابت ہے اور یہی انک میت اور کل نفس ذائقۃ الموت کا مقتضیٰ ہے۔ اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالے نے حقیقی حیات عطا فرمائی جو کہ احادیث صحیحہ کا مقتضیٰ ہے۔ ضروری تفصیل بحث استعانت میں کی جا چکی ہے۔ بہر حال بانی دیوبند کے کلام سے دنیاوی حیات ثابت ہو گی اور یہی ہمارا مدعا ہے

لوازم حیات

جبکہ یہ امر روشن ہو گیا کہ نبی علیہ السلام دنیاوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور دنیاوی حیات میں آپ کی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ تمام عالم کو مثل کفِ دست ملاحظہ فرماتے ہیں۔ دیکھئے صاوی ج۲ ص۲۴۲ پر ہے۔

ورد دفعت لی الدنیا فانا انظر فیھا کما انظر الی کفی ھذہ۔

حدیث میں آیا ہے کہ تمام دنیا میرے سامنے پیش کی گئی پس میں اسکو مثل کف دست دیکھتا ہوں۔

ممکن ہے مبتدعین کو یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ فضیلت تو دنیا میں ثابت تھی

نہ کہ بعد الوفات پس اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ فانا انظر جملہ اسمیہ ہے اور خبر فعل مضارع ہے۔ اور وہ جملہ اسمیہ جس کی خبر فعل مضارع ہو۔ دوام تجددی کا افادہ کرتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم وان کفرتم فان عذابی لشدید۔ پس اس قرآنی ضابطہ سے معلوم ہوا کہ شکر کرنا زیادتی نعمت کا سبب ہے۔ اور نبی علیہ السلام سید الشاکرین ہیں۔ فلہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر یوماً فیوماً بلکہ آناً فاناً زائد ہوگی پس جب دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی تو وصال کے بعد زیادتی متصور ہوگی نہ کمی تنقیص کیلئے کوئی راہ نہیں۔ ثالثاً اگر فرض کیا جائے کہ ....

دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی اور آخرت میں یہ نعمت مسلوب ہوگئی تو لازم آئیگا کہ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر نہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وللآخرۃ خیر لك من الاولیٰ۔ "آپ کی آخرت دنیا سے بہتر ہے" رابعاً جب آپ نے مان لیا کہ قبر میں دنیاوی حیات ہوتی ہے۔ تو دنیاوی حیات کے لوازم بھی ماننے ہونگے اور وسعتِ نظر چونکہ دنیا میں ثابت ہے۔ اس لئے قبر شریف میں بھی اس کو ماننا ہوگا خامساً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام افرادِ امت کے بارے میں فرمایا ہے۔

المیّت یعلم من یکفنہ ومن یصلی علیہ ومن یحملہ ومن یدفنہ مرقاۃ ص۴۸۹ ج۱	میت کو علم ہوتا ہے کہ اسے کون کفن پہنا رہا ہے اور کون اس پر نماز جنازہ پڑھتا ہے۔ کون اس کا جنازہ اُٹھاتا ہے اور کون اسے دفن کرتا ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے کیونکہ حیاتِ دنیاوی میں اگر اسے چارپائی پر لٹا کر اوپر چادر ڈال کر لے جاتے تو وہ نہ جان سکتا اسے اُٹھانے والے کون ہیں۔ کون اس پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور کون اس کو دفنا رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وفات کے بعد اس کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے۔ جب عام میت کا یہ حال ہے۔ تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالم ہوگا جن کی نگاہ کی وسعت کا حیاتِ دنیاوی میں یہ عالم تھا کہ اُوپر نظر اُٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت

کا ملاحظہ فرماتے اور اگر نیچے نظر فرماتے. سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے. جو حیاتِ دنیاوی میں اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھتے تھے. وصال کے بعد جب ان کا ادراک بصری ترقی پا گیا ہو تو پھر ان کی نگاہ کی وسعتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ رسالہ شالطائف قاسمیہ ص۴ پر نانوتوی صاحب لکھتے. یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے. کہ وقتِ موت حیات انبیاء کرام علیہم السّلام اور بھی شدید ہو جاتی ہے کیونکہ جب حیات اصلی ہے. تو اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا کبھی آسمان پر نظر آنا ایسا ہو گا. جیسے حالتِ حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ معراج آسمانوں پر چلے جانا ص۵ پر لکھتے ہیں۔ "بالجملہ حیاتِ حال انبیاء کا مثل حیات سابق ہونا اور پھر اس سے اشد اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ بوجہ احاطہ ضد معلوم جس کو موت کہئیے. تمام فیض حیات جو مثل شعاع شمس و قمر اطراف بدن اور اس سے باہر تک بذریعہ افعال جاتا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا"

نانوتوی صاحب کا یہ کلام ان کی تمام ذریت پر حجت قاطعہ ہے۔

آن واحد میں امکنہ متعددہ پر حاضر ہونے کا امکان

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے مبتدعین دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ دنیاوی حیات کے ساتھ قبر انور میں زندہ ہیں اور فیضان حیات دنیاوی حیات سے شدید تر ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ آپ قبرِ انور میں تشریف فرما ہیں. اور تمام عالم کا ملاحظہ فرما رہے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں. اور آن واحد میں اگر امکنہ متعددہ میں تشریف لے جانا چاہیں تو وہ بھی ممکن ہے۔ رہا یہ سوال کہ امکنہ متعددہ پر اگر بعینہٖ حضور موجود ہیں تو یہ تکثر جزئی ہے اور اگر وہاں آپ کی مثال موجود ہے تو مثل شئی غیر شئی ہے پس امکنہ متعددہ پر آپ کا غیر موجود ہوا۔ لہٰذا کہ خود آپ اس سوال کا ایک جواب تو بطور النقض

اجمالی ہم بحث استعانت میں تھانوی صاحب کی گپ پر اعتراضات کے ضمن میں دے چکے ہیں۔ ثانیاً نقض تفصیلی کے طور پر جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ متعددہ متعلقہ بروح واحد امکنہ متعددہ میں موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکثیر جزئی نہیں ہے کیونکہ اجساد میں نوع من التغائر موجود ہے۔ اور یہ اجسام حضور کے غیر بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ تمام اجساد کے ساتھ حضور کی روح کے متعلق ہوگی۔ اور تعین کا مدار عینیت روح پر ہے نہ کہ عینیت جسم پر ہے۔ کما لا یخفیٰ علی النُّھیٰ

دیکھئے جذب القلوب ص ۱۵۳ پر شیخ عبد الحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ علاء الدین قونوی میگوید که بعید نیست که گفته شود که ارواح مقدسه انبیاءؑ بعد از مفارقت بمنزله ملائکه است بلکه افضل از ایشاں دہم چنانکه ملائکه متمثل شوند در صور مختلفه کذالک جائز باشد که ارواح مقدسه انبیاءؑ نیز متمثل گردند و نیز ممکن است که ایں تصرف بعضے خواص عباد را در حالت حیات نیز دست دہد و روح واحد در ابدان متعددہ غیر بدن معہود متصرف گردد چنانچہ بعض محققین در تسمیه ابدال گفته اند که گاہے یک از ایشان بمکانے رود و در مکان اول شبحے و مثالے در

شیخ علاء الدین قونوی کہتے ہیں کہ یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ انبیاء کی ارواح مقدسہ ابدان سے مفارقت کے بعد ملائکہ کے ابدان کی مثل ہو جاتی ہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہوتی ہیں اور جس طرح ملائکہ مختلف صورتوں میں متمثل ہو جاتے اسی طرح جائز ہے کہ ارواح مقدسہ بھی متمثل ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو یہ مقام دنیا میں حاصل ہو جائے اور روح واحد بدن معہود کے سوا ابدان متعددہ میں تصرف کرے جس طرح بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہو تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی مثال

بدل خود بگذار و سادہ صوفیہ قدس اللہ
اسرارہم عالم متوسط در عالم اجساد
وارواح ثابت کردہ اند کہ آں را عالم
مثال گویند الطف از عالم اجساد واکثف
از عالم ارواح وظہور ارواح وصور
مختلفہ مبنی برآں ساختہ وظہور جبریل
علیہ السلام بصورۃ دحیہ کلبی وتمثل او مر مریم
را بصورت بشر سوی الخلق ازاں عالم مے
دارند وبنا برعلیہ جائز بود کہ موسے
علیہ السلام باوجود استقرار در آسمان
ششم بشبح وپیکر مثالے در قبر متمثل
باشد وآنحضرت اورا در ہر دو مکان
مشاہدہ فرمود وبعد از اثبات عالم
مثال جواب از مسائل کثیرہ بیروں
آید واشکالات بسیار مثل بیان سعت
جنت در رویت او در عرض حائط مثلاً
منحل گردد"

چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ
کے نزدیک عالم اجساد اور ارواح کے
درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو
عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے
کثیف ہوتا ہے اور ارواح کا صور مختلفہ
میں متمثل ہونا اسی عالم پر مبنی ہے اور جبریل
علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں اور مریم
کے پاس بشر سویا کی شکل میں متمثل ہو
کر جانا اسی عالم سے ہے اور اسی بناء
پر جائز ہے کہ موسے علیہ السلام چھٹے
آسمان پر مستقر ہوں اور اسی وقت قبر
میں بھی مثالی چھوڑ آئے ہوں اور حضور
نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو۔ اور اس
عالم کے اثبات سے بہت سے
مسائل حل ہو سکتے ہیں مثلاً جنت کا
بایں وسعت دیوار کی پہنائی میں
دکھائی دینا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ ص ۳۱ ج ۴ پر فرماتے ہیں :-

ولا تباعد من الاولیاء حیث
طویت لهم الارض وحصل لهم
ابدان مکتسبة متعددة وجدوها

جب اولیاء اللہ کیلئے زمین لپیٹ دی جائے
اور ان کیلئے ابدان مکتسبہ متعددہ حاصل
ہو جائیں تو ان کے لئے اپنے آپ کو

فی اماکن مختلفۃ فی آن واحد واللّٰہ علیٰ کل شیٔ قدیر وھذا فی ھذا العالم المبنی علی الامر العادی غالباً۔

ایک آن واحد میں متعدد جگہوں پر پالینا کوئی بعید نہیں ہے۔ اور اس جہان میں یہ امر غالباً اولیاء اللہ کے لئے عادت پر مبنی ہے۔

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبندیوں کے تمام اکابر اور اصاغر کے مسلم مقتدا رہیں۔ فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸ پر لکھتے ہیں۔

رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے۔ آپکے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اسکے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ علاوہ اسکے اللہ کی قدرت تو محل کلام نہیں۔

اس بحث کے آخر میں بطور تتمہ کے ہم ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہوجائیگا کہ شخص واحد آن واحد میں امکنہ متعددہ پہ موجود ہو سکتا ہے۔ دیکھئے مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۳ پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مغموم شخص کو جس کا بیٹا فوت ہوچکا تھا۔ فرمایا۔

اما تحب ان لا تاتی بابا من ابواب الجنۃ الا وجدتہ ینتظرک فقال رجل یارسول اللہ اخاصۃ لہ ام لکلنا فقال لکلکم (ترجمہ) کیا تو اسکو پسند نہیں کرتا کہ تو جنت کے دروازوں میں سے کسی دروازے سے داخل ہو۔ مگر تیرا بیٹا اس دروازے پر تیرا انتظار کر رہا ہو کسی نے پوچھا حضور یہ اسی کا خاصہ ہے یا سب کے لئے آپنے فرمایا سب کے لئے

اس حدیث شریف میں باب نکرہ ہے۔ اور حیز نفی میں ہے اور نکرہ تحت نفی مفید عموم ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جنت کے ہر دروازے کی یہ صفت ہوگی کہ اس دروازے پر وہ بیٹا موجود ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ آن واحد واحد میں امکنہ متعددہ پر موجود نہ صرف ممکن ہے بلکہ امر واقع ہے۔

نذر و نیاز

وما اُهل به لغیر الله کے تحت حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمت تحریر فرماتے ہیں کہ

"چوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر کیا گیا ہو۔ مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو۔ وہ حرام نہیں۔ جیسے عبد اللہ کی گائے۔ عقیقہ کا بکرا۔ ولیمہ کا جانور۔ یا وہ جانور جس سے اولیا کی ارواح کو ثواب پہنچانا مقصود ہو۔ اُن کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے۔ مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اُس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال وطیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اس کو حرام فرمایا گیا ہے۔ جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے۔ وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں۔ اور اُن کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے۔ اور خود آیت ان کے معنی کو بننے نہیں دیتی۔ کیونکہ ما اهل به کو اگر وقتِ ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں۔ تو اِلَّا مَا ذَكَّيتم کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو۔ وہ اِلّا ما ذکیتم سے حلال ہوگا۔ غرض وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں۔"

اس پر مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ "مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے۔ محض اپنے ایک باطل نظریہ کے تحت لکھا ہے اور اپنی بدعت پسندی کا واضح ثبوت دیا ہے۔ جو چند وجوہ سے مردود ہے۔" (تنقید متین ص ۱۲۶)

حق یہ ہے کہ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کا یہ محققانہ کلام چند وجوہ سے مولوی سرفراز

صاحب کی سمجھ میں نہ آسکا۔ اسی لئے اُنہوں نے خامہ و قرطاس کو گلی ڈنڈا بنانے کی کوشش کی ہے۔ خود فریب کھایا ہے۔ یا لوگوں کا دین و ایمان لوٹنے کیلئے دجل کی دوکان سجائی ہے۔

تعجب یہ ہے کہ مولوی سرفراز صاحب نے مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک بے سند فتوٰی بھی سند بنا کر پیش کیا ہے۔ اور غریب کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ خصم پر بطور حجت کے مسلّم بزرگوں کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو آپ گنگوہ کے عالی مریدوں پر پیش کیجئے گا۔ یا آن پکی روٹی کے حافظوں پر جن کے سروں پر دیوبند نے فضیلت و افتخار کی دستار باندھی ہے۔ احتجاج و استشہاد کے میدان میں اس مجموعہ کی کیا قدر ہوگی جس میں نام کیلئے بھی کوئی دلیل موجود نہیں۔

سرفراز صاحب کا پہلا شبہ

سرفراز صاحب نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے کلام میں پہلی تحریف اس طرح کی ہے۔ کہ " اہلال کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں۔ بلکہ نامزد اور شہرت دینے کے ہیں تنقید ۱۲۷ " پھر مولوی سرفراز صاحب نے اس پر خوب زور دیا۔ اور ارباب لغت اور تفاسیر کے حوالے نقل کرتے چلے گئے۔

جیسے صدر الافاضل نے اُہِلَّ کا معنی ذبح کیا ہو۔ اور اس کے خلاف مولوی سرفراز صاحب گھر سے پورا اسکواڈرن فضائے قرطاس میں لے آئے ہوں۔ صدر الافاضل نے اُہِلَّ کا کیا معنی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں۔

" وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو " اب مولوی سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ جب صدر الافاضل نے اُہِلَّ کا معنی ذبح نہیں کیا۔ تو پھر آپ کو اس بے مقصد کلام سے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر یوں ہی گلے میں طوقِ لعنت آویزاں کر کے کذابین کی صفت میں شامل ہونے

کا شوق ہے۔ تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں چشم ما روشن دل ما شاد۔

خود مولوی سرفراز صاحب کو بھی احساس تھا کہ جھوٹ کی یہ کشتی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی۔ اسلئے ص۱۳۰ پر لکھتے ہیں۔ غرضیکہ وما اُهل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت خواہ مخواہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں۔ انتھیٰ کلامہ۔

دروغ گو را حافظہ نباشد۔ پہلے آپنے کہا تھا کہ اُہِلّ کو ذبح کے معنی میں لینا غلط ہے۔ اور اس سے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ صدر الافاضل نے اُهلّ کا معنی ذبح کیا ہے۔ اب کہتے ہیں کہ اُهلّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا غیر ضروری ہے جس سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ صدر الافاضل نے اُهلّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کیا ہے یہ کس شراب فتنہ گر کا اثر ہے۔ کہ آپ کا قلم بار بار بہک جاتا ہے۔

ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں

صدر الافاضل فرماتے ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ انتھیٰ کلامہ

مذکورہ بالا عبارت اس مفہوم میں صریح ہے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس آیت میں صرف اسی کو حرام کیا گیا ہے جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ہم اس کے علاوہ ذبیحہ حرام ہونے کی چند صورتیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مثلاً مجوسی اور اہل ہنود کا ذبیحہ حرام ہے (۲) احناف کے نزدیک مسلمان بھی اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دے تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہو گا (۳) مرتد اگر اللہ کا نام لیکر بھی ذبح کرے تو ذبیحہ حرام ہو گا۔ اور اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان جانور کو غیر اللہ کی طرف تقرب علی وجہ العبادۃ کے طور پر منسوب کر دے تو اب وہ اگر بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہو گا کیونکہ بحیثیت عبادت

غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قصد سے وہ مرتد ہو گیا۔ اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہوتا ہے۔ اور اسی جانور کو کوئی اور مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ بلا ریب حلال وطیب ہے۔ اس کو حرام کہنا قرآن کی نصوص قطعیہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتابوں میں جس ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے۔ وہ اسی صورت پر محمول ہے۔ کہ ذابح نے جانور کو بحیثیت عبادت تقرب حاصل کرنے کے لئے کسی بزرگ کی خاطر نامزد کر دیا ہو۔ اب وہ خود اگر اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہو گا۔ کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔ اور اگر تقرب بحیثیت عبادت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو تو یہ ذبیحہ حلال اور طیب ہے۔ کیونکہ مطلقاً تقرب وجہ شرک نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز اور نیاز کے جانور

مبتدعین دیوبند اس خوش فہمی بلکہ غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انکے خود ساختہ مسلک کی تائید کیلئے وافر مواد جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد کئے جاتے ہیں۔ انکی حرمت پر یہ لوگ ہمیشہ شاہ صاحب کی عبارتوں سے استشہاد کرتے ہیں۔ علماء اہلسنت نے ان کی اس غلط فہمی کو بارہا رفع کیا لیکن یہ ضدی طائفہ ہمیشہ ان عبارتوں کو لے کر اس طرح سامنے آجاتا ہے جیسے اب تک یہ عبارتیں لاجواب رہی ہوں۔ انصاف اور دیانت کا تقاضا تھا کہ سرفراز صاحب ان پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھانے سے پہلے پچھلا حساب بیباق کرتے اور علماء اہل سنت نے ان عبارتوں کے جو جوابات دیئے ہیں ان کو پیش کر کے ان پر تبصرہ کرتے۔ بہرحال اب چونکہ انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑ ہی دیا ہے۔ اسلئے اب ہم بھی ذرا اس پر کھل کر گفتگو کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق

سرفراز صاحب نے تفسیر عزیزی سے جو عبارات پیش کیں ہیں ان کا کچھ حصہ تو اُھِلَّ کے معنی سے متعلق ہے کہ اس کا معنی ذبح نہیں۔ بلکہ آواز دینا۔ اور شہرت دینا ہے۔ اور یہ کلام خارج از بحث ہے۔ کیونکہ صدر الافاضل نے اھل کا معنی ذبح نہیں کیا۔ ہم ان کی نقل کردہ عبارت کا وہ حصہ پیش کرتے ہیں جو موضوع سے متعلق ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "خواہ پیر پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں، کہ یہ سب حرام ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے" (تفسیر عزیزی اُردو پ۲ ص۳۲)

اور شاہ صاحب موصوف ہی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ "اس واسطے جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلاں کے واسطے ہے۔ تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا۔ اسواسطے کہ وہ جانور منسوب بغیر خدا ہو گیا۔ اور اس میں پلیدی پیدا ہو گئی اور خبث اس کا مردار کے خبث سے زیادہ ہے ماسواسطے کہ مُردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا۔ اور یہ جانور غیر کے نام پر مارا گیا۔ اور یہ عین شرک ہے۔ اور جبکہ یہ خبث مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا کا اس کو حلال نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ کتا اور سؤر کہ اگر نام خدا لیکر ذبح کئے حلال نہ ہوں گے۔"

"حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے۔ کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے۔ اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب لغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے" (تفسیر عزیزی ج۲ ص۳ تنقید متین صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۲)۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو مستقل وجہیں بیان کی ہیں (۱) تقرب غیر خدا (۲) جان کو جان پیدا کرنے والے کے غیر کی طرف منسوب کرنا۔ پہلے ہم تقرب پر گفتگو کرتے ہیں۔ گذارش یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ذبیحہ

کے حرمت کی علت اس تقرب کو قرار دیا ہے جو تقرب شرک ہو۔ چنانچہ فرمایا اور یہ عین شرک ہے۔ اور مطلق تقرب الی الغیر شرک نہیں ہے۔ ورنہ تمام ذوی القربیٰ خدا کے شریک قرار پائیں گے۔ کیونکہ ذوی القربیٰ کو ذوی القربیٰ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ ان سے قرابت کا تعلق ہوتا ہے۔ اور انسان کو ان کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر مطلقاً قرب وجہ شرک ہو تو ذوی القربیٰ اللہ تعالیٰ کے شریک قرار پائیں گے اور یہ بداہتہً باطل ہے۔ ورنہ لازم آئیگا کہ و بالوالدین احسانا و ذوالقربیٰ اور قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ اللہ تعالےٰ کے شرکاء سے احسان اور مودت کی تعلیم دی گئی ہو۔ پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ مطلق تقرب الی الغیر شرک نہیں بلکہ تقرب من حیث العبادۃ شرک ہے۔

علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ مکفر تقرب علی وجہ العبادۃ ہے۔ چنانچہ جب درمختار نے مطلقاً تقرب کا ذکر کیا۔ تو شامی نے اس کو علی وجہ العبادۃ سے مقید کیا۔ دیکھئے شامی میں ہے:۔

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر	یعنی تقرب علی العبادۃ کیونکہ یہی مکفر ہے۔

(ردالمحتار ص ۲۰۳ ج ۵)

علامہ شامی کی تصریح کے بعد بھی اگر سرفراز صاحب مطلق تقرب کے وجہ کفر و شرک ہونے پر اصرار کریں۔ تو لیجئے ہم خود شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت کئے دیتے ہیں کہ کفر کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:۔

و اما الذبح لغیر اللہ فالمراد بھا ان یذبح باسم غیر اللہ کمن ذبح للصنم او للصلیب او الموسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام او الکعبۃ و	بہر کیف ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کرے مثلاً کوئی شخص بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا عیسےٰ علیہ السلام یا کعبہ کے لئے

نحو ذالك فكل هذا حرام ولا تحل هذه الذبيحة سواء كان الذابح مسلما او نصرانيا او يهوديا كما نص عليه الشافعي واتفق عليه اصحابنا فان قصد مع ذالك تعظيم المذبح لغير الله والعبادة له كان ذالك كفرا فان كان الذابح مسلما قبل ذالك صار بالذبح مرتدا از فتاوی عزیزی ص ۴۲ ج ا۔

ذبح کرے۔ پس یہ سب حرام ہے خواہ ذابح مسلمان ہو۔ یا نصرانی یا یہودی۔ اسی پر امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے نص کی۔ اور ہمارے اصحاب کا بھی اس پر اتفاق ہے پس اگر ذابح نے باوجود غیر اللہ کے نام لینے کے اسکی تعظیم کی اور عبادت کا بھی قصد کیا۔ تو یہ کفر ہے اور اگر ذبح سے پہلے مسلمان تھا تو اس اعتقاد سے ذبح کرنیکی وجہ سے مرتد ہو گیا۔

دیکھئیے اس عبارت میں شاہ صاحب نے تصریح کر دی کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے نام سے ذبح کر دے تو یہ شرک نہیں اور اگر اس کے ساتھ ہی فقط تعظیم غیر اللہ کا اعتقاد ہو۔ پھر بھی شرک نہیں۔ شرک تب ہو گا۔ جب تعظیم کے ساتھ عبادت غیر اللہ کا بھی قصد کرے گا۔ پس ثابت ہو گیا کہ کفر و شرک کا مدار قصد عبادت غیر اللہ پر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تفسیر میں تقرب سے مراد تقرب مع قصد العبادت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص نے تقرب مع قصد العبادت سے جانور کو غیر اللہ کے نام پر مشہور کر دیا۔ وہ شخص اگر پہلے مسلمان بھی تھا تو اب اس قصد سے مرتد ہو گیا اور مرتد کے ہاتھوں ذبح ہونے کی وجہ سے اس جانور میں خبث سرائت کر گیا اور یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہے۔ خواہ وہ وقت ذبح خدا کا نام لے یا نہ لے۔ مگر خوب یاد رکھئیے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے چنانچہ اسی جانور کو کوئی مسلمان شرائط کے ساتھ ذبح کر دے تو یہ خالص حلال و طیب ہے اور اس میں رتی برابر بھی شک نہیں ہے۔ دیکھئیے مشرکین مکہ سوائب وغیرہ جانوروں کو بتوں کیلئے نامزد کر دیتے اور یہ نامزدگی مع قصد العبادت تھی لیکن

اس کے باوجود جب مسلمانوں نے ان جانوروں کو ذبح کر دیا۔ تو ان کا کھانا حلال و طیب ہو گیا اور کفار جو ان جانوروں کو کھانے سے گریز کرتے تھے۔ انکی مذمت پر قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ مالکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ کے تحت تفسیر ابو سعود میں ہے۔

انکر لان یکون لھم شئی ید عو الی الاجتناب عن اکل ما ذکر علیہ اسم اللہ تعالیٰ من البحائر والسوائب و نحوھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات پر انکار فرمایا ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں مثلاً بحائر و سوائب وغیرہ کو نہ کھائیں۔

نیز یاایھا الذین اٰمنوا کلوا من طیبٰتِ ما رزقناکم کے تحت ملا جیون حنفی فرماتے ہیں۔

وقد فسر بعضھم بالبحیرۃ و السائبۃ والحامی یعنی کلوا البحیرۃ واخواتھا۔

بعض مفسرین نے کہا کہ طیبات سے مراد بحیرہ سائبہ وغیرہ ہیں یعنی بحیرہ وغیرہ کھاؤ۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب علی وجہ العبادت حاصل کرنے کیلئے نامزد اور ان کے نام پر مشہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی کتے اور خنزیر کی طرح حرام نہیں ہیں۔ بلکہ شرائط ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جائے تو حلال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حلال نہ سمجھنے پر کفار کی مذمت کی ہے۔ پس لا محالہ تفسیر عزیزی میں جس جانور کو کتے اور خنزیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ وہ جانور ہے جس کو مرتد نے ذبح کر دیا ہو۔ اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر بطور تقرب مع قصد العبادت کے کسی شخص نے مشہور کر دیا اور اس کو کوئی اور شخص جو مسلمان ہو وہ شرائط ذبح کے ساتھ ذبح کر دے تو بلا ریب یہ

حلال وطیب ہے۔ اور اس کو حرام سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے کفار سوائب وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے۔ غیر اللہ کے نام پر مع قصد العبادت مشہور کرنا خبث ہے۔ اور یہ خبث عقیدہ کا خبث ہے۔ پس جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا، اس کے اعتقاد میں خبث سرایت کر گیا۔ جانور میں اس خبث کے سرایت کرنے اور اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسلئے ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت کا صحیح محمل یہی ہے کہ اس خبث عقیدہ والے شخص نے جب اس جانور کو ذبح کیا۔ خواہ اللہ کا نام لیکر ہی ذبح کیا ہو تو یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو گیا۔ کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔

دوسری وجہ جو شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر مشہور کیا ہوا وہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو جاتا ہے۔ جس کے ذبح سے مقصد غیر اللہ کو گوشت پہنچانا مقصود نہ ہو۔ بلکہ غیر اللہ کو جانور کی جان اور روح پیش کرنی ہو اور یہ عمل کفر جاہلیت کے مشابہ ہے کیونکہ کفار بھی بطور عبادت بتوں کو جانور کی روح بھینٹ چڑھاتے ہیں پس یہ عمل عبادت کفار کے تشبہ کی وجہ سے عین کفر و شرک ہے۔ سرفراز صاحب نے فتاوی عزیزی ص۵۶ سے شاہ صاحب کی وہ عبارت تو نقل کر دی جس میں انہوں نے کہا ہے جو جانور غیر اللہ کے نام پر برائے تقرب مشہور کر دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی متصلاً انہوں نے جو حرمت کی وجہ بیان کی اسکو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف ہضم کر گئے کیونکہ اگر اس عبارت کو بھی ذکر کر دیتے تو قصر دیوبند زمین پر آ گرتا۔ اور اللہ تعالی کے حلال کردہ جانوروں کو حرام کرنیکی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

لیجئے اب ہم آپ کے سامنے شاہ صاحب کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ جو معترض گکھڑوی کی نذر ہو گئی۔

وکنہ ایں مسئلہ آنست کہ جان	اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان

برائے غیر جان آفرین نثار کردن درست
نیست و ماکولات و مشروبات و دیگر
اموال را نیز اگرچہ از راہ تقرب لغیر اللہ
دادن حرام و شرک است اما ثواب آں چیزہا
را کہ عائد بر دہندہ مے شود از آں غیر
ساختن جائز است زیرا کہ ایشاں را
مے رسد کہ ثواب عمل خود را بغیر بخشد
چنانچہ مے رسد کہ مال خود را بغیر خود بدہد و
جان جانور مملوک آدمی نیست تا او را
بکسے تواند بخشید و نیز دادن مال ازیں
جہت مستوجب است کہ آدمیاں بوے
منتفع مے شوند و چوں مردہ ہا بعد از
مفارقت ازیں جہاں قابل انتفاع بعین
مال نماندہ اند طریق نفع رسانیدن آنہا کہ
شرع چنین قرار یافت کہ ثواب اموال را
بمستحقان برسانند تا بآنہا عائد سازند و
جان جانور اصلاً قابل انتفاع نیست در
زندگی پس از مردگی نیز قابل انتفاع نباشد
آرے اضحیہ از طرف مردہ کردن در
حدیث صحیح آمدہ است لیکن معنیش ہمیں
است دادن جان برائے خدا و ثواب

اور روح کو غیر اللہ کے حضور میں پیش کرنا
صحیح نہیں ہے کھانے پینے کی چیزوں اور
دوسرے اموال کو بھی اگرچہ تقرب لغیر اللہ
(مع قصد عبادت) دینا حرام اور شرک ہے
لیکن ان چیزوں کے دینے کا ثواب غیر اللہ
کو پہنچایا جا سکتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنا
ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے اور جانور
کی جان اور روح کا آدمی مالک
نہیں ہوتا حتی کہ وہ جان کسی کو پیش کر دے
نیز مال دینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے
نفع حاصل کریں — اور اموات جب
مال سے نفع حاصل نہیں کر سکتے تو اس
مال کا ثواب پہنچانے کا طریقہ شریعت
نے مقرر کیا۔ تاکہ وہ اس سے نفع حاصل
کریں۔ اور جانور کی جان اور روح دینے
سے کسی کو جب زندگی میں بھی کوئی فائدہ
حاصل نہیں ہوتا۔ تو مرنے کے بعد اگر کسی
کو جانور کی جان دی جائے تو اس سے کیا
فائدہ حاصل ہوگا۔ البتہ اموات کی طرف
سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے
لیکن اسکا مطلب یہی ہے کہ جان اور روح

کہ دار د بآں مردہ بخشیدہ شود نہ آنکہ ذبح برائے مردہ کردہ آید۔ فتاوی عزیزی ص۵۶ ج ۱۔

اللہ تعالیٰ کیلئے دی جائے اور اس عمل کا ثواب اموات کو ایصال کیا جائے نہ یہ کہ جان اموات کیلئے پیش کی جائے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس طویل عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کئے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں۔ اور کتے اور خنزیر کی طرح وہ جانور حرام ہیں جن کی جان اور روح غیر اللہ کو پیش کی گئی ہو۔ اور یہ ما نحن فیہ سے قطعاً خارج ہے لیکن سرفراز صاحب کی خیانت پر داد دینی پڑتی ہے۔ کہ انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کیلئے اپنے حکمی دادا کے کفن پر بھی قینچی چلادی۔

مولوی سرفراز صاحب تنقید متین ص۱۵۱ پر لکھتے ہیں۔

"الغرض ما اُھل لغیر اللہ بہ اور نذر الگ چیز ہے۔ اور اس کا حکم جُدا ہے اور ایصالِ ثواب ایک مستقل شئی ہے۔ اور اس کا حکم علیحدہ ہے۔ ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔"

اہلِ سنت یہ نہیں کہتے کہ نذر اور ایصال ثواب ایک چیز ہیں۔ البتہ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کیلئے نذر ماننا ایصالِ ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے۔ کم علم اور کوتاہ فہم تو وہ شخص ہے جس کو اتحاد اور استلزام کے فرق کی بھی تمیز نہیں ہے۔ اور جو اپنے معنوی آباء کی تحقیقات پر بھی نظر نہیں رکھتا دیکھئے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ونذر اولیاء کہ برائے قضاء حوائج معمول ومرسوم است اکثر فقہاء بحقیقت آں پے نبردہ اند آنرا بر نذر ہائے خدا قیاس

اولیاء اللہ کی جو نذر عوام میں مشہور اور معمول ہے۔ اکثر فقہاء اسکی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ نذر

کردہ حکم مردود برآوردہ اند کہ اگر نذر
بالاستقلال برائے آں ولی است باطل
واگر برائے خدا است وذکر ولی برائے
بیان مصرف است صحیح است لیکن حقیقت
ایں نذر آنست کہ اہداء ثواب اطعام
وانفاق وبذل مال بروح میت کہ
امر مسنون از روئے احادیث صحیحہ
ثابت است مثل ما ورد فی الصحیحین من
حال ام سعد وغیرہا دریں نذر مستلزم مے
شود پس حاصل ایں نذر آنست کہ آں
نسبت مثلاً اہداء ثواب ہذا القدر الی
روح فلاں وذکر ولی برائے تعیین عمل
منذور است نہ برائے مصرف ومصرف
ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی
میباشد از اقارب وخدمہ وہم طریقان
وامثال ذالک وہمین است مقصود نذر
کنندگان بلاشبہ وحکمہ انہ صحیح یجب
الوفاء بہ لانہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع
آرے اگر آں ولی را حلال مشکلات
بالاستقلال یا شفیع غالب اعتقاد
مے کنند ایں عقیدہ او منجر بشرک

باستقلال اس ولی کے لئے ہو تو باطل ہے
اور اگر نذر اللہ کے لئے ہو اور ولی کا ذکر
برائے مصرف کے ہو تو جائز ہے۔ لیکن
اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ طعام اور
مال خرچ کرنے کے ثواب کا ہدیہ امر مسنون
ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے
جیسا کہ حدیث ام سعد سے ظاہر ہے
اور اس نذر میں بھی یہی ایصال ثواب
مستلزم ہوتا ہے۔ پس اس نذر کا
حاصل یہ ہے کہ اس میں مخصوص قدر کے
ایصال ثواب کی نسبت کسی کی روح کی
طرف کی جاتی ہے۔ اور ولی کا ذکر عمل
منذور کے تعیین کیلئے ہوتا ہے اور انکے نزدیک
اس نذر کا مصرف اس ولی کے متوسلین
اقارب خدام وغیرہ ہوتے ہیں اور بلاشبہ
نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے۔
اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور
اسکو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ شریعت
میں قربت مقصود ہے ہاں اگر نادر کو
حلال مشکلات بالاستقلال اعتقاد کرے
یا شفیع غالب اعتقاد کرتا ہو تو یہ عقیدہ

وفساد مے گردد ولیکن ایں عقیدہ چیز دیگراست ونذر چیز دیگر۔	مفضی الی الشرک ہے لیکن یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر اور چیز

(فتاویٰ عزیزی جلد اوّل ص۱۲۲)

اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک اولیاء اللہ کیلئے نذر ماننا ایصال ثواب کو مستلزم ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاؔ اللہ کو ایصال ثواب کیلئے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ صدقہ وخیرات عبادت مقصودہ ہیں اور نذر اس عبادت مقصودہ کی ہوتی ہے۔ جس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ شرع سے ثابت ہے اور نذر للاولیاء کا یہ مطلب ہے کہ ثواب نذر اولیاؔ اللہ کیلئے ہے۔ علی طریق حذف المضاف کما ہو شائع۔ اور بحمد اللہ یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا۔ کہ اولیاؔ اللہ کو ثواب پہنچانے کے لئے جو جانور نامزد کئے جاتے ہیں۔ وہ حلال اور طیب ہیں۔ البتہ اگر ناذر اولیاء کو مستقل اور متصرف بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد شرک کے وہ مرتد ہو جائیگا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہو گا اور کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار پائے گا۔

تنقیحات۔ فتاویٰ عزیزی سے جو ہم نے شاہ صاحب کی عبارات پیش کی ہیں۔ ان کی روشنی میں اولیاء کے نام پر مشہور جانوروں کی جو حرمت شاہ صاحب سے منقول ہے۔ اس کی تین وجہیں ہیں (۱) ناذر اولیاء اللہ کی تعظیم مع قصد العبادت سے جانور کو ذبح کرے۔

(۲) جانور کی جان اور روح اولیاؔ کی بھینٹ کرنے کیلئے جانور کو ذبح کرے۔

(۳) ناذر اولیاء کے مستقل بالذات ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو پھر ذبح کرے۔

اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو ایصال ثواب کیلئے منذور جانوروں کے ساتھ ناذرین کا قصد ان تینوں میں سے کسی ایک طرح بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ محض ایصال

ثواب کیلئے جانوروں کو اولیاء اللہ کے لئے نامزد اور مشہور کیا جاتا ہے اور اس کے حلال اور طیب ہونے کی خود شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے مرارا کثیرہ تصریح کر دی ہے ۔

نوٹ۔ سرفراز صاحب نے تنقید متین ص ۱۴۱ تا ۱۴۳ پر نذر کی بحث میں بحرالرائق، شامی، عالمگیری سے فقہاء کا کلام پیش کیا ہے۔ اور بزعم خویش نذر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے جواب میں گذارش یہ ہے۔ کہ یہ عبارتیں مانحن فیہ سے خارج ہیں۔ آپ نے کجروی اور مغالطہ آفرینی کے لئے انہیں اس مقام پر نقل کیا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کر چکے ہیں اولیائے اللہ کے لئے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے اور بحرالرائق، شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا ذکر ہے ان میں سے یہاں کوئی نہیں پائی جاتی۔ اب ہم آپ کی پیش کردہ وجوہات کو ذکر کر کے جواب دیتے ہیں ۔

(۱) النذر للمخلوق لا یجوز	مخلوق کی نذر جائز نہیں۔

الجواب۔ نذر مخلوق کی نہیں۔ اللہ کی ہوتی ہے۔

(۲) المنذور لہٗ میت و المیت لا یملک	منذور لہٗ میت ہے اور میت کی ملکیت ثابت نہیں۔

جواب۔ طعام، مال یا جانور کا مالک میت کو نہیں بنایا جاتا بلکہ ان چیزوں کو صدقہ کیا جاتا ہے۔ اور مالک اس کو بنایا جاتا ہے۔ جس پر صدقہ کیا گیا ہو۔ اور وہ مردہ نہیں زندہ ہے۔ اموات کو اس صدقہ کا ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

(۳) ظن ان المیت متصرف فی الامور دون اللہ فاعتقاد لابذالک کفر	یہ گمان کرنا کہ میت تمام امور میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے پس اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

جواب جس کا کہ یہ اعتقاد ہو وہ بے شک کافر ہے اور اس میں کسی کا نزاع نہیں۔ سرفراز صاحب نے کجروئی سے ایک متفق علیہ مسئلہ کو نزاعی بنانے کی سعئی مذموم کی ہے۔ اوپر جو تین وجہیں نقل کی ہیں انکو شامی اور بحرالرائق نے ذکر کیا ہے۔ عالمگیری میں حرمت کی وجہ نذر لغیر اللہ بیان کی ہے۔ اس کا جواب آچکا ہے۔ کہ اس نذر متعارف سے مقصود یہ ہے۔ کہ نذر اللہ کی ہے اور اس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے۔ باقی عالمگیری نے جو یہ ذکر کیا ہے۔ کہ نذر اس وقت جائز ہو گی۔ جبکہ نذر اللہ کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کیلئے ہو (النذر للہ و ذکر الشیخ انما ھو محل لصرف النذر) اولاً۔ تو یہ ہمیں مضر نہیں کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نذر اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ ثانیاً۔ یہ کہ بہترین بات وہ ہے۔ جو شاہ عبدالعزیز صاحب نے "فتاوی عزیزی" میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت میں اس نذر کا مقصد اولیاء اللہ کو نذر کا ثواب پہنچانا ہے اور وہ شرعاً ثابت ہے۔

وقت ذبح کی قید

مولوی سرفراز صاحب نے اس پر کافی زور دیا ہے کہ اُہل کو ذبح پر محمول کرنے یا وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اب ہم مولوی سرفراز صاحب کی توجہ کیلئے کتب تفاسیر سے چند حوالے تفویض رقم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

روح المعانی پ ۶ ص ۵۲ پر وما اھل لغیر اللہ بہ کے تحت ہے۔

ای رفع الصوت لغیر اللہ تعالیٰ عند ذبحہ والمراد بالاھلال ھنا ذکر ما یذبح لہ کاللات والعزی	یعنی ذبح کے وقت غیر اللہ کیلئے آواز بلند کرنا اور اہلال سے مراد یہاں اسکا ذکر کرنا ہے جس کے لئے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات۔ عزیٰ وغیرہ

علامہ ابوسعود اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

وما اُھل بہ لغیر اللہ ای دفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم

غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے ۔

تفسیر بیضاوی میں ہے ۔

ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم

غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے

جلالین میں ہے ای ذبح علی اسم غیرہ

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے ۔

جمل میں ہے وما ذبح ۔ فی ذبحہ لغیر اللہ

اور وہ جانور جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

(تفسیرات احمدیہ میں ہے)

وما اھل بہ لغیر اللہ معناہ ذبح بہ لاسم غیر اللہ

جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔

روح البیان میں ہے ما رفع بہ الصوت عند ذبح للصنم

جس پر ذبح کے وقت آواز بتوں کیلئے بلند کی گئی

مدارک میں ہے ۔ای ذبح للاصنام

جو بتوں کیلئے ذبح کیا گیا۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ " اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۷۹ میں وما اھل لغیر اللہ بہ کے تحت فرماتے ہیں۔

یعنی بنام خدا ذبح کردہ نشدہ باشد

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔

احکام القرآن ج ۱ ص ۱۳۵ پر ما اھل بہ کے تحت ہے ۔

ولاخلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اھل بھا لغیر اللہ عند الذبح۔

اور مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ "ما" سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے ۔

مولوی سرفراز صاحب کیلئے عبرت کا مقام ہے جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ

ذبح کی قید بعض مفسرین نے لگائی ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر احکام القرآن کا یہ حوالہ پڑھیں اور سوچیں کہ ابوبکر رازی تو فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قید کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر مولوی سرفراز صاحب نے اس قید سے اختلاف کر کے اپنے آپ کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے، یہ وہ خود سوچیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صدر الافاضل کا وما اھل بہ لغیر اللہ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا جمہور مفسرین کی اتباع میں ہے۔ اور جو تبرا صدر الافاضل کی تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب نے کیا ہے۔ اس کا مونہہ حقیقت میں ان تمام اکابر مفسرین کی طرف راجع ہے۔

سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ

صدر الافاضل کے کلام میں سرفراز صاحب نے دوسری تحریف ان الفاظ سے کی ہے۔ کہ اگر وما اھل لغیر اللہ بہ سے صرف بت مراد ہوں۔ جیسا کہ دیگر اہل بدعت عموماً اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر ہیں۔ تنقید صـ ۱۳۴۔

دروغگوئی اور خیانت کی یہ بدترین مثال ہے۔ جو مولوی سرفراز صاحب نے صفحہ تنقید پر سیاہ کی ہے جس عبارت میں صدر الافاضل نے بتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم اسے بھی نذر رقم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ صدر الافاضل نے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ انتھٰی

اس عبارت کے علاوہ پوری بحث میں کہیں بتوں کا تذکرہ نہیں ہے اگر مولوی سرفراز صاحب میں ہمت ہے تو وہ ہمیں عبارت میں وہ الفاظ دکھائیں کہ وما اُھل لغیر اللہ بہ سے مراد صرف بت ہیں۔ مگر سرفراز صاحب کے دل میں صداقت اور ایمان کا کوئی ذرہ بھی موجود ہوتا تو کبھی یہ افترا نہ کرتے

صدرالافاضل نے غیراللہ کا بتوں میں حصر کر دیا ہے. نحو اور معانی سے اگر آپ کو کوئی مَس ہے تو کوئی کلمہ حصر یا کوئی طریقہ حصر پیش کیجئے. جس سے صدرالافاضل کے کلام میں انحصار ثابت ہو. ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ جس طرح سے آپ ایمان سے محروم ہیں. اسی طرح غضب الٰہی نے آپ کی لوحِ دل سے علم کے ایک ایک ذرہ کو محو کر دیا ہے - آپ نے صدق و دیانت سے بالا ہو کر اور اپنی روایتی دروغ گوئی اور تحریف سے کام لیکر جس طرح یہ عبارت وضع کی ہے - اس پر ہم آپکے بہرحال مشکور ہیں. کہ آپنے اپنی تحریف کو صفحہ کتاب پر لاکر دنیا کے اہلِ نظر کو دعوت دی ہے کہ وہ سوچیں کہ جس مذہب کے سرکردہ نمائندہ کی امانت و دیانت اور عصمت قلم کا یہ عالم ہے. اس آبرو باختہ مسلک کی تعلیمات کا کیا حال ہوگا.

مولوی سرفراز صاحب نے نہ صرف تنقید میں قدم قدم پر تحریف و خیانت کا جال بچھا کر اس حقیقت کو واضح سے واضح تر کر دیا ہے. کہ جس ملّت کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں - اس کی اساس ہی افترا اور تلبیس پر رکھی گئی ہے. اور مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ مفسرین نے جو صنم وغیرہ کی قید لگائی ہے. وہ اتفاقی ہے. تو صاحب صدرالافاضل نے کب کہا ہے کہ یہ قید احترازی ہے. یا آپ کیلئے بھی کسی قادیان کی وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے. جو آپ پر انہونی حقیقتیں منکشف کرتا رہتا ہے.

لغیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور سرفراز صاحب کا تیسرا شبہ

مولوی سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کا راز فاش کرتے ہوتے اس بحث میں ایک شبہ پیش کیا ہے.

قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ لغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں. اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے. کہ لغیر اللہ کا معنی یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو اور اس کیلئے وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو. اگر قرآن کریم

ہیں الفاظ بغیر اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سنی جا سکتی تھی کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے (تنقید ص ۱۳۹)

کاش مولوی سرفراز صاحب کو ایک مبتدی طالب علم جتنا بھی علم و سلیقہ ہوتا، تو وہ جان لیتے کہ ما اهل لغیر اللّٰه به کا معنی ہے۔ جس کو غیر اللہ کیلئے نامزد کیا گیا ہو۔ اور اس غیر کو اس مالی عبادت کا مستحق سمجھا گیا ہو اور ما اهل بغیر اللّٰه کا معنی ہے۔ جس کو غیر اللہ کے ساتھ نامزد کیا گیا ہو۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ دوسرے معنی میں تقیید ذبح کا کونسا داعیہ ہے اور پہلے معنی میں کونسا مانع ہے۔

دروغ گو را حافظہ نباشد۔ ص ۱۳۰ پر تو آپ نے کہا تھا۔ ہاں بعض مفسرین نے عام رواج کے پیشِ نظر ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کی ہے۔

دیکھا آپ نے ص ۱۳۰ پر مولوی سرفراز نے قید ذبح کو مشہور قرار دیا اور نو صفحہ بعد ایسی قلابازی کھائی کہ مشہور عند المفسرین کو غیر مسموع بنا ڈالا گیا اب سوچنے والے یہ نہیں سوچیں گے۔ کہ جو بات علمائے مفسرین کے درمیان مشہور ہو وہ کس طبقے میں غیر مشہور ہو سکتی ہے؟ ہم نے گذشتہ سطور میں ذبح کی قید کو متعدد اجلہ تفاسیر سے ہدیہ رقم کیا تھا۔ ان کے علاوہ دوسری تفاسیر میں بھی یہ تقیید موجود ہے۔ پس اس قید کو غیر مسموع قرار دے کر اور جماعت مفسرین سے کنارہ کش ہو کر مولوی سرفراز صاحب نے جس طبقے میں اپنی جگہ بنائی ہے۔ امید ہے کہ یہ امر ارباب ذوق سے مخفی نہ ہوگا۔

سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مصنف تنقید نے چوتھا اعتراض اس طرح کیا ہے کہ (الف) جانور ہو یا کوئی اور شے جب کسی ولی

اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے۔ کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہوگی تو وہ حرام ہے۔ انتہی کلامہ

یہ کلام بھی حسب سابق تحریف اور دروغگوئی کی اپنی آپ مثال ہے۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ بزرگوں کے نام پر اس اعتقاد سے جانور دیا جائے کہ جلب منفعت اور دفع مضرت ہو۔ البتہ ایصال ثواب کیلئے جانوروں کو نامزد کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

"یا وہ جانور جس سے اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانا منظور ہو۔ ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے۔ مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے۔ وہ حلال اور طیب ہیں۔"

فریق مخالف کے قطب عالم مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاوٰے رشیدیہ میں لکھتے ہیں کہ "اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے اس میں کچھ حرج نہیں۔ تعظیم پر ذبح سے حرام ہوتا ہے۔" (بحوالہ تنقید ص ۱۳۳)

اور اسی حزب معاند کے حکیم الامت لکھتے ہیں۔

"بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہوگیا ہے۔ اس کا جواب اس کے منہیہ سے ظاہر ہے۔ کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بنا پر حلت کا حکم فرمایا ہے۔" (بحوالہ تنقید ص ۱۳۵)

دیکھئے اہل تنقیص کے دو جغادری مولویوں کے کلام سے بالتصریح یہ امر ثابت ہوگیا کہ جانور کو ایصال ثواب کی خاطر اولیاء اللہ کیلئے نامزد کیا جائے تو یہ حلال اور طیب ہیں۔ اور یہی حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالی علیہ

نے بھی فرمائی ہے۔ پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بددیانتی ہے۔ کہ آپ کے احبار و رہبان اگر ایک بات کہیں تو وہ حق ہے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں۔ تو باطل۔ باقی رہا اولیاء اللہ کے تقرب کیلئے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسلک مراراً گذشتہ واضح کر چکے ہیں۔ کہ تقرب علیٰ وجہ العبادۃ شرک ہے۔ اور ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں۔ صدر الافاضل نے اپنی اس تفسیر میں بھی ایصال ثواب کا ذکر کیا ہے۔ پس اس صورت میں اس طرح نذر ماننا کہ "اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں نذر مانتا ہوں کہ میں فلاں جانور تیرے لئے ذبح کروں گا" اور پھر وہ اس نذر کا ثواب کسی شخص یا بزرگ کو پہنچائے۔ تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "انفاس العارفین" ص۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند شب ہنگام بود در آں محل فرمودند مخدوم ضیافت ما میکند چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد وملال بریاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیاید طبق برنج وشیرینی برسر وگفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ با نشینندگان درگاہ مخدوم اللہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم۔

حضرت والد ماجد قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کا وقت تھا اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا پھر حضرت بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ آدمیوں کا نشان منقطع ہو گیا۔ ساتھی اُکتا گئے اس وقت ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شیرینی کا طبق لئے ہوئے آئی۔ اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند آئے گا مخدوم اللہ دیا کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں گی وہ اسی وقت آیا۔ میں نے اپنی نذر پوری کی۔

اللہ اکبر! کیسا عبرتناک منظر ہے۔ کہ اہلِ سنت پر نذر ونیاز کی آڑ میں شکم پروری کا الزام رکھنے والوں کے مزعوم اکابر نذر ونیاز کے چاول اور شیرینی کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اب مولوی سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ کیا یہ نذر جلب منفعت اور دفع حضرت کے اعتقاد پر مبنی نہ تھی۔ ہم نے باقاعدہ ثبوت بہم پہنچا کر ثابت کر دیا ہے کہ آپ کے فتوی کی زد میں براہِ راست آپ کے اکابر آرہے ہیں۔ ہمیں تو خیر سے آپ ہمیشہ ہی کوستے رہتے ہیں۔ اب اپنی خبر لیجئے۔ یا عقیدہ بدلئے۔ یا شجرہ نسب بدلئے۔ ورنہ حرام خوروں کی معنوی اولاد بنئے۔ جو آسان معلوم ہو کر ڈالئے۔ ہم تو آپ کی بہتری میں خوش ہیں۔ اور ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کی بہتری فرمائے۔ آمین۔

سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مولوی سرفراز صاحب کی پانچویں تحریف ملاحظہ فرمائیں۔

خامساً۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے جو لکھا ہے کہ کیونکہ ما اھل بہ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں۔ تو ماذکیتم کا استثناء اس کو لاحق ہوگا۔ اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو۔ والا ماذکیتم سے حلال ہوگا۔ یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے۔ اسلئے کہ یہ استثنا سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق نہیں۔ بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے۔ مثلاً وما اکل السبع وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملحق ہے۔ تو ان میں میتۃ اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے۔ اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مردار جانور جو خود بخود لوبدون ذبح کے مرچکا ہو۔ وہ حرام ہے۔ مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو۔ وہ حلال ہے۔ اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے۔ ہاں جس چیز کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائے گا (معاذ اللہ) جب

جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے اور خنزیر کس طرح ذبح کرنے سے حلال ہو سکتا ہے۔ انتھیٰ کلامہ تنقید متین ص ۱۲۵

مولوی سرفراز صاحب نے یہ جاہلانہ اعتراض کر کے صدر الافاضل کی طرف جو گند اچھالا ہے۔ اس نے ان کی عاقبت کو اس طرح پلید اور نجس بنا دیا ہے۔ کہ وہ ذلت کی نگاہوں میں بھی رسوا ہو گئے۔

صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے نہ تو بالخصوص مردار اور خنزیر کو استثناء لاحق کیا اور نہ بالعموم یہ فرمایا کہ تمام مذکورہ اشیا کو استثناء لاحق ہو گا حتیٰ کہ میت اور خنزیر کو بھی لحوق استثناء لازم آئے پس مولوی سرفراز صاحب نے جہالت عناد اور دروغگوئی کے پیش نظر جو صدر الافاضل کے کلام پر یہ رد کیا ہے۔ کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء سے ملحق نہیں۔ یہ اُس وقت وارد ہوتا۔ جب صدر الافاضل نے سب اشیاء کے ساتھ لحوق استثناء کا دعویٰ کیا ہوتا۔ اور اگر بعض یعنی (وما اھل بہ) امور کے ساتھ استثناء کا لحوق کل کے ساتھ لحوق کو مستلزم ہے۔ تو پھر یہ الزام مشترک ہے۔ کیونکہ بعض امور (و ما اکل السبع) کے ساتھ لحوق استثناء تو آپ بھی مانتے ہیں۔ ممکن ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو جو منخنقہ سے لے کر وما اکل السبع تک پانچ چیزوں کو استثناء لاحق کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے تصریح کی ہے۔ دم۔ میت۔ خنزیر اور وما اھل لغیر اللہ بہ کو استثناء لاحق نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ وَمَا اُھِلَّ لغیر اللہ بہ کو جن مفسرین نے استثناء لاحق نہیں کیا۔ وہ مَا اُھِلَّ کو نا ذبح پر محمول کرتے ہیں۔ پس الا ما ذکیتم لاحق کرنے کا مفاد جب ما اھل سے حاصل ہو گیا۔ تو اب الا ما ذکیتم کا لاحق کرنا محض تحصیل حاصل ہے اور یہ بات اس مفہوم میں صریح ہے۔

کہ اگر ما اہل کو ذبح پر محمول نہ کیا جائے۔ تو اب اس کو الا ماذکیتم کا لحوق صحیح ہوگا۔ کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد گرامی ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیرات احمدیہ سے وہ کلام پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے وما اھل بہ کو الا ماذکیتم کے لاحق نہ ہونے کی علت اہل کا بمعنی ذبح ہونا قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ولا یجوز ان یکون استثناء مما تقدمھا ایضا یعنی من المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ کما نص بہ فی الزاھدی لان ھذہ الاشیاء حرام لانھا لم یلحقھا الحل فی حال من الاحوال یدل علیہ ذکرھا مرارا فی القرآن بدون الاستثناء لانھا مما لم یتصور فیھا الذکوۃ لان المیتۃ ھی التی ماتت بلا ذبح والدم ظاھر والخنزیر لما کان لحمہ حراما مطلقا لم یحتج الی الاستثناء ومعنی ما اھل ما ذبح فکیف یتصور فیہ الذکوۃ ثانیا۔

اور ما تقدم سے استثناء کرنا جائز نہیں یعنی مردار خون لحم خنزیر اور ما اہل لغیر اللہ بہ سے جس طرح اس پر علامہ زاہدی نے نص قائم کی ہے کیونکہ یہ اشیاء لذاتہا حرام ہیں جنہیں کسی حال میں حلت لاحق نہیں ہوتی اور قرآن میں ان کا ذکر متعدد بار بغیر استثناء کے کیا گیا ہے اور یہ اس پر کافی دلیل ہے۔ نیز ان امور میں ذبح کا معنی غیر متصور ہے۔ کیونکہ مردار تو بلا ذبح مر گیا اور خون کا مذبوح نہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور خنزیر مطلقاً حرام ہے پس اسے مذبوح ہونے کے لئے الا ماذکیتم کے استثناء کی حاجت نہیں اور ما اہل کا معنے ماذبح ہے پس اسے ماذکیتم لاحق کر کے دوبارہ ذبح کرنا کسطرح متصور ہو سکتا ہے۔

منصف مزاج آدمی کے لئے ملاجیون رحمتہ اللہ علیہ کے اس کلام میں ہدایت کا وافر مواد موجود ہے۔ البتہ خواہ مخواہ کی ضد اور عناد کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے اور اگر مولوی سرفراز صاحب کو اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو لیجئے اب تفسیر روح المعانی سے علامہ آلوسی کی صریح نص پیش کرتے ہیں۔ کہ یہاں استثناء وما اھل لغیر اللہ بہ کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اسی آئت کے تحت فرماتے ہیں۔

وعن علی کرم اللہ تعالے وجھہ وابن عباس رضی اللہ تعالے عنھما ان الاستثنا راجع الی جمیع ماتقدم ذکرہ من المحرمات سوی مالا یقبل الزکاۃ من المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اکل السبع علی تقدیر ابقائہ علی ظاھرہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آئت میں استثنا تمام محرمات کی طرف راجع ہے سوا ان چیزوں کے جو زکاۃ کو قبول نہیں کرتیں اور وہ یہ ہیں مردار لحم خنزیر۔ یہ خون اور جس کو درندے نے کھا لیا ہو اور اس کے کھانے کے بعد جانور زندہ نہ بچا ہو۔

اس آئت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت علی اور ابن عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان میں چار کی طرف استثنا راجع نہیں ہے (۱) مردار (۲) خون (۳) لحم خنزیر اور (۴) درندے کا کھایا ہوا۔ اور جن پانچ چیزوں کی طرف حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ نے استثنا راجع کیا ہے وہ یہ ہیں (۱) ما اھل لغیر اللہ بہ (۲) منخنقتہ (۳) موقوذۃ (۴) متردیہ (۵) نطیحۃ۔ اس حوالے سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی حضرت علی اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی

وما اهل لغیر اللہ بہ کو الا ما ذکیتم کا استثناء لاحق کیا ہے اور اس لحوق پر سرفراز صاحب اس طرح برہم ہوئے ہیں "یہ ہے فریق مخالف کے مفسر کی قرآن دانی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان خوف خدا سے بے نیاز ہو جائے اور بدعات کا شیدائی بن جائے اور من مانی کاروائیوں پر اُتر آئے۔ تو دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا۔ اور دُنیا و آخرت میں عنداللہ اور عندالناس رسوا ہو گا۔" (تنقید متین صفحہ ۱۴۹)

اب آپ ہی سوچیئے کہ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کون کھا رہا ہے۔ اور دُنیا و آخرت کی رسوائی کس کا حصہ اور مقدر ہے۔ بحمد اللہ ہم نے صدر الافاضل کے کلام سے وہ غبار دور کر دیا ہے۔ جو سرفراز صاحب کی مجرمانہ جسارت اور سعی کا ذب کا حاصل تھا۔ حلقۂ لعنت میں گرفتار گکھڑوی کے دامن میں سوائے کذب و افترا کے اور ہے بھی کیا۔ جس سے وہ اہل حق کے سامنے آسکیں۔

سرفراز صاحب کا چھٹا شبہ

مولوی سرفراز صاحب کی چھٹی جسارت ملاحظہ ہو۔ ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے۔ لیکن آخر میں چن چن کر بزرگوں کو ہی کیوں اس کیلئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ اپنے ماں باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں۔ ان کو یہ کیوں راس نہیں آتا۔ انتھی (تنقید صفحہ ۱۴۹)

مولوی سرفراز صاحب کو خواہ مخواہ بزرگوں سے عداوت ہے۔ ورنہ رشتہ داروں اور بزرگوں اور وارثوں کو بھی ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ یہ لغو اعتراض مولوی سرفراز صاحب اس کتاب میں متعدد بار کر چکے ہیں۔ اور اس کے جواب میں مکمل تفصیل ہم نے و مما رزقنھم ینفقون کی بحث میں پیش کر دی ہے۔

مولوی سرفراز صاحب مار کھانے کے شوق میں بار بار پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ماو اب کی مار کی گردان سے اپنے آپ کو طفل تسلیاں دینا چاہتے ہیں۔

عید میلاد النبی

صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ الیوم اکملت لکم دینکم کے تحت فرماتے ہیں ــــ شان نزول۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک یہودی آیا۔ اور اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے اور وہ ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم روز نزول کو عید مناتے فرمایا کونسی آیت ہے۔ اس نے یہی آیت و الیوم اکملت لکم پڑھی۔ آپ نے فرمایا میں اس دن کو جانتا ہوں۔ جس میں یہ نازل ہوئی تھی۔ اور اس کے مقام نزول کو بھی پہچانتا ہوں۔ وہ مقام عرفات کا تھا اور دن جمعہ کا۔ آپ کی مراد اس سے یہ تھی کہ ہمارا وہ دن عید ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ سے بھی ایک یہودی نے ایسا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جس روز یہ نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں۔ جمعہ۔ عرفہ۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی کامیابی کے دن کو خوشی کا دن منانا جائز اور صحابہ سے ثابت ہے۔ ورنہ حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما صاف فرما دیتے کہ جس دن کوئی خوشی کا واقعہ ہو۔ اس کی یادگار قائم کرنا۔ اور اس کی خوشی سے عید منانا ہم بدعت جانتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عید میلاد منانا جائز ہے کیونکہ وہ اعظم نعم الہیہ کی یادگار و شکر گذاری ہے۔ اور ص ۱۸۲ میں فرمایا کہ یعنی ہم اس کے نزول کے دن کو عید منائیں۔ اس کی تعظیم کریں۔ خوشیاں منائیں۔ تیری عبادت کریں۔ شکر بجا لائیں۔

مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو۔ اس دن کو عید منانا اور خوشیاں منانا عبادتیں کرنا۔ شکر الٰہی بجالانا طریقہ صالحین ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین نعمت ہے۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ پر دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ انتھی کلامہ

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے اس تحقیقی کلام پر مولوی سرفراز صاحب نے اس طرح تنقید کی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ اہل بدعت جس طرح دینی رنگ اور مذہبی درجہ دے کر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کے اسراف سے جشن میلاد مناتے ہیں۔ جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں۔ اور عورتوں اور مردوں کے مخلوط اجتماعات کرتے ہیں۔ اور جس کے لئے وہ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہیں۔ اور ان کو دین اور کار ثواب ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ یہ کاروائی کس صحابی سے منقول ہے؟ حضرت عمرؓ سے مروی ہے یا حضرت ابن عباسؓ سے یا کسی دیگر صحابی سے یا معاذ اللہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت نہ تھی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ تو یہ کاروائی نہ کریں۔ اور آج یہ مخترع کاروائی دیکھتے دیکھتے دین کار ثواب اور اہل سنت والجماعت کا شعار قرار پائے۔ صحیح اور صریح حوالہ سے اس کا ثبوت درکار ہے اور انشاء اللہ تا قیامت اہل بدعت کی پوری جماعت اس کا ثبوت مہیا نہیں کرسکتی۔ انتھٰی کلامہ تنقید متین ص ۱۵۳

مولوی سرفراز صاحب نے جس عیاری سے کام لیکر یہ تنقید کی ہے۔

اس کا تلبیس ہیں بہر حال کوئی جواب نہیں ۔ صدر الافاضلؒ نے اپنی تفسیر میں نہ تو لاکھوں روپیہ کے اسراف کو مستحسن قرار دیا ہے اور نہ مرد وزن کے اختلاط کو ہمارے نزدیک اسراف اور مرد وزن کا اختلاط دونوں ہی مذموم ہیں۔ اور جلوس کی بعض بے اعتدالیوں اور غیر شرعی امور پر علماء اہلِ سنت کے اعلانات اور بانیانِ جلوس کے اشتہارات میں خصوصی نوٹ۔ ان غیر شرعی امور سے اجتناب اور پرہیز کی تلقین کے سلسلہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

صدر الافاضل نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ ثابت ہے اور جو آپ نے تحریف کی ہے نہ اس کا اہل سنت یا صدر الافاضل نے دعویٰ کیا ہے نہ اس کی ہم کو ضرورت ہے بلکہ ان خرافات کی تردید میں ہمیشہ علما اہل سنت زبان و قلم سے جہاد کرتے رہتے ہیں۔

رہا یہ امر کہ نبی علیہ السلام کی پیدائش پر خوشی منانا کیا اسراف ہے ؟ ابو لہب نے نسبی رشتہ سے آپکی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا اور ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ اور یہی اسراف اس کیلئے تخفیف عذاب کا موجب ہوا۔ اور اگر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ایسا ہی دُکھ ہے۔ کہ آپ یوم ولادت پر تمام ملک میں ماتمی فضاء پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو بے ادبی معاف۔ ہمیں کہنے دیجئے کہ آپ کی یہ ذہنیت ابو لہب سے کہیں بد تر ہے۔ اور عید میلاد کی روشنی سے اگر آپ کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ تو آپ کو قعرِ جہنم کی سیاہ تاریکیاں مبارک ہوں۔ وہاں اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے گا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، آپ اپنے مدرسوں کے سالانہ جلسوں میں روشنی اور جھنڈیوں کا انتظام کرتے ہیں، غیر ملکی مہمانوں کی آمد اور چودہ اگست۔ تئیس مارچ اور ستائیس اکتوبر کو پورے ملک میں چراغاں ہوتا ہے اور جھنڈیاں لگائی

جاتی ہیں۔ ان مواقع پر آپ کیوں اپنے ہونٹ سی کر مداہنت بلکہ منافقت اختیار کرتے ہیں۔ یا شرک و بدعت کے فتوے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری کی یاد کے ساتھ مختص ہیں۔ معتقدین دیوبند کی پوری جماعت مل کر ہی اس گھتی کو سلجھائے کہ چراغاں اور جھنڈیوں کا یہ اسراف غیر ملکی مہمانوں کی آمد قومی ایام ان کے مذہبی تبلیغی جلسوں اور اپنے مولویوں کے استقبال میں کس طرح جائز ہے۔ اور رسول اللہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کیلئے یہی امور بدعت کیسے ہونگے۔ کیا ان دُنیادی چیزوں اور آپ کے شرعی قوالوں کا مرتبہ رسول اللہ سے زیادہ ہے۔

دینی اور دنیاوی امور کا فرق

راہِ سنت میں مولوی سرفراز صاحب نے اس کے جواب میں ایک عذر لنگ پیش کیا ہے کہ بدعت صرف امور دینیہ کے ساتھ مختص ہے گویا کہ ان کے ہاں جلسوں میں شرعی بھانڈ جو ناٹک پیش کیا کرتے ہیں۔ وہ سب بے دینی ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ آپ کو خود ہی اپنے مقام کا احساس ہو گیا ہم اگر کچھ عرض کرتے تو آپ بُرا مناتے۔ لیکن غیر ملکی مہمانوں کی آمد اور قومی ایام کو جو آپ نے امور دینیہ سے خارج کر دیا۔ اس سے ہمکو اختلاف ہے۔ کیونکہ یہ خالص عیسائی نظریہ ہے۔ جس نے کلیسا اور قصر سیاست کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ ہمارے ہاں سیاست بھی دین ہے اور عبادت بھی، حکومت اور شریعت کی اس اسرائیلی تقسیم کو آپ مسلمانوں پر پیش کر کے اپنے سابقہ آقاؤں کا حق نمک ادا کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔

اور اگر امور دینیہ سے ذکر اذکار اور خالص عبادات مثلاً نماز۔ روزہ مراد ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان بھی عید میلاد پر اظہار خوشی کو اس قسم سے

نہیں سمجھتا۔ پس اس کا بدعت اور حرام ہونا کس طرح لازم آئیگا۔ بدعت سیئہ کا لفظ رٹنے کیلئے مولوی سرفراز صاحب نے سیکھ لیا ہے۔ اور اس کا معنی سمجھنے کی انہیں آجتک توفیق نہ ہوئی۔ سادہ لوح عوام اور جاہل مریدوں کے ایمان کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کیلئے ہر کار خیر کو بدعت کہتے ہیں۔ اہل تنقیص کا یہ پرانا حربہ ہے کہ عظمت رسول کے ہر نشان پر بدعت کا رولر پھیر دیا جائے اب ہم بدعت کی صحیح تعریف پیش کرتے ہیں۔

بدعت کیا ہے

ابن عابدین شامی صفحہ ۳۹۳ جلد اپر بدعت کی تعریف فرماتے ہیں ا۔

بانها ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة و استحسان وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما	بدعت اس نو پیدا شدہ امر کو کہتے ہیں۔ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کردہ شریعت کا مخالف ہو۔ عام ازیں کہ وہ امر محدث نظری ہو۔ یا عملی یا حالی ہو اور یہ مخالفت کسی شبہے یا استحسان پر مبنی ہو۔ اور اسکو دین قویم بنا لیا جائے۔

پس بدعت سیئہ میں مرکزی طور پر دو چیزیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ شریعت کے مخالف ہو۔ دوسرا یہ کہ اسے دین کا جزو بنا لیا جائے۔ اب آپ اس معیار پر تمام معمولات اہل السنت کو دیکھئے۔ تو ان میں کوئی ایسا امر نہیں پائیں گے۔ جو شریعت کے مخالف ہو۔ اس کے برعکس ہر امر میں کتاب وسنت کی روح کار فرما ہوگی۔ اور ہر طریقہ منشاء اسلام کے مطابق اور کتاب وسنت کی اصل کے تابع ہوگا۔ راہ سنت میں مولوی سرفراز صاحب نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کسی عمل نو کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ اس کا منشا اسلام میں موجود ہے

یا نہیں۔ آئمہ مجتہدین کا کام ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کا یہ قول بھی ان کی جہالت کا شاہکار ہے۔ علم اور تحقیق سے تہیدست وقلاش محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آئمہ مجتہدین کے ساتھ صرف اصول کلیہ مختص ہیں اور کتاب وسنت اور آئمہ کے اصول کلیہ کی روشنی میں اجتہاد استخراج استنباط کی راہیں آج بھی امت پر کشادہ ہیں۔ فقہاء کے مراتب سبعہ کی تفصیل اس دعویٰ پر واضح دلیل ہے لیکن حجروں میں بیٹھ کر امت رسول پر شرک کا کلہاڑہ مارنے والوں کے بس کی بات نہیں۔

جشن میلاد

جشن میلاد پر اظہار خوشی کے لئے جھنڈیوں، چراغاں اور جلوس کے بارے میں مولوی سرفراز صاحب نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ "بتاؤ صحابہ کرام نے اس طرح جشن منایا تھا؟ یا یہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے یا حضرت ابن عباسؓ سے یا کسی اور صحابی سے" جہالت اور بدنصیبی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کوئی کہہ دے کہ ٹینک اور طیاروں سے جہاد کرنا بدعت ہے۔ ورنہ بتلاؤ کہ کیا حضرت عمر سے ٹینک مروی ہے۔ یا حضرت ابن عباس سے یا دیگر صحابہ سے جہلاد کی اس جماعت کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خوشی منانے اور جنگ کے طریقے ہر دور میں مختلف ہوتے ہیں جس طرح جہاد میں جنگ کرنا رسول اللہ اور صحابہ سے ثابت ہے۔ اب اس تفصیل کی احتیاج نہیں کہ جنگ کن ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے۔ اسی طرح یوم ولادت پر اظہارِ مسرت اور اس کا اہتمام رسول اللہ اور صحابہ سے ثابت ہے اور اس کی تفصیل ہر دَور کے مزاج اور زمانہ کی رفتار کے مطابق ہوگی۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کوئی شرعی بے اعتدالی نہ پائی جائے اور مولوی سرفراز صاحب کی جماعت جو میلاد کی خوشی پر چراغاں اور جھنڈیوں کو بدعت سیئہ اور حرام قرار دیتی ہے اس کا صحیح اور

صریح حوالہ کتاب وسنت سے درکار ہے۔ کیونکہ کسی امر کو حرام یا مکروہ قرار دینے کیلئے بالخصوص اس امر کی حرمت یا کراہت پر نہی مخصوص لانی ضروری ہے (شامی ص ۲۸۴ ج ۱) اور انشاء اللہ مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت تا قیامت اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی۔ دیدہ باید

ممکن ہے سرفراز صاحب یہ کہیں کہ ٹینک اور طیاروں سے جنگ اگرچہ صحابہ کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ لیکن اس کو قرآن سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے واعدوا لهم ما استطعتم من قوة کفار کے خلاف جو بن پڑے حاصل کر لو) پس ان جدید طرز کے ہتھیاروں کا استعمال بدعت نہ ہوا۔ اسی طرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(قل بفضل الله وبرحمته فبذالك فليفرحوا، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے حصول پر خوشی مناؤ) اور جب مطلقاً فضل اور رحمت کے حصول پر فرحت ومسرت کا امر ہے۔ تو رحمۃ اللعالمین کے حصول پر خوشی منانا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ رہا یہ امر کہ نبی علیہ السلام کی رحمت تو ہمیں سال کے ہر دن بلکہ ہر لمحہ حاصل ہے۔ پھر اس یوم ولادت پر اظہار مسرت میں کیا خصوصیت ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس دن کی خصوصیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ کے بارے میں فرماتا ہے۔ وسلام علیه یوم ولد (اور حضرت یحییٰ پر سلام ہو ان کی پیدائش کے دن) حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔

(والسلام علیّ یوم ولدت۔ مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن)۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۹ پر ہے۔

عن ابی قتادة قال سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن صوم الاثنین۔	ابی قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کا

فقال فیه ولدت وفیه انزل علیّ (رواہ مسلم) | سبب پوچھا گیا آپ نے فرمایا اسدن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن کریم نازل ہوا۔

دیکھئے اپنے لئے سلامتی کی دعا، ہر روز مانگی جاسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ حضرت یحیٰی پر یوم میلاد کو سلام بھیجتا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ بھی اسی دن اپنے لئے سلامتی کی دعا رمانگتے تھے۔ حضور علیہ السّلام نے پیر کے دن کو روزے کیلئے خاص کر لیا تھا، کیونکہ اسی دن آپ پیدا ہوئے تھے۔ ان تمام قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ حضور سرور کائنات کی ولادت پر سال کے ہر دن اور ہر لمحہ خوشی منانا جائز ہے لیکن یوم میلاد کو خاص ترجیح ہے۔

آیئے اب ہم آپ کے سامنے آپ کے پیر روشن ضمیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا کلام پیش کرتے ہیں۔

اور انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔ کما یظہر من التامل من قولہ علیہ السّلام من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد الحدیث۔ پس ان تخصیصات کو اگر کوئی شخص عبادت مقصودہ نہیں سمجھتا بلکہ فی نفسہ مباح جانتا ہے۔ مگر انکے اسباب کو عبادت جانتا ہے۔ اور ہیئت مسبب کو مصلحت سمجھتا ہے۔ تو بدعت نہیں مثلاً قیام کو لذاتہا عبادت اعتقاد نہیں کرتا، مگر تعظیم ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت جانتا ہے اور کسی مصلحت سے اسکی یہ ہیئت معین کر لی۔ اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر بمصلحت خاص ذکر ولادت کا وقت مقرر کر لیا۔ مثلاً ذکر ولادت کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے مگر بمصلحت سہولت دوام یا کسی مصلحت سے بارہ ربیع الاوّل مقرر کر لی اور کلام تفصیل مصالح میں از بس طویل ہے۔ ہر محل میں جدا مصلحت ہے۔ رسائل ہوا لبدیہ میں

بعض مصالح مذکور بھی ہیں۔ اگر تفصیلاً کوئی مطلع نہ ہو تو مصلحت اندیشان پیشین کا اقتداء ہے۔ اس کے نزدیک یہ مصلحت کافی ہے۔ ایسی حالت میں تخصیص مذموم نہیں۔ تخصیصات اشغال و مراقبات و تعینات رسوم مدارس و خانقاہ جات اسی قبیل سے ہیں۔ اور اگر ان تخصیصات کو قربت مقصودہ جانتا ہے۔ مثل نماز روزہ کے تو بے شک اس وقت یہ امور بدعت ہے۔ مثلاً یوں اعتقاد کرتا ہے کہ اگر تاریخ معین پر مولود نہ پڑھا گیا یا قیام نہ ہُوا یا شیرینی کا انتظام نہ ہُوا۔ تو ثواب ہی نہ ملا۔ تو بے شک یہ اعتقاد مذموم ہے۔ غرض دونوں صورتوں میں تعدی مردود ہے اور اگر ان امور کو ضروری بمعنے واجب شرعی نہیں سمجھتا بلکہ ضروری بھی بمعنے موقوف علیہ لبعض البرکات جانتا ہے۔ جیسے بعض اعمال میں تخصیص ہُوا کرتی ہے۔ کہ انکی رعایت نہ کرنے سے وہ اثر خاص مرتب نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض عمل کھڑے ہو کر پڑھے جاتے ہیں۔ اگر بیٹھ کر پڑھیں تو وہ اثر خاص نہ ہوگا۔ اس اعتبار سے اس قیام کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور دلیل اس توقف کی موجدان اعمال کا تجربہ یا کشف والہام ہے۔ اسی طرح کوئی عمل مولد کو بہیئت کذائیہ موجب بعض برکات یا آثار کا اپنے تجربہ سے یا کسی صاحب بصیرت کے وثوق پر سمجھے اور اس معنی کے قیام کو ضروری سمجھے۔ کہ یہ اثر خاص بدوں قیام نہ ہوگا اس کے بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں اور اعتقاد ایک امر باطن ہے۔ اس کا حال بدوں دریافت کئے ہوئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا۔ محض قرائن تخمینہ سے کسی پر بدگمانی اچھی نہیں (فیصلہ ہفت مسئلہ ص۴ و ۵)۔

حاجی صاحب کی اس طویل عبارت میں تقریباً وہ تمام ابحاث آ گئیں جن کو ہم پیش کر چکے ہیں۔ مثلاً تعین سے مراد تعین شرعی نہیں تعین عرفی ہے۔

اور یہ تعیّن جائز ہے اور قرائن کے سبب سے راجح ہے اور جائز امور کو حرام کہنا مذموم ہے۔ اور مذموم کا لفظ بھی گول مول ہے۔ حقیقت میں اللہ کے حلال کو حرام کرنا سخت جرأت ہے اور رسول اللہ کی شریعت بدلنا ہے۔ العیاذ باللہ!

سرفراز صاحب اور انکے حکیم الامت کی جواز میلاد پر شہادت

اور مولوی سرفراز صاحب کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب کا ارشاد ہے۔

عمل مولد شریف بہ ہئیت وقیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے ممنوع ہے تو فی حد ذاتہ مباح ٹھیرا۔ (طریقہ مولود صـ۱۳ بحوالہ باب جنت صـ۱۲۴)۔

اور یہی بات ہم عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ فی نفسہٖ میلاد کتاب و سنت سے ثابت ہے اور قیود مخصوصہ فی حد ذاتہ مباح ہیں۔ سرفراز صاحب باب جنت صـ۱۲۵ پر لکھتے ہیں:۔

"علاوہ ازیں عمل مولد شریف بہ ہیئت وقیود مخصوصہ سے کیا وہ عمل مراد ہے۔ جو بعض بزرگوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے دن آپ کیلئے ایصال ثواب کرنا اور آپ کے صحیح حالات بیان کرنا اور اسی طرح کی بعض دیگر چیزیں یا مفتی صاحب آپ کے زمانہ کا میلاد مراد ہے کہ اس کیلئے جلوس ہو اور بینڈ باجے ساتھ ہوں اور فرض نمازوں کے اوقات میں بھی جلوس جوش وخروش کے ساتھ چلتا رہے"

خدا کا شکر ہے کہ آپ نے حضور کی پیدائش کے دن ایصال ثواب کو مان لیا، ورنہ اُبتک تو آپ یہی کہتے آئے تھے کہ تعیین بدعت ہے اور بزرگوں کو ایصال ثواب نہیں کرنا چاہئیے کیونکہ وہ تو نیکیوں سے پہلے ہی مالامال

ہیں۔ بہرحال ہم بھی یہی کچھ چاہتے ہیں کہ آپ یوم میلاد کو ایصال ثواب اور آپ کے فضائل بیان کرنے کا جواز اور استحسان مان لیں اور رہا جلوس تو وہ مولوی اشرف علی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے تحت مباح کی مد میں آتا ہے۔ کیونکہ وہ نہ مامور بہ ہے اور نہ منہی عنہ۔ اور جن خرافات کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ یعنی بینڈ باجہ اور نماز کو ترک کرنا تو ہم ان سے کلیتہً بیزار ہیں اور پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہم اسکی تردید کے لئے اپنی کوشش کرتے رہتے ہیں آپ خواہ مخواہ خلط مبحث اور مغالطہ آفرینی کر کے ان امور کو ذکر کرتے ہیں جو محل نزاع نہیں ہیں۔

ابن عباس کی حدیث اور عید میلاد

مولوی سرفراز صاحب تنقید صفحہ ۱۵۵ پر لکھتے ہیں۔

مولوی نعیم الدین صاحب کا عید میلاد کو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث پر قیاس کرنا جہالت کا پلندہ ہے۔ کیونکہ جمعہ اور عرفہ کے دن کو حضرات صحابہ کرام نے ازخود متعین و مقرر نہیں کیا۔ اور نہ خود اپنی مرضی سے عید بنایا اور منایا ہے۔ بلکہ ان دنوں کی تعیین اللہ تعالے کی طرف سے ہوئی جس کا اعلان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے کیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کی طرف سے مقرر کردہ دنوں پر اپنی طرف سے عید میلاد کے دن اور اس دن کے اہتمام اور اس کے جشن کو قیاس کرنا باطل اور فاسد قیاس ہے۔ انتہی۔

جہالت کا پلندہ کیا ہے۔ یہ عنقریب ناظرین پر واضح ہوجائیگا۔ یوم جمعہ اور یوم عرفہ کا دن بعض نعمتوں کے حصول کی بناء پر عید قرار پایا ہے۔ اور ہم نے یوم جمعہ اور یوم عرفہ کے عید ہونے پر عید میلاد کو قیاس نہیں کیا۔ بلکہ ہم تو

یہ کہتے ہیں کہ جب یوم جمعہ اور یوم عرفہ بعض نعمتوں کے حصول کی بنا پر عید قرار پایا تو بارہ ربیع الاول کا دن جس میں ہمیں کائنات کی سب سے عظیم نعمت حاصل ہوئی۔ بطریق اولیٰ عید قرار پائے گا۔ اور یہ قیاس نہیں ہے۔ جہالت تو یہ ہے کہ حزب معاند کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قیاس میں مساوات ہوتی ہے۔ اور یہاں مساوات نہیں۔ بلکہ عید ہونے کی علت عید میلاد میں اقویٰ اور اولیٰ درجہ میں پائی گئی ہے۔ اس کو دلالۃ النص کہتے ہیں۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ماں باپ کو اُف کہنے سے روکا گیا ہے۔ پس انہیں اُف کہنا حرام ہے اب کوئی شخص اپنے ماں باپ کو زدوکوب کرنا شروع کر دے اور کہے کہ اُف کہنا حرام ہے۔ جس کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور اس کا اعلان حضور کی زبان فیض ترجمان سے ہوا۔ زدوکوب کب منع کیا گیا ہے۔ پس اُف پر زدوکوب کو قیاس کرنا نرا باطل اور فاسد قیاس ہے۔ تو بتائیے۔ ایسے شخص کی بات کون مانے گا۔ پس جس طرح جب ماں باپ کو اُف کہنا حرام ہے تو زدوکوب کرنا بطریق اولیٰ حرام پایا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب جمعہ کا دن چند نعمتوں کی وجہ سے عید قرار پایا۔ تو یوم میلاد جو کائنات کی سب سے عظیم نعمت اور رحمت کا حامل ہے۔ بطریق اولےٰ عید قرار پائیگا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ ص ۲۴۳ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔

قال الراغب العيد ما يعود مرة بعد اخرى وخص فى الشريعة بيوم الفطر ويوم النحر ولما كان ذالك اليوم مجعولا للسرور

امام راغب نے فرمایا کہ عید لغوی اعتبار سے اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور اصطلاح شرع میں عید فطر اور عید الضحیٰ کو کہتے ہیں۔ اور جبکہ یہ شریعت میں سرور

فی الشریعة کما نبه النبی علیه الصلوٰة والسلام بقوله ایام منیٰ ایام اکل وشرب وبعال مار یستعمل العید فی کل یوم فیه مسرة

کے لئے مقرر کیا گیا ہے جس طرح اس پر نبی علیہ السلام نے اپنے اس فرمان میں متنبہ کیا ہے کہ ایام منیٰ کھانے پینے اور ازدواجیات کے دن ہیں تو عید کا لفظ ہر مسرت کے دن میں مستعمل ہونے لگا۔

اب فرمایئے جہلاء گکھڑ کا امام راغب اصفہانی اور ملا علی قاری کے بارے میں کیا فتوےٰ ہے۔ صدر الافاضل سے تو آپ کو یہ شکوہ تھا کہ انہوں نے یوم میلاد کو عید قرار دیا ہے۔ اور ان اکابر نے تو ہر یوم فرح و سرور کو عید بنا کر گکھڑ کو ماتم کدہ بنا دیا۔

یوم میلاد کے عید ہونے کی شہادت

ملا علی قاری کے بعد شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کا کلام ملاحظہ فرمایئے۔ کہ وہ بالخصوص یوم میلاد کو عید فرماتے ہیں

قال ابن الجوزی فاذا کان ھذا ابولھب الکافر الذی نزل القران بذمه جوزی فی النار لفرحه لیلة مولد النبی صلی اللہ علیه وسلم فما حال المسلم من امته یسر بمولده ویبذل ما تصل الیه قدرته فی محبته صلی اللہ علیه وسلم انما کان جزاءه من اللہ الکریم ان یدخله بفضله العمیم

ابن جوزی نے کہا کہ پس جبکہ وہ ابولہب جس کی مذمت پر قرآن نازل ہوا اسے نبی علیہ السلام کی ولادت پر خوشی کرنے کے سبب سے جہنم میں جزاء دی گئی۔ تو آپ کی امت شریفہ کے اس مسلمان کی جزاء کا کیا عالم ہوگا۔ جو آپ کی پیدائش پر خوشی اور اظہار سرور کرے . . . .

. . . .

جنات النعیم ولا یزال اھل الاسلام یحتفلون بشھر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیہ بانواع الصدقات ویظھرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقرأۃ مولدہ الکریم ویظھر علیھم من مکانہ کل فضل عمیم ومما جرب من خواصہ انہ امان فی ذالک العام وبشری عاجل بنیل البغیۃ والمرام فرحم اللہ امرأ اتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیادا لیکون اشد غلبۃ علی من فی قلبہ مرض وعناد (ما ثبت بالسنہ ص۶۰)

اور مقدور بھر سعی سے آپکی محبت میں خرچ کرے۔ اور مجھے اپنی حیات کی قسم اسکی جزا اس کے سوا کچھ نہ ہوگی کہ اللہ تعالٰے اسے اپنے فضل وکرم سے جنات نعیم میں داخل فرمائے گا۔ اور ہمیشہ سے اہل اسلام نبی علیہ السلام کی ولادت کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے ہیں دعوتیں کرتے ہیں۔ راتوں کو صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔ اظہار مسرت اور نیکیوں میں زیادتی کرتے ہیں اور آپ کی ولادت مبارکہ کے واقعات پڑھتے ہیں اور ان پر اس وجہ سے فضل ظاہر ہوتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ محفل میلاد کی برکت سے سارا سال امن رہتا ہے اور مطلوب حاصل ہونیکی جلد بشارت ملتی ہے۔ پس خدا فضل کرے اس شخص پر جس نے ماہ ربیع الاول کی ہر شب کو عید بنا دیا۔ تاکہ عظمت نبوی کے منکروں اور تنقیص رسالت کے شیدائیوں پر یہ خوشی مزید گراں گذرے اور ان کا اندرونی عناد بڑھے۔

سرفراز صاحب کے شبہات

حضرت شیخ محقق اور محدث ابن جوزی کا یہ کلام اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ سرفراز صاحب اور ان کی پوری جماعت کے خرمن ایمان کیلئے یہ کلام برق صاعقہ سے کم نہیں۔ اب آخر میں ہم فضلاً گکھڑ کے ایک اور شبہ کا ازالہ کئے دیتے ہیں مولوی

سرفراز صاحب نے لکھا ہے۔ علامہ ابن امیر الحاج المالکی نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے" تنقید صفحہ ۱۵۴

اس کا جواب شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی زبان سے سماعت فرمائیے۔

ولقد اطنب ابن الحاج فی المدخل فی الانکار علی من احدثه الناس من البدع والاھوا والغنا بالآلات المحرمة عند عمل المولد الشریف (ص ۶۰ ماثبت بالسنة)

اور ابن الحاج نے مدخل میں ذکر مولد کے وقت آلات محرمہ کے ساتھ غنا کو بدعات منکرہ اور خواہشات نفسانیہ پر سخت انکار کیا ہے۔

اور واضح بات ہے کہ جن امور کو صاحب مدخل نے منع فرمایا ہے وہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ یہ مولوی سرفراز صاحب کی سخت فریب کاری ہے کہ انہوں نے محض ابن الحاج کا نام لے کر لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی ہے۔

سرفراز صاحب نے نہ تو مجدد الف ثانی کی عبارت پیش کی اور نہ صاحب مدخل کی اصل عبارت پیش کی اور اپنے باطل نظریات کو صاحب مدخل اور مجدد الف ثانی کے سر منڈھنے کی کوشش مذموم کی ہے۔ شیخ محقق کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مدخل نے بدعات محرمہ پر رد کیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح مجدد الف ثانی کا انکار بھی بدعات محرمہ پر محمول ہے نہ کہ نفس انعقاد محفل پر اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے۔ کہ صاحب مدخل نے نفس انعقاد میلاد کو بدعت کہا ہے۔ تو گزارش ہے کہ جب انعقاد کے میلاد کے جواز کو ہم قرآن وحدیث اور علماء اسلام بلکہ خود دیوبندیوں کے حکیم الامت کے کلام سے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان تمام کے مقابلہ میں صاحب

مدخل کی کیا حیثیت ہے۔ اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ نفس انعقاد میلاد بدعت ہے تو معاف کیجئے گا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد الرحیم جو نفس انعقاد میلاد کو جائز سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہے۔ کیا انہیں بھی بدعتی قرار دیکر جہنم میں پہنچائے گا؟ دیکھئے شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبد الرحیم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع فی ایام المولد طعاما صلۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یفتح لی سنۃ من السنین شیئ اصنع بہ طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمتہ بین الناس فرایتہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین یدیہ ھذا الحمص مبتھجا بشاشا۔ (در ثمین ص ۴۱)

(انفاس العارفین ص ۴۱)

میرے والد مکرم فرماتے ہیں کہ میں ایام مولود شریف میں کھانا پکایا کرتا تھا۔ تاکہ آپ سے نیاز مندی کا تعلق قائم رہے۔ ایک سال میرے پاس کچھ نہ تھا جس سے میں کھانا پکا سکوں۔ پس میں نے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ نہ پایا۔ تو میں نے انکو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور کے پاس وہ چنے رکھے ہیں اور آپ بیحد خوش ہیں۔

کیا سرفراز صاحب بتلا سکیں گے کہ ان کے حکمی لکڑ دادا نے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے ایام مولود کو کیوں ایصال ثواب کے لئے خاص کر لیا تھا۔ نیز اس التزام کے ساتھ ایصال ثواب کو اگر اور کچھ نہ ہو تو بھنے ہوئے چنوں کو ہی تقسیم کر دیا جائے۔ یہ کس طرح مستحسن ہو گا۔ آپ تو کہتے ہیں کہ مستحب پر اصرار کرنا غیر مستحسن ہے۔ (تنقید متین ص ۵۲)

اور حکمی لکڑ دادا کے بعد آئیے۔ اب آپ کو آپ کے مرکزی پیر کا فیصلہ بھی سنوا دیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

" اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں" (فیصلہ ہفت مسئلہ ص۶)۔

اور اب بھی اگر آپ نفس میلاد کے انعقاد کو بدعت کہیں تو لیجیے خود آپ کی زبان سے ہی کہلوائے دیتے ہیں۔

" بعض بزرگوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے دن ایصالِ ثواب کرنا اور آپ کے صحیح حالات بیان کرنا" (راہ جنت ص۱۲۴)

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اس مسئلہ کے اصولی مباحث کو کتاب وسنت اور مبتدعین دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ میلاد شریف میں جو کچھ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس کا ذکر بادلائل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے غیر شرعی امور مثلاً مرد وزن کے مخلوط اجتماعات فحش گانے۔ آلاتِ مخربہ اور دوسرے فواحش تو نہ ان کا انعقاد میلاد میں دخل ہے۔ نہ وہ ہمارے ذمہ ہیں۔ سرفراز صاحب نے خواہ مخواہ ان کا ذکر کر کے مغالطہ آفرینی کی کوشش کی ہے۔ والی اللہ المشتکی

تفویضِ احکام

یاَیہا الذین اٰمنوا لاتسئلوا عن اشیاء کے شانِ نزول میں صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا۔ اس پر ایک شخص نے کہا۔ کیا ہر سال فرض ہے۔ حضرت نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کی تکرار کی۔ تو ارشاد فرمایا۔ کہ جو میں بیان نہ کروں اس کے درپے نہ ہو۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جو فرض فرمادیں وہ فرض ہو جاوے۔ نہ فرمائیں تو نہ ہو۔ انتھیٰ۔

اب آپ اس کلام پر مولوی سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیں۔ تنقید۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے مسئلہ کے عنوان میں جو لکھا ہے۔ وہ سراسر باطل اور روحِ اسلام کے قطعی خلاف ہے (اولاً) اسلئے کہ رسول اور نبی کے معنی پیغام رساں اور خبر دینے والے کے ہوتے ہیں یعنی جو کچھ اللہ تعالےٰ نے حلال یا حرام کر دیا۔ رسول کا کام یہ ہے کہ وہ وحی پا کر لوگوں کے سامنے ان احکام کی حلت و حرمت پیش کر دے اور انکو ان احکام کی اطلاع دے کر خبردار کر دے کہ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا صلہ یہ ہوگا۔ اور خلاف ورزی کرنے کا وبال دنیا و آخرت میں یوں بھگتنا پڑیگا۔ رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنی طرف سے جس فرض کو چاہیں نافذ کر دیں۔ یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ کریں۔ تنقید متین ص ۱۵۰

مقامِ نبوّت مولوی سرفراز صاحب نے پرویزی زبان سے جس طرح اس عبارت میں منکرین حدیث کی ترجمانی کی ہے۔ وہ دردمندانِ ملت سے مخفی نہیں ہے منصبِ رسالت کو صرف خبر رسانی میں بند کر دینا مقام نبوّت سے جہالت اور عظمت رسالت سے عناد کی بدترین مثال ہے۔ آئیے۔ اب ہم آپ کے سامنے کتاب و سنت اور اقوال علماء کی روشنی میں مقام نبوت کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا اعلان ہے:۔

فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما۔

آپ کے رب کی قسم اس وقت تک یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اپنے متنازعہ فیہ معاملات میں آپکی حاکمیت تسلیم نہ کرلیں اور پھر اپنے دل میں اسکے خلاف کوئی تنگی بھی نہ پائیں۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله

اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اسلئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم والله غفور رحیم

فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنالے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے:۔

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اسکا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو پھر ان مومنین کو اللہ اور رسول کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے:۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (الآیۃ)

بالتحقیق اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ رسول کو ان میں انہیں میں سے مبعوث فرمایا کہ جو ان پر قرآن پاک کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے جو فوائد حاصل ہوئے۔ وہ یہ ہیں۔ نبی علیہ السلام کی حاکمیت واجب التسلیم ہے۔ واجب الاطاعت ہے۔ جب آپ کسی کام کا حکم فرمائیں۔ تو اس سے اعراض کی کسی مسلمان کو گنجائش نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی اتباع کو اپنی پسند کا معیار قرار دیا۔ آپ کو تعلیم اور تزکیہ کا منصب عطا فرمایا۔ اس کے برعکس سرفراز صاحب کا ارشاد ہے کہ "نبی کا کام ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے احکام کی حلت وحرمت پیش کردے —— رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی طرف سے جس فرض کو چاہیں نافذ کردیں یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ کریں"۔ اب آپ ہی سوچیں اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت نافذ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ تو پھر کیا یہ اختیار گکھڑ کے سرفراز کیلئے ثابت ہے؟۔

نبی علیہ السلام کے اختیارات

مرقات صفحہ ۳۲۳۔ جلد۲۔ اور فتح الملہم ص ۹۶ ج ۲ پر ہے:۔

ومن ثم عد ائمتنا من خصائصہ علیہ السلام انہ یخص من شاء بما شاء کجعلہ شھادۃ خزیمۃ بن ثابت شھادتین رواہ البخاری

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام سے نبی علیہ السلام کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ آپ جس کو چاہیں جس حکم کے ساتھ چاہیں خاص کرلیں جس طرح آپ نے حزیمہ بن ثابت کی

وکترخیصیہ فی النیاحۃ لام عطیۃ
فی آل فلان خاصۃ رواہ مسلم
قال النووی للشارع ان یخص
من العموم ماشاء وبالتضحیۃ
بالعناق لابی بردۃ بن نیار وغیرہ

تنہا شہادت کو دو شہادتوں کے قائم
کر دیا۔ بخاری، حالانکہ تنازعات میں
قرآنی حکم سے ایک مرد کی گواہی جائز نہیں)
اور جس طرح آپ نے ام عطیہ کو آل فلاں میں
نوحہ کرنے کی اجازت دیدی مسلم جبکہ
بالعموم نوحہ کرنا ممنوع تھا، اور نووی نے فرمایا کہ شارع علیہ السلام کیلئے جائز ہے کہ وہ عموم احکام میں سے جسے چاہیں خاص فرمالیں اور جس طرح ابی بردہ بن نیار کو آپ نے ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی قربانی کی اجازت دیدی (اور دوسروں کے لئے ایک سال کی عمر سے کم کی قربانی جائز نہیں)۔

دیدہ عرفان کیلئے یہ عظمتِ رسول کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں جس اختیار کو ائمہ کرام نے نبی علیہ السلام کی خصوصیت اور فضیلت ثابت کرنے کیلئے بیان کیا۔ اسی اختیار کا انکار کر کے اور نبی علیہ السلام اس فضیلت کا سلب کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنی جس فرومایہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے وہ کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے۔

ملا علی قاری امام نووی اور دیگر آئمہ اہلِ سنت کے علاوہ فریق مخالف کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام عموم احکام میں سے جس کو چاہیں خاص فرمالیں۔ اب اگر آپ کے نزدیک یہ عقیدہ باطل اور رافضیوں کا خاصہ ہے تو گستاخی معاف اس تیر کا پہلا نشانہ اپنے شیخ الاسلام کو بنائیے۔ اس کے بعد آئمہ اہلِ سنت کو ہدف بنائیے گا۔ جن فاسد عقائد کا سرفراز صاحب نے آج اظہار کیا ہے۔ وہ نبی علیہ السلام پر چودہ سو سال پہلے منکشف تھے اور آپ نے غیر مبہم الفاظ میں

ان کی نشان دہی فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مشکوٰۃ شریف ص۲۹ پر ہے:۔

الا یوشك رجل شبعان علٰی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فحلّلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرّموه و ان ما حرّم رسول الله کما حرّم الله

آگاہ رہو نزدیک ہے کہ ایک مستغنی اور متکبر تخت نشین کہے گا۔ کہ قرآن کو لازم کر لو۔ پس جو اس میں حلال پاؤ وہ حلال سمجھو اور جو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ جسے اللہ کے رسول نے حرام فرما دیا وہ ایسا ہی حرام ہے جس طرح اللہ نے حرام فرمایا ہو۔

تخت تنقیص پر متمکن ہو کر نبی علیہ السلام کے تشریعی اختیارات اور خصوصی فضیلتوں کا انکار کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کا حریف بنانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ مولوی سرفراز صاحب کو تو اپنی ہوائے نفسانی سے بغیر کسی صریح دلیل کے میلاد عرس۔ ایصال ثواب وغیرہ امور کو ناجائز قرار دے کر حلال کو حرام اختیار ہے اور سرور کائنات کو کسی شئے کی فرضیت اور وجوب کے نافذ کرنے کا بھی اختیار نہیں ؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

تفویض کا ثبوت

دیکھئے مسلم شریف باب السواک میں ہے۔

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لولا اشق علی المومنین وفی زهیر علی امتی لامرتهم بالسواك عند کل صلوٰة

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر میں مسلمانوں پر دشوار نہ سمجھتا تو نہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

اس کے تحت مولوی سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی فتح الملہم ص۴۱۵ ج۱ پر لکھتے ہیں:۔ ای وجوبا کما فی المرقاة ملا علی قاری حنفی

اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے بیان کی روشنی میں اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ نبی علیہ السلام کو وجوب مسواک کے حکم میں اس کے سوا اور کوئی مانع نہ تھا۔ کہ آپ اس امر کو امت پر دشوار سمجھتے تھے۔ پس بحمدہ اللہ یہ امر ثابت ہوگیا۔ کہ غیر وحی شدہ امور میں فرضیت اور وجوب کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض تھے۔ کہ آپ جس طرح چاہیں شروع فرمائیں۔

مسلم شریف کی جس حدیث کا صدر الافاضل رحمۃ اللہ نے تذکرہ فرمایا۔ اسی حدیث کے تحت ملا علی مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الطیبی قیل دل علی ان الایجاب کان مفوضا الیہ ورد بان قولہ لو قلت نعم اعم من ان یکون من تلقاء نفسہ او بوحی نازل او برای یراہ ان جوزنا لہ الاجتہاد ذکرہ الطیبی وفیہ ان التفویض الیہ ایضا اعم فلا یکون مردودا۔

طیبی شافعی نے بیان کیا کہ بعض لوگوں نے کہا کہ احکام کو واجب کرنا آپکی طرف مفوض ہے اور یہ صحیح نہیں کیونکہ (حج ہر سال فرض ہونے کے جواب ہیں) آپ کا ہاں فرمانا عام ہے۔ کہ آپ نے اپنی طرف سے کہا ہو یا وحی سے یا اجتہاد سے اس بات کو طیبی نے ذکر کیا (اور ملا علی قاری حنفی نے فرمایا)، کہ طیبی کے قول میں یہ سقم ہے کہ جس طرح آپکا فرمان ہاں عام ہے اسی طرح تفویض بھی عام ہے۔ یعنی احکام کا ایجاب آپ کی طرف وحیا بھی مفوض ہے اور اجتہادا بھی اور من تلقاء نفسہ بھی۔ پس تفویض کا قول مردود نہیں ہو سکتا۔

ملا علی قاری کے اس کلام سے یہ امر ظاہر ہوا کہ ملا علی قاری بھی احکام کو مفوض مانتے ہیں۔ پس اگر احکام کو تفویض کی مد میں شمار کرنا خالص جہالت تھی تو اب ملا علی قاری پر کیا فتویٰ لگائیے گا؟

اور یہ ہیں تمام علمائے ہند کے واحد استاذ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جن

کے دم کرم سے ہندوستان میں علم حدیث پھیلا، یہ اسی حدیث کے تحت اشعتہ میں فرماتے ہیں۔

وظاہر ایں حدیث در آں است کہ احکام مفوض اند بآنحضرت چنانکہ مذہب بعضے است۔	اور اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض ہیں جس طرح بعض علماء کا مسلک ہے۔

اور اس بعض مذاہب کا بیان ص ۱۲۳ ج ۱ اشعتہ اللمعات پر موجود ہے۔

ایں بر مذہب مختار کہ مے گویند احکام مفوض است بآں حضرت ہر چہ خواہد کند و ہر کہ خواہد نکند و ہر کرا خواہد تخصیص نماید ظاہر است	یہ مذہب مختار پر ہے جو کہتے ہیں کہ احکام نبی علیہ السلام کی طرف مفوض ہے۔ جو چاہیں کریں اور جو چاہیں نہ کریں اور جس کو چاہیں خاص فرمالیں۔

ان حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ شیخ محقق کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے احکام آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض ہیں۔ اب دیکھئے کہ سرفراز صاحب اعلام علماء میں سے کس کس کو جاہل بنا کر اپنی عاقبت سنوارتے ہیں۔ اب آخر میں ہم حذب معاند کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ اور مولوی سرفراز صاحب کی دیانتداری سے توقع کہ وہ نہیں بھی خالص جاہل بنانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ فتح الملہم ص ۲۴۰ ج ۳ میں مسلم کی اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ جس کے ذیل میں صدر الافاضل نے فرمایا کہ احکام آپ کی طرف مفوض ہیں۔

قیل دل علی ان الایجاب کان مفوضا الیہ	کہا گیا ہے کہ احکام کو واجب کرنا نبی علیہ السلام کی طرف مفوض ہے۔

سرفراز صاحب کی جسارت

مولوی سرفراز صاحب نے زیر نظر مضمون

میں منصب نبوت پر دوسرا حملہ ان الفاظ سے کیا ہے تنقید ص ۱۵۸۔ ثانیاً اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص خانگی مصلحت کے پیش نظر صرف اپنی ذات مقدسہ کے لئے حلف اٹھا کر شہد حرام کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ نازل ہوتی۔ یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک انتھی۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ حلال کو حرام کرنا کفر ہے پس یہ عناد نبوت کا کیسا شرمناک مظاہرہ ہے کہ سرفراز صاحب بغیر کسی تاویل کے ایک کفر خالص کو نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ دیکھئے امام رازی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

البحث الثانی تحریم ما احل اللہ تعالیٰ غیر ممکن لما ان الاحلال ترجیح جانب الحل والتحریم ترجیح جانب الحرمۃ ولا مجال للاجتماع بین الترجیحین فکیف یقال لم تحرم ما احل اللہ۔ نقول المراد من ھذا التحریم ھو الامتناع عن الانتفاع بالازواج لا اعتقاد کونہ حراما بعد ما احل اللہ تعالیٰ فالنبی صلی اللہ علیہ وسلم امتنع عن الانتفاع معھا مع اعتقادہ بکونہ حلالا ومن اعتقد ان ھذا التحریم ھو تحریم ما احل اللہ تعالیٰ بعینہ

بحث ثانی یہ ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کی تحریم غیر ممکن ہے۔ اسلئے کہ احلال جانب حلت کی ترجیح ہے اور تحریم جانب حرمت کی ترجیح ہے پس ان دونوں ترجیحوں کے اجتماع کی کوئی گنجائش نہیں تو اس آیت کا کیا معنی ہوگا ہم جواب میں کہتے ہیں۔ کہ اس تحریم سے مراد انتفاع بالازواج سے رُک جانا ہے نہ کہ اللہ کے احلال کے بعد اس کی حرمت کا اعتقاد کرنا پس نبی علیہ السلام انتفاع مع الازواج سے رُک گئے تھے باوجود اس کی حلت کے اعتقاد کے اور جس شخص نے یہ اعتقاد کیا۔ یہ تحریم بعینہ

فقد کفر فکیف یضاف الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مثل ھذا	اللہ کے حلال کردہ کی تحریم ہے پس وہ شخص کافر ہوگیا۔ پس نبی علیہ السلام کی طرف

اس اعتقاد کی نسبت کس طرح کی جا سکتی ہے۔

نوٹ۔ (مفسرین کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ تحریم کس امر پہ واقع ہوئی۔ بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور ازواج سے کنارہ کش ہوگئے تھے۔ اور بعض سے ثابت ہے کہ تحریم شہد پر واقع ہوئی۔ امام رازی کا یہ کلام شق اول پر مبنی ہے۔ اور شق ثانی کا بھی یہی حکم ہے کما لایخفی علی الفطن)

سرفراز صاحب نے اس بحث میں جس قدر ہذیان پیش کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ نے حلال کو حرام کر دیا اور اس آیت میں اس حلال کو حرام کرنے سے روکا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ احکام مفوض نہیں ہیں اور امام رازی کی تقریر سے جواب واضح ہوگیا ہے کہ یہ ہذیان جس شبہ پر قائم ہے۔ وہ شبہ باطل اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ آپ نے حلال کو حرام نہیں کیا۔ بلکہ یہ تو کفر ہے۔ البتہ آپ نے اپنے آپ کو ایک حلال چیز کے انتفاع سے اسے حلال سمجھکر روک لیا تھا۔ اور یہ امتناع عن الحلال تو ہر آدمی کو مفوض ہے۔ چہ جائیکہ حضور کو مفوض نہ ہو۔

سرفراز صاحب نے تنقید ص ۱۵۸ پر نبی علیہ السلام پر یہ افترا باندھا کہ آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا اور ص ۱۵۹ پر ایک روایت اس طرح نقل کی۔

انی لست احرم حلالا الخ	میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔

آپ اپنی عبارت کے توازن کو دو صفحوں میں بھی قائم نہ رکھ سکے۔ کہ ص ۱۵۸ پر آپ نے دعوی کیا کہ حضور نے ایک امر حلال کو حرام کر لیا ، اور ص ۱۵۹

پر کہا کہ حضور نے کسی حلال کو حرام نہیں کیا۔ لیکن چلئے ہم اس تعارض سے بھی صرف نظر کئے لیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو حضور کے قول پر بھی اعتبار نہیں حضور تو قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ واللہ مالی ان احرم ما احل اللہ (خدا کی قسم میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا) پھر آپ کو حضور کی قسم پر بھی اعتبار نہ آیا؟ جو آپ بار بار کہتے ہیں کہ حضور نے حلال کو حرام کر دیا تھا۔

احادیث میں سرفراز صاحب کا شبہ

مقام نبوت پر تیسرا حملہ مولوی سرفراز صاحب نے احادیث کے مفہوم میں خیانت اور تحریف سازی سے پیش کیا ہے ہم قارئین کی عدالت میں احادیث کے ان الفاظ کو پیش کرتے ہیں جو مولوی سرفراز صاحب کے استدلال کا مرکزی نقطہ ہیں۔

(۱) انی لست احرم حلالا و لا احل حراما۔	نہ میں حرام کو حلال کرتا ہوں نہ حلال کو حرام۔
(۲) انہ لیس لی تحریم ما احل اللہ لی۔	میرے لئے اس چیز کو حرام کرنا جائز نہیں جسے اللہ نے میرے لئے حلال کر دیا۔
(۳) واللہ مالی ان احرم ما حل اللہ لی۔	خدا کی قسم میرے لئے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا جائز نہیں ہے۔

ان احادیث کو نقل کر کے سرفراز صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور کو چونکہ اللہ کے حلال کو حرام کرنے کا اختیار نہیں لہذا تفویض احکام کا بطلان ہو گیا۔

حزب معاند کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تفویض احکام کا مطلب ہے کہ غیر منصوص احکام میں اشیاء طیبہ کو حلال اور اشیاء خبیثہ کو حرام قرار دیا جائے۔ نہ یہ کہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام یا حرام کردہ کو حلال کیا جائے کیونکہ یہ تو کفر خالص ہے اور اسی میں جواز یا عدم جواز کا نزاع گھڑنے کسی فاضل سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

مولوی سرفراز صاحب نے اس دعوٰی پر ایک اور حدیث پیش کی ہے جس کے استشہاد کا بنیادی نقطہ پیش خدمت ہے۔

الا انی لا احل الا ما احل اللہ فی کتابہ ولا احرم الا ما حرم اللہ عزوجل فی کتابہ	خبردار میں نہیں حلال کرتا کسی شئی کو مگر جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور حرام نہیں کرتا کسی شئی کو مگر جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا۔

یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں۔ ورنہ ان بے شمار احادیث سے تعارض لازم آئیگا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر اشیا کی حرمت یا حلت کو بیان فرمایا۔ اور ان کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اور انکی حرمت صرف حدیث رسول سے ثابت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض رسول میں گھڑ کے سامری اندھے ہو چکے ہیں۔ اور اب منکرین حدیث کے گوسالہ کی پوجا کر رہے ہیں۔ درآں حالیکہ انہیں کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ اب اس تقریر پر اس معمہ کو وہ خود ہی حل کریں۔ کہ درندوں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے اب کیا چیز مانع ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ میں تو ان کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں۔

دیوبند کے اکابر نے کوّے کو حلال کیا اور اصاغر نے درندوں اور گدھوں پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ آمدم بر سر مطلب مسطورہ بالا وجوہات کی بناء پر یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے اور اس کا صاف اور بے غبار مفہوم یہی ہے کہ وحی جلی سے القا کردہ اور منصوص احکام میں حلال اور حرام وہی ہیں جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اور یہ بات ہمارے دعوٰے کے کسی طرح مناقض نہیں ہے۔

علمائے امت اور تفویض احکام

سرفراز صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے تفویض کو سلب کرنے کے لئے علماء ملت کے چند حوالے پیش کئے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی مرجع الصوفیہ شیخ اکبر کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

نحن فعلم ان الشارع هو الله تعالیٰ (الیٰ ان قال) فانه صلی الله علیه وسلم مبلغ عن الله احکامه فیما اراد الله تعالیٰ لا ینطق قط عن نفسه (تنقید متین ص۱۶۲)

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے (پھر آگے فرمایا) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے تھے جن امور کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کرتا ہے آپ اپنی طرف سے آپ کوئی بات نہیں کرتے تھے

اس عبارت میں کہیں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ غیر منصوص احکام حضور کو مفوض نہیں ہیں بلکہ منقول عبارت کا سیاق سباق جو مفہوم پیش کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور نے جن امور کو مباح کیا۔ وہ مباح ہی رہیں گے۔ کیونکہ اگر ان میں کوئی خدشہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما دیتا اور آپ اسے مباح نہ فرماتے۔ پس وہ تمام احکامات جنہیں آپ نے صادر فرمایا۔ منشاء الوہیت کے مطابق ہیں۔ چنانچہ امام شعرانی اس منقول عبارت سے پہلے شیخ اکبر کا کلام نقل کرتے ہیں۔

ایاك ان تری امورا قد ابا حها الشارع صلی الله علیه وسلم فتکره ذالك (الیٰ ان قال) واما الیوم فقد نشاء فی غالب الناس ویقولون لو ادرك هذا الوقت رسول الله صلی الله علیه وسلم منع الناس منه (الیٰ ان قال) ولو کانت اباحة ذالك الامر خاصة بقوم دون اخرین بینها تعالیٰ

جن امور کو شارع علیہ السلام نے مباح کیا ہے انہیں ناپسند کرنے سے بچو۔ اور اس زمانہ میں یہ امر کثیر الوقوع ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کو پالیتے تو۔ آپ بھی مباح نہ فرماتے اور لوگوں کو منع کرتے (پھر اس کے بعد جواب میں فرمایا) اگر ایسا ہی ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان

علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — سے بیان فرما دیتا کہ یہ اباحت عارضی ہے۔

اس کلام میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ نبی علیہ السلام شارع ہیں اور یہ کہ بعض احکام کو آپ نے مباح فرمایا رہا یہ سوال کہ آگے چل کر وہ الشارع ھو اللہ کہکر شارعیت کا حصر اللہ تعالیٰ میں کر رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کی شارعیت چونکہ اللہ کے تقرر سے ہے۔ اسلئے آپ کی شارعیت کا رجوع بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور اصلاً شارع نہیں ہیں۔ ورنہ خود شیخ کے کلام میں تناقض غیر مندفع لازم آئے گا۔

آئیے اب امام شعرانی کے کلام سے منوائے دیتے ہیں کہ بعض احکام حضور کو مفوض ہیں۔ دیکھئے امام شعرانی فرماتے ہیں۔

فان ما فرضه اللہ تعالیٰ اشد مما فرضه رسول اللہ صلی اللہ علیہ من ذات نفسه (میزان الکبری ص ۱۲۴ ج ۱)

جس کو اللہ تعالےٰ فرض کرے اس کی فرضیت اس سے زیادہ اشد ہے کہ جس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے فرض کریں۔

تنقید متین ص ۱۶۳ پر سرفراز صاحب نے تین عبارتیں پیش کی ہیں۔ ابو جعفر النحاس سے۔ وھکذا سبیل الاحکام انما تکون من قبل اللہ عز وجل

اور احکام کا یہی طریقہ ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

ابن ہمام سے الحاکم لاخلاف فی انه اللہ رب العالمین

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حکم دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

محب اللہ بہاری سے۔ لا حکم الا من اللہ

حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

ان تینوں عبارتوں کا محمل اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ کا حکم دینا چونکہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے تقرر سے ہے اسلئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

راجع ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اصلاً کسی حکم دینے کا اختیار نہیں۔

تنقید متین ص۱۶۳ پر عمدۃ القاری سے۔

ان التحلیل والتحریم من عند اللہ لامدخل لبشر فیہ | کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کسی بشر کا اس میں دخل نہیں ہے

یہ عبارت بھی اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے۔ کیونکہ حضور نے بےشمار چیزوں کو حرام فرمایا۔ اور ان کی نسبت اپنی طرف کی چنانچہ درندے اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندے پالتو گدھے وغیرہ اسی قبیل سے ہیں نیز حضور نے فرمایا ان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔ مشکوٰۃ ص۲۹ رسول اللہ کا حرام کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ حرام کر دے) یوں نہیں فرمایا۔ ان ماحرم رسول اللہ ھو ما حرم اللہ (جس چیز کو رسول اللہ نے حرام کیا۔ یہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا) تشبیہ تغائر کو مستلزم ہوتی ہے۔ اسلئے لامحالہ علامہ عینی کا کلام محل تاویل میں ہے۔ پس کہا جائیگا کہ یہ حصر اضافی ہے۔ اور اگر رسول اللہ کی تحریم کو اللہ تعالیٰ کی تحریم کی طرف راجع کیا جائے۔ تو وہ حصر حقیقی بھی ہو سکتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کلام بھی اسی فہرست میں پیش کر دیا اور اس کلام سے بزعم خویش تفویض کا رد کر دیا۔ حالانکہ شیخ محقق علی رؤس الخلائق اعلان فرماتے ہیں۔ کہ احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوض ہیں اور مذہب مختار یہی ہے۔

سرفراز صاحب شیخ صاحب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں تنقید ص۱۶۳

اسنادِ تحریم بہ حضرت ابراہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید واعلام کرد حکم آنہا زیرا کہ حاکم بشرائع واحکام خدا تعالیٰ است وحکم وے

وے قدیم است، انبیا علیہم السلام رسانندہ احکام اند۔ (اشعۃ اللمعات ص ج ۲)

الجواب۔ نجانے سرفراز صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ کس مصلحت اور حکمت کے پیش نظر نہیں کیا۔ بہرحال قارئین کی سہولت کے پیش نظر ہم اس کا ترجمہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔

(مکہ کی) تحریم کا اسناد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ اللہ کے احکام پہنچانے والے ہیں، کیونکہ شریعتوں اور احکام کا واضع اللہ تعالےٰ ہے۔ اور اس کا حکم قدیم ہے، اور انبیاء علیہم السلام ان احکام کے پہنچانے والے ہیں۔ انتھیٰ کلامہ

ہم ما سبق میں اشعۃ سے نقل کر چکے ہیں کہ شیخ کے نزدیک مذہب مختار یہی ہے۔ کہ احکام آپ کی طرف مفوض ہیں، اور قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔ مدارج النبوۃ ص ج ۲ پر شیخ محقق فرماتے ہیں۔

و مذہب صحیح و مختار آنست کہ احکام مفوض است بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ وہر چہ خواہد حکم کند و بر دیگرے مباح گرداند۔ وایں را امثلہ بسیار است	صحیح اور مختار مذہب یہی ہے کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جو چاہیں جس پر چاہیں حکم نافذ فرمائیں، ایک فعل کو کسی پر حرام کر دیں اور وہ کسی کیلئے مباح فرما دیں اور اس کی کثیر مثالیں ہیں۔

غالباً اب یہ بات قارئین کرام پر روشن ہو گئی ہو گی۔ کہ اللہ تعالےٰ کا حاکم شرائع ہونا اس بات کے قطعاً منافی نہیں۔ کہ احکام حضور کو مفوض ہوں۔ کیونکہ شیخ صاحب نے تصریح کی ہے کہ احکام کا واضع اور شارع اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں کہ احکام حضور کو مفوض ہیں پس

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا واضح اور شارع ہونا تفویض کے ہرگز منافی نہیں چنانچہ وہ تمام عبارتیں جو سرفراز صاحب نے اس مدعا پر پیش کی ہیں۔ ان کے مطلوب کو ثابت نہیں کرتیں ۔

اس پوری بحث میں صرف شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی دو عبارتیں ایسی ہیں۔ جو تفویض کے بظاہر خلاف ہیں۔ لیکن اس سے ہمکو ضرر نہیں پہنچتا۔ کیونکہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے کب یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہر مسئلہ اتفاقی اور اجماعی ہے۔ لہذا بعض کا اختلاف ہمیں مضر نہیں۔ ہم نے ماسبق میں تصریح کی ہے۔ کہ مذہب مختار یہ ہے کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جیسا کہ ہم شیخ صاحب سے نقل کر چکے ہیں۔ اب آپ غیر مختار پر تکیہ کریں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے تفویض سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

زیراکہ منصب پیغمبری رسالت و ایلچی گری است نہ نیابت خدا	کیونکہ رسول اللہ کا منصب بس احکام پہنچانا اور ایلچی کا کام کرنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا

اور الصارم المسلول ص۱۴۱ پر آپ کے مسلک کے اصل بانی ابن تیمیہ ؒ لکھتے ہیں۔

وقد اقام الله مقام نفسه فی امرہ ونهيه واخبارہ وبيانه	اللہ تعالیٰ نے حضور کو امر نہی اخبار اور بیان میں اپنا نائب مقرر کیا ہے

اب دیکھئے آپ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں دوسرا کہتا ہے۔ کہ نائب نہیں ہیں۔ اب آپ کس کی بات مانیں گے اور کس کو رد کریں گے ۔

افسوسناک خیانت ۔ اسی بحث میں سرفراز صاحب ص۱۶۷ پر لکھتے

ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی باطل فرقوں میں شیعہ کے المفوضہ فرقہ اور عقیدہ کا ذکر یوں کرتے ہیں:۔

المفوضہ فهم القائلون ان الله فوض تدبیر الخلق علی الائمہ وان الله تعالی اقدر النبی صلی الله علیہ وسلم علی خلق العالم وتدبیرہ غنیۃ الطالبین ص۲۲۱ - طبع رفیق عام لاهور

ان باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ مفوضہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ نے مخلوق کی تدبیر ائمہ کو تفویض کر دی ہے اور یہ کہ اللہ تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان کے پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی قدرت عطا کی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے مشہور متکلم اور فلسفی علامہ سید شریف جرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب شرح مواقف میں لکھتے ہیں۔ المفوضۃ قالوا ان الله فوض خلق الدنیا الی محمد صلی الله علیہ وسلم ای الله خلق محمد صلی الله علیہ وسلم وفوض الیہ خلق الدنیا فهو الخلاق بها وبما فیها شرح مواقف ص۷۵۳۔ طبع نولکشور

مفوضہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور دنیا و ما فیہا کی پیدائش آپ کو تفویض کر دی ہے اب دنیا و ما فیہا میں جو کچھ ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ کہ مولوی نعیم الدین صاحب کا قارورہ کس جماعت سے جا ملا ہے۔ انتهی کلامہ۔

تحریف خیانت اور بد دیانتی کی یہ انتہائی بدترین مثال ہے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وتعالی۔ اولاً علی تقدیر صحۃ النسبۃ اور علامہ جرجانی نے شیعہ کے فرقہ مفوضہ سے ان لوگوں کو شمار کیا ہے جو جہان کی پیدائش

اور خلق اور تدبیر کو نبی علیہ السلام کی طرف تفویض کرتے ہیں۔ کہاں صفت خلق کی تفویض اور کہاں احکام کی تفویض۔ کیا ان دونوں کا فرق مولوی سرفراز صاحب کو نظر نہیں آتا ہم بحث استعانت میں اس امر کی تحقیق کر چکے۔ مخلوق کا کوئی فرد بھی کسی امر کی تخلیق نہیں کرتا۔ اور جبکہ اہل سنت کے نزدیک اعراض کا خلق بھی غیر خدا کے لئے جائز نہیں۔ چہ جائیکہ تمام جہان کے خلق کی نسبت غیر خدا کی طرف کی جائے۔ پس غیر منصوص احکام میں تفویض کو خلق عالم پر قیاس کرنا کسی جاہل اور صیہونی محرف سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

والی اللہ المشتکیٰ

امتناع کذب

لله ملک السمٰوٰت والارض وما فیھن وھو علیٰ کل شیٔ قدیرا

اللہ ہی کیلئے ہے زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

صدر الافاضل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مسطورہ بالا آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں صـ۲۹۷ ۔ "صادق کو ثواب دینے پر اور کاذب کو عذاب دینے پر بھی۔ مسئلہ۔ قدرت ممکنات سے متعلق ہوتی ہے۔ نہ کہ واجبات اور محالات سے تو معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر ممکن الوجود پر قادر ہے ملاجمل) مسئلہ کذب وغیرہ عیوب قبائح۔ اللہ سبحانہٗ وتبارک وتعالےٰ کیلئے محال ہیں۔ ان کو تحت قدرت بنانا اور اس آیت سے سند لانا غلط اور باطل ہے۔ انتھیٰ کلامہ۔

مولوی سرفراز صاحب صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

مولوی نعیم الدین صاحب اس عبارت میں الفاظ کا چکر دیکر کذب وغیرہ عیوب وقبائح کا جملہ استعمال کرکے اپنے جماعتی تحزب اور گروہ بندی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ کیونکہ اگر مشرک کی مغفرت اللہ تعالےٰ کی قدرت کے تحت داخل نہ ہوتی۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ اگر تو انکو بخش دے تو تو زبردست حکیم ہے۔ اور چونکہ خلف وعید اور امکان کذب اور امکان تطیر وغیرہ مسائل نہایت دقیق بے حد مشکل اور افہام وتفہیم اور

دلائل کے لحاظ سے خالص منطقیانہ پہلو کے حامل ہیں۔ اور عوام اس کے سمجھنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں۔ اسلئے اہل بدعت چند دیگر مسائل کی طرح ان کو بھی اہل حق کے خلاف عامۃ المسلمین کو نفرت دلانے کے لئے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور اہل بدعت ان کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے ہیں جو معتزلہ۔ خوارج۔ مناطقہ اور فلاسفہ وغیرہ کا ہے۔ انتہی کلامہ۔ (تنقید متین ص۱۷۰)

اس بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے اپنی متاع علم کو بھری دھوپ میں چوراہے پر لاکر کھڑا کیا ہے اور اہل علم کی نگاہوں میں ان کی خفت کیلئے کوئی گوشہ خفا باقی نہیں رہا۔ امکان کذب کو اہل سنت علماء کی طرف منسوب کر کے انہوں نے اپنی روایتی دروغ گوئی کا حیا سوز مظاہرہ کیا ہے۔ اگر سرفراز صاحب میں ہمت تھی تو اکابرین اہل سنت اور مفسرین کرام میں سے کسی کی صریح اور منصوص عبارت پیش کرتے۔ جس سے ثابت ہوتا۔ کہ اکابر اہل سنت اللہ تعالیٰ کیلئے امکان کذب کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ رشید احمد گنگوہی اور محمود الحسن کی عبارت پیش کر کے ان سے امکان کذب پر استدلال کرنا جہالت اور حماقت کی آخری منزل ہے۔ بزعم خویش محقق کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ طائفہ دیوبند ہی تو اس بدعت کا ذمہ دار ہے اور مجرم کے قول سے اس کی برأت پر شاہد بنانے کی جعلسازی دیوبند کی چار دیواری میں تو چل سکتی ہے۔ میدان استدلال میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

امکان کذب میں مکذبین کی عبارتوں کا اضطراب

حقیقت یہ ہے کہ مکتب دیوبند اور باب عبد الوہاب نے جب کذب کی بدعت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تو انہیں ہر جانب سے ملامت ہوئی۔ اور جب انہیں اس باطل عقیدہ پر ہر طرف سے مذمت کی یلغار کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے آپ کو رسوائی سے بچانے کیلئے مختلف طریقے ایجاد

گئے۔ چنانچہ کبھی تو صاف طور پر امکان کذب کے عقیدہ کا ہی انکار کر دیا۔ دیکھئے جامعہ مدنیہ لاہور کے مہتمم مولوی حامد میاں صاحب سلسلہ علمار دیوبند صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں۔ "اس مسئلہ کو توڑ مروڑ کر اور غلط تفسیر کر کے علمار دیوبند کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ اور امکان کذب کا عنوان دے دیا گیا۔"

یہ عبارت اس مفہوم میں واضح ہے کہ امکان کذب ایک غلط عقیدہ ہے۔ مولوی واحد میاں صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ امکان کذب ایک غلط تعبیر ہے جسے علمائے دیوبند کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ آیئے اب ہم آپ کو بتلائیں کہ یہ تعبیر کس نے کی ہے۔

مولوی سرفراز صاحب تنقید متین ص۱۷۱ پر لکھتے ہیں۔

" اور اس مسئلہ کو اہل حق خلف وعید اور امکان کذب سے تعبیر کرتے ہیں۔"

کیا یہ بات اب بھی تشریح طلب ہے۔ کہ دیوبند کے تمام چھوٹے بڑے ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور وہ رنگ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں جھوٹ ان لوگوں کی رگ و پے کا خون اور دل کی دھڑکن بن چکا ہے۔ جھوٹ ان کا دین ایمان اور زندگی کا جز و لاینفک ہے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ یہ اپنے خدا کو بغیر جھوٹ کے رہنے دیتے۔ چنانچہ اسے بھی اپنا ہم رنگ ظاہر کرنے کے لئے اور کچھ نہیں تو جھوٹ کا امکان ہی دیدیا۔ اور کون جانتا ہے کہ یہ ان کی معراج کا پہلا درجہ ہو۔ اور بتدریج امکان سے فعلیت تک پہنچنا ہی ان کا منتہائے نظر ہو۔ آیئے اب ہم آپ کو دیوبندی قلابازیوں کا ایک اور کرشمہ دکھائیں۔ تنقید ص۱۷۲ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

" یہ لوگ حقیقت کذب امکان کذب اور صورت کذب میں جو دقیق فرق ہے اس کو یا تو سمجھتے ہی نہیں۔ اور یا چشم پوشی کر کے خلط ملط اور گڈمڈ

کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایک ادنیٰ سمجھ والا آدمی بلکہ مبتدی طالبعلم بھی لفظ کرنے اور کر سکنے میں بخوبی فرق سمجھ سکتا ہے۔ اور کرتا ہے اور کر سکتا ہے میں اہل لسان کے نزدیک فرق بالکل نمایاں ہے۔"

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک خدا جھوٹ بولتا نہیں۔ بول سکتا ہے۔ اس فرق کو انہوں نے کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔ کی بازیگری سے ادا کیا ہے۔ اور مولوی حامد میاں صاحب سلسلہ دیوبند ص۵۹ پر لکھتے ہیں ـــ "کہ اب اسے غلط خواہوں نے یہ جامہ پہنایا۔ کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے۔" دیکھئے حامد میاں کو اعتراف ہے اللہ تعالیٰ کیلئے جھوٹ بول سکتا ہے کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔ اور اس غلط عقیدہ سے دیوبندیوں کو بری کر رہے ہیں۔ اور مولوی سرفراز صاحب اس غلط عقیدہ پر اصرار کر رہے ہیں۔ اسے اہل حق کا مسلک بتلاتے ہیں اور اسی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عظمت بیان کرتے ہیں۔ اور ان دونوں میں سے کون جھوٹا ہے۔ اسے ہم قارئین کی عدالت پر چھوڑتے ہیں۔ ہمارے نزدیک دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ حامد میاں تقیہ کرنے کی وجہ سے اور اپنا باطل عقیدہ چھپانے کی وجہ سے جھوٹے ہیں یا دیوبندیوں کے اس غلط عقیدہ کی تردید کی جرأت نہ رکھنے کی وجہ سے جھوٹے ہیں۔ اور سرفراز صاحب اس عقیدہ اہلسنت کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹے ہیں۔

امتناع کذب جمہور معتزلہ اور اہلسنت کا متفق علیہ مسلک ہے	سرفراز صاحب نے امتناع کذب کی بحث میں جگہ جگہ یہ تاثر دیا ہے کہ امتناع کذب معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور

امکان کذب اہلسنت کا مسلک ہے اور اس طرح سرفراز صاحب نے

تاریخ کو جھٹلا کر اپنے جھوٹے مسلک کو سچا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اگر ہم اس پر استشہاد حوالے پیش کرنا شروع کر دیں تو ایک عظیم دفتر درکار ہوگا۔ بسر دست مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت سے ایک حوالہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جس سے سرفراز صاحب کے جھوٹ کا راز فاش ہو جائے گا۔

والمعتزلة قالوا ثانیا انه لولا ای کون الحکم عقلیاً لما امتنع الکذب منه تعالیٰ عقلاً اذلا حکم للعقل بقبحه فاجاز الکذب علیه فلا یمتنع اظهار المعجزة علی ید الکاذب ولو اکتفی به لکفی فینسد باب النبوة وهو مفتوح والجواب انه ای الکذب نقص فیجب تنزیه تعالیٰ عنه کیف وقد مرّ انه لا نزاع فیه فانه عقلی باتفاق العقلاء فالملازمة ممنوعة (مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ص ۴۲)

اور معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر حسن و قبح کو عقلی نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا کذب عقلاً محال نہیں ہوگا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہوا تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹے نبی کی تصدیق کر دے پس باب نبوت بند ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ مفتوح ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کذب صفت نقصان ہے۔ اور قبح بمعنے صفت نقصان میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ قبح عقلی ہے پس اللہ تعالیٰ سے کذب کی تنزیہ واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کذب بالاتفاق ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے دو فائدے حاصل ہوتے۔ ایک یہ کہ کذب کا محال ہونا صرف معتزلہ کا مسلک نہیں بلکہ سب کا متفق علیہ مسلک ہے، دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے۔ اور مکذبین کے اس عناد پر صریح رد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال عادی اور ممتنع بالغیر ہے۔ فافہم واحفظ ذالک اور اس کی مزید تحقیق آئندہ صفحات میں کر دی گئی ہے۔

امام رازی اور امتناع کذب

سرفراز صاحب نے امام رازی پر بھی یہ افترا باندھا ہے کہ وہ امکان کذب کے معتقد ہیں۔ انہوں نے ان کے جس کلام سے امکان کذب ثابت کیا ہے اسے ہم ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے تنقید متین ص۱۸۲ پر سرفراز صاحب نے امکان کذب پر نویں دلیل قائم کرتے ہوئے کہا۔

(۹) حضرت امام رازی فرماتے ہیں۔ کہ نہ تو طاعت پر ثواب واجب ہے اور نہ معصیت پر عتاب ضروری ہے۔ بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۵)

قارئین کرام! آپ نے سرفراز صاحب کا نقل کردہ کلام تو ملاحظہ فرما لیا۔ جس سے سرفراز صاحب نے بزعم خویش یہ ثابت کر لیا کہ امام رازی امکان کذب کے معتقد ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے امام رازی کا وہ کلام پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے تصریح کی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا کذب محال ہے۔ اور آگے چل کر انشاء اللہ ان کا وہ کلام بھی پیش کرینگے جس میں انھوں نے امکان کذب کے قائل کے بارے میں فرمایا کہ "قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے"۔ سخت حیرت ہے کہ امام رازی تو فرمائیں کہ امکان کذب کا قائل کافر ہے۔ اور سرفراز صاحب اس کفر کو خود امام کے سر منڈھ رہے ہیں گویا امام رازی خود اپنے آپ کو کافر بنا رہے ہیں۔ غالباً اسی مقام کے لئے کہا گیا ہے۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ملاحظہ فرمائیے۔ امام رازی تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۱ پر فرماتے ہیں۔

الکذب والخلف فی قولہ محال	کذب اور خلف اللہ تعالےٰ کے قول میں محال ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۳۱۵ پر فرماتے ہیں۔

فالخلف فی کلام اللہ تعالیٰ محال۔	اللہ تعالیٰ کے کلام کا خلاف ہونا محال ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۱۳۲ پر فرماتے ہیں۔

الکذب نقص والنقص علی اللہ محال	کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۶ پر فرماتے ہیں۔

انقلاب خبر اللہ کذباً محال	اللہ تعالیٰ کی خبر کا جھوٹا ہو جانا محال ہے

تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۳۹ پر فرماتے ہیں۔

والا لانقلب خبر اللہ الصادق کذبا وذالک محال۔	اللہ تعالیٰ کی سچی خبر کا جھوٹا ہو جانا محال ہے۔

الغرض امام رازی نے اس کثرت سے امتناع کذب پر تصریحات کی ہیں اور اس پر دلائل پیش کئے ہیں کہ ان کا احصاء ایک مستقل دفتر چاہتا ہے۔

امتناع کذب پر دلائل

مولوی سرفراز صاحب نے امتناع کذب کی بحث میں بار بار یہ شکایت کی ہے۔ کہ یہ مسئلہ خالص علمی اور منطقی طرز کا ہے۔ اور افہام و تفہیم کے لحاظ سے بے حد دقیق اور مشکل ہے۔ اسلئے ہم نے اس امر کا التزام کیا ہے کہ دلائل کی تقریر کو آسان اور سادہ انداز میں پیش کیا جائے تاکہ مکذبین کو کسی قسم کا کوئی شکوہ نہ رہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ومن اصدق من اللہ حدیثا	اور اللہ تعالےٰ سے زیادہ کون سچی بات کہنے والا ہے۔

مکذبین باری کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا صادق ہونا بایں معنی ہے کہ اللہ تعالےٰ

جھوٹ بولتا تو نہیں۔ بول سکتا ہے۔ (یعنی ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر)

گذارش یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی معنی کے اعتبار سے صادق ہیں۔ کہ وہ جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں پس اللہ تعالیٰ کا صدق انبیاءؑ علیہم السلام کے صدق کے برابر ہو گیا۔ کیونکہ دونوں جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں۔ اور یہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کا یہ ارشاد ہے۔ ومن اصدق من اللہ حدیثا اور یہ استفہام انکاری ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے۔ یعنی نہ تو جھوٹ بولتا ہے اور نہ بول سکتا ہے پس صدق میں نہ کوئی اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر ہے اور نہ اس کے برابر ہے لیکن مکذبین کی بدعت سے لازم آئیگا۔ کہ اللہ تعالےٰ اور انبیا علیہم السلام دونوں کا کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہو یعنی جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا معنی اسی وقت صحیح ہو گا جبکہ اہل سنت کے طریقہ پر یہ اعتقاد رکھا جائے۔ کہ ساری مخلوقات سے زیادہ سچے انبیاء علیہم السلام ہیں لیکن ان کے کلام میں بھی کذب ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے۔ کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ انبیاء سے بھی زیادہ سچا ہے کیونکہ اس کے کلام میں کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے یعنی وہ نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔

امام رازی جلد ۳ صـ ۲۸۱ پر فرماتے ہیں۔

اما اصحابنا فدلیلہم انہ لو کان کاذبا لکان کذبہ قدیما ولو کان کذبہ قدیما لامتنع زوال کذبہ لامتناع العدم علی القدیم ولو امتنع

بہر نوع ہم اہلسنت امتناع کذب پر یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کاذب ہوتا۔ تو اس کا کذب بھی قدیم ہوتا۔ اور جب اس کا کذب قدیم ہوتا تو پھر اس کا زوال ممتنع ہوتا کیونکہ قدیم پر عدم نہیں آسکتا اور جب

زوال كذبه قديماً لامتنع كونهٗ
صادقاً لان وجود احد الضدين يمنع
وجود ضد الآخر فلو كان كاذباً لامتنع
ان يصدق لكنه غير ممتنع لانا نعلم
بالضرورة ان كل من علم شيئاً فانهٗ
لا يمتنع عليه ان يحكم عليه بحكم
مطابق للمحكوم عليه والعلم بهذا
الصفة ضروري فاذا كان امكان
الصدق قائماً كان امتناع الكذب
حاصلاً لامحالة

کذب کا زوال ممتنع ہوتا تو اللہ تعالےٰ کا
صادق ہونا محال ہو جاتا کیونکہ ایک ضد کا
وجود دوسری ضد سے مانع ہوتا ہے پس اگر وہ
کاذب ہوتا تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہوتا لیکن
اس کا صادق ہونا تو ممتنع نہیں ہے۔ اسلئے
کہ ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ جو کسی شئی کو جانتا
ہے اس کیلئے بطابق واقعہ اس شئے کی خبر دینا
محال نہیں ہے اور اسکی صحت کا جاننا بدیہی ہے
پس جب صدق کا امکان قائم ہے تو لامحالہ
کذب کا امتناع حاصل ہو جائے گا۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد جلد ۲ ص ۱۰۴ پر امتناع کذب پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اما اولاً فباجماع العلماء واما ثانياً
فبما تواتر من اخبار الانبياء عليهم السلام
الثابت صدقهم بدلالة معجزات من
غير توقف على ثبوت كلام الله تعالےٰ
فضلاً عن صدقه واما ثالثاً فان
الكذب نقص باتفاق العقلاء وهو
على الله تعالى محال لما فيه من امارة
العجز والجهل والعبث واما رابعاً
فلانه لو اتصف في الازل بالكذب

بہر کیف امتناع کذب پر پہلی دلیل یہ ہے کہ
اجماع علماء سے کذب محال ہے دوسری یہ کہ
اخبار انبیاء علیہم السلام سے تواتراً ثابت ہے کہ اللہ
تعالیٰ کا کذب محال ہے اور ان اخبار کا صدق
معجزات سے ثابت ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے
حتی کہ دور لازم آئے۔ تیسری یہ کہ کذب کے نقص
ہونے پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے اور نقص اللہ
تعالےٰ پر محال ہے چوتھی یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ ازل
میں کذب سے متصف ہوتا تو اس کا

فی خبرِ ما۔ لا متنع صدقه فیه لان ما ثبت قدمه امتنع عدمه لکنا نعلم بالضرورۃ ان من علم النسبۃ لا یمتنع علیه ان یخبر عنها علی ما هی علیه	صدق ممتنع ہو جاتا کیونکہ ازلی وصف قدیم ہوتا ہے اور قدیم پر عدم ممتنع ہے۔ حالانکہ ہم بداہتہ جانتے ہیں کہ جو کسی نسبت کو جانتا ہو اس کیلئے اس کے مطابق خبر دینا ممتنع نہیں ہے۔

ومن اصدق من اللہ حدیثا کے تحت علامہ نسفی فرماتے ہیں۔

لا احد اصدق منه فی اخبارہ ووعدہ ووعیدہ لاستحالۃ الکذب علیه تعالٰی	یعنی اللہ تعالٰے سے کوئی شخص نہ وعدہ میں سچا ہے نہ وعید میں کیونکہ اللہ تعالٰے پر کذب محال ہے۔

انوار التنزیل میں علامہ بیضاوی اسی آیت کے فرماتے ہیں۔

انکار ان یکون احد اکثر صدقا منه فانه لا یتطرق الکذب الی خبرہ بوجه۔ لانه نقص وهو علی اللہ محال۔	اللہ تعالٰی اس آیت میں انکار فرماتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالٰے سے زیادہ سچا ہو۔ کیونکہ اسکی خبر میں کذب کسی طرح راستہ نہیں پا سکتا اسلئے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالٰے پر محال ہے۔

علامہ خازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا یجوز علیه الکذب	اللہ تعالٰی کیلئے کذب ممکن نہیں ہے۔

روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

لا یتطرق الکذب الی خبرہ بوجه لانه نقص وهو علی اللہ محال۔	کذب اللہ تعالٰی کی خبر کی طرف راستہ نہیں پا سکتا کیونکہ وہ نقص ہے اور وہ نقص اللہ تعالٰے پر محال ہے۔

شرح فقہ اکبر ص ۱۱۳ پر ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں

والکذب علیہ محال۔	کذب اللہ تعالےٰ پر محال ہے۔

حاشیہ عبدالحکیم علی الخیالی صا۲۰۱ پر ہے۔

الکذب فی کلامہ تعالیٰ باطل بالاجماع	اللہ تعالےٰ کے کلام میں کذب بالاجماع باطل ہے۔

مسائرہ میں ابن ہمام فرماتے ہیں۔ (مسامرہ صا۳۹۳)

یستحیل علیہ صفات النقص کالجھل والکذب	اللہ تعالےٰ پر صفات نقص محال ہیں۔ مثل جہل اور کذب ہے۔

نبراس صا۲۱۹ پر ہے۔

واعلم ان اھل الملل اجمعوا علیٰ ان الکذب من اللہ سبحانہٗ محال	جان لو کہ تمام اہل مذاہب کا اس امر پر اجماع ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا کذب محال ہے،

محال عقلی یا محال عادی

استحالہ کذب پر علمائے اسلام کی بیشمار تصریحات موجود ہیں۔ ہم نے ان میں سے چند عبارات پیش کرنے پر اکتفار کی ہے۔ مکذبین سے جب کچھ نہیں بن پڑتا۔ تو یہ کہتے ہیں کہ ان عبارات میں محال سے مراد محال عقلی اور نہیں۔ بلکہ محال عادی ہے۔ اور وہ کذب کے جواز اور امکان کے منافی نہیں ہے۔ لہٰذا امکان کذب کی نفی ثابت نہیں ہوئی۔

الجواب۔ اولاً تو محال کا معنی متبادر محال بالذات اور محال عقلی ہے اور الفاظ میں اصل یہی ہے کہ ان کو معانی متبادرہ پر محمول کیا جائے۔ ثانیاً محال کا معنی محال بالغیر کرنا بوجہ خلاف اصل ہونے کے محتاج الی القرینہ ہے اور جب عبارات میں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے۔ نہ حالی نہ مقالی۔ تو اس کو مجاز پر محمول کرنا قطعاً باطل ہے۔ ثالثاً یہ کہ محال عادی محال ہونے میں ناقص ہے۔ اور

محال عقلی محال ہونے میں کامل ہے۔ اور احناف کا قاعدہ ہے۔ کہ المطلق ینصرف الی الفرد الکامل پس جن عبارتوں میں مطلقاً محال کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یقینی طور پر محال عقلی ہے۔ رابعاً۔ یہ کہ یہاں محال سے مراد محال عقلی ہونے پر تصریحات موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم سابقاً فواتح الرحموت سے نقل کر چکے ہیں۔ خامسًا۔ جو ادلہ ہم نے کتب کلامیہ سے نقل کئے ہیں۔ ان کا مفاد محال عقلی ہے نہ کہ محال عادی۔ دیکھئے شرح مقاصد جلد ۲ صـ۱۰۴۔ شرح مواقف صـ۶۰۴ تفسیر کبیر جلد ۳ صـ۲۸۱۔ سادسًا۔ اس شبہ کی اس وقت کوئی حیثیت ہو سکتی تھی۔ جب کتب کلامیہ اور تفاسیر میں وقوع کی نفی کی جاتی۔ لیکن جبکہ کتب کلامیہ اور تفاسیر میں امکان اور جواز کی نفی کی ہے تو ثابت ہوا کہ کذب باری محال عقلی اور ممتنع بالذات ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے وہ عبارات لاتے ہیں جن میں جواز اور امکان کی نفی پر روشن تصریح موجود ہے:۔

(۱) شرح عقائد جلالی طبع نول کشور جلد ۲ صـ۴۲ پر ہے۔

ولا یصح علیہ الجھل ولا الکذب	اللہ تعالے کیلئے نہ جہل ممکن ہے نہ کذب

(۲) شرح عقائد جلالی جلد ۲ صـ۶۲ پر ہے۔

الکذب نقص والنقص علیہ محال فلا یکون من الممکنات ولا یشملہ القدرۃ	کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالی کیلئے محال ہے پس اللہ تعالی کا نہ تو کذب ممکن ہے اور نہ اسکو قدرت الٰہی شامل ہے۔

(۳) تفسیر خازن جلد ۱ صـ۳۷۸ پر ہے۔

ولا یجوز علیہ الکذب	کذب اللہ تعالے کیلئے ممکن اور جائز نہیں۔

(۴) امام رازی تفسیر کبیر جلد ۳ صـ۲۹۲ پر فرماتے ہیں۔

فاذا جوز علیہ الخلف فقد	جب اللہ تعالے پر خلف جائز رکھا

جوز الکذب علی اللہ وھذا خطاءٌ عظیمٌ بل یقرب من ان یکون کفراً

گیا تو اس پر کذب جائز رکھا گیا اور یہ عظیم خطا ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔

(۵) ابن عابدین شامی رد المحتار جلد ا صـ۳۸۶ پر فرماتے ہیں :۔

الصحیح ان الدعاء بالمغفرۃ للمشرک کفر لعدم جوازہ عقلاً وشرعاً (ملخصاً)

صحیح یہ ہے کہ مشرک کیلئے مغفرت کی دعا کرنا کفر ہے کیونکہ مشرک کی مغفرت نہ عقلاً ممکن ہے نہ شرعاً۔

واضح رہے کہ مشرک کی مغفرت اللہ تعالےٰ کے کلام میں کذب کو مستلزم ہے۔ جب مغفرت مشرک محال عقلی ہوئی تو کذب بھی محال عقلی ہوا۔ کیونکہ مستلزم محال محال ہوتا ہے :۔

بحمد اللہ العزیز ہم نے تصریحات علماء اہل سنت سے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا کذب عقلاً ممکن نہیں اور محال بالذات ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ باقی عبارتوں میں بھی محال سے مراد محال بالذات ہے :۔

قارئین کرام ہم نے امتناع کذب کو نصوص قطعیہ اقوال مفسرین اور اجماع اہل ملل سے ثابت کر دیا۔ اس کے برعکس اہل دیوبند کے پاس امکان کذب کے عقیدہ پر نہ کوئی نص قطعی ہے اور نہ مستند اکابر اسلام میں سے کسی کا صاف اور صریح قول لے دے کے وہ عموم قدرت اور خلف وعید سے لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ اور ہم سطور ذیل میں انشاء اللہ العزیز ان کی تمام غلط فہمیاں دور کر دیں گے :۔

عموم قدرت سے دیابنہ کو دھوکا

قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے چنانچہ مکفرین

کہتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اپنے جھوٹ بولنے پر بھی قادر ہے چاہئیے امکان کذب ثابت ہو گیا۔

الجواب۔ علامہ بیضاوی اس آئیت کے تحت شئی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ صہ ۲۸ جلد ا۔

ای شیئ وجودہ وما شاء اللہ ووجودہ فھو موجود فی الجملۃ وعلیہ قولہ تعالیٰ ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ اللہ خالق کل شئی فھما علی عمومھما بلا مثنویۃ و المعتزلۃ۔ لما قالوا الشئ ما یصح ان یوجد وھو یعم الواجب والممکن او ما یصح ان یعلم ویخبر عنہ فیعم الممتنع ایضا لزمھم التخصیص فی الموضعین بدلیل العقل۔

شئی کا معنی ہے جس کا وجود چاہا گیا ہو۔ اور اللہ تعالےٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے پس وہ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں موجود ہو جاتی ہے اور اسی معنی پر اللہ تعالےٰ کا قول ان اللہ علی کل شئی قدیر۔ اللہ خالق کل شیئ مبنی ہے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے شئی کا لفظ اپنے عموم پر باقی رہے گا۔ بخلاف معتزلہ کے انہوں نے شئی کا معنی کیا جس کا موجود ہونا صحیح ہو۔ اور یہ واجب کو بھی شامل ہے یا انہوں نے اس کا معنی کیا جس کا جاننا صحیح ہو۔ اور یہ ممتنع کو بھی شامل ہے۔ پس دونوں آئیتوں میں معتزلہ کو شیئی میں ممکن کے ساتھ تخصیص کرنا پڑی۔

علامہ بیضاوی کی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اہل سنت کے نزدیک جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے۔ وہ فی الجملہ موجود ہو گی۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی اپنے کذب پر قدرت مانی جائے۔ تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ کا کذب کسی نہ کسی مرتبہ میں موجود ہو۔ ثانیاً اگر یہ مان لیا جائے کہ جس چیز کے پیدا کرنے پر اللہ تعالےٰ کو قدرت ہے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کا اتصاف بھی ممکن ہے۔ تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالےٰ

کا سواد اور بیاض کے ساتھ متصف ہونا بھی ممکن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ ممکن ہے۔ محمود الحسن صاحب کی طرح سرفراز صاحب بھی کہدیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کا تمام قبائح کے ساتھ اتصاف جائز ہے۔ تو سواد اور بیاض کے ساتھ بھی اتصاف جائز ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ جواباً گذارش ہے کہ آپ کی جان پھر بھی نہیں چھوٹتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو موت کے پیدا کرنے پر بھی قدرت ہے لقولہ تعالیٰ خلق الموت والحیاۃ اور جب آپ کے نزدیک قدرت علی الکذب کی وجہ سے خدا کا کذب ممکن ہے تو لازم آئیگا کہ قدرت علی الموت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی موت بھی ممکن ہو۔ اور جس کی موت ممکن ہو۔ اس کا وجود واجب نہیں ہوتا۔ پس لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہے۔ اور جس کا وجود واجب نہ ہو۔ وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ مگر آپکو اس سے کیا۔ آپ امکان کذب سے انکار نہ کیجئے۔ چاہے خدا کی خدائی سے انکار ہو جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سرفراز صاحب! ضد جانے بھی دیجئے اور وجوب صدق پر ایمان لاکر امکان کذب سے توبہ کیجئے۔

خلف وعید میں اہل دیوبند کا مغالطہ

عموماً اہل دیوبند خلف وعید سے یا تو خود مغالطہ کھاتے ہیں یا جان بوجھ کر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ حقیقت خواہ کچھ ہو۔ بہر حال ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عصاۃ کو عذاب دینے کی وعید فرمائی ہے۔ اور بعض اشاعرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان کو عذاب نہ دے باوجود وعید کے عدم عذاب پر قدرت بعینہٖ کذب پر قدرت ہے۔ چلئے چھٹی ہوئی۔ امکان کذب ثابت ہو گیا۔ یہ ہے وہ خلف وعید جس سے دیوبندی امکان کذب ثابت کرتے ہیں یا جو خود اس استدلال میں جو مغالطہ کھایا ہے اسے زائل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ خلف وعید کی تقریر کریں تاکہ حق اپنے جمیع پہلوؤں کے ساتھ واضح ہو جائے

اہل سنت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالےٰ شرک کے سوا سب کچھ بخش دیگا جس کے لئے چاہے حتیٰ کہ صاحب کبیرہ جو بغیر توبہ کے مرگیا ہو۔ اسے بھی اللہ تعالےٰ بخش دیگا اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا کیونکہ عصاۃ مومنین کے بارے میں قرآن کریم میں آیات وعید موجود ہیں۔ اور اگر عصاۃ کی بخشش بلا توبہ مان لی جائے تو ان آیات کا خلاف لازم آئیگا۔ دیکھئے شرح عقائد نسفی صنث پر ہے:-

واللہ تعالیٰ لا یغفر ان یشرك به الی ان قال ویغفر ما دون ذٰلك لمن یشاء من الصغائر والکبائر مع التوبة اوبدونها خلافا للمعتزلة	اللہ تعالےٰ شرک کو نہیں بخشیگا اور اس کے سوا سب کچھ بخش دیگا۔ خواہ صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ۔ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور اس میں معتزلہ کا خلاف ہے۔

اب اہل سنت پر یہ اعتراض باقی رہا کہ جب صاحب کبیرہ کی مغفرت مان لی تو ان آیات کا خلاف لازم آگیا۔ جن میں عصاۃ کی وعید بیان کی گئی ہے پس اہل سنت ماتریدیہ نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ خلاف تب لازم آتا۔ اگر آیات وعید اپنے عموم پر ہوتیں یعنی ہر عاصی کو عذاب ہوگا۔ حالانکہ وہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں۔ بلکہ آیات عفو ان کی مخصص ہیں پس آیات عفو اور آیات وعید دونوں کے محل علیحدہ علیحدہ ہوگئے یعنی بعض عصاۃ کو اللہ تعالےٰ عذاب دے گا۔ اور بعض کو بخش دے پس کسی کا خلاف لازم نہیں آیا۔

ملاحظہ فرمائیے۔ شرح عقائد ص۱۰۱ پر ہے:-

وقد کثرت النصوص فی العفو فیخصص المذنب المغفور عن عمومات الوعید	اور عفو میں کثیر نصوص وارد ہیں۔ پس جو گنہ گار بلا توبہ بخشے جائیں گے ان کی آیات وعید سے تخصیص کرلی جائے گی

اور بعض اشاعرہ نے اس کے جواب میں کہا کہ جیسے عذاب کی دھمکی دی جاتی اور پھر بعد میں اس کو سزا نہ دی جائے۔ تو یہ محض کرم ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ عصاۃ کو معاف کر دے گا۔ اور اگر آیات وعید کا خلاف واقع ہو جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ خلف وعید بوجہ کرم ہونے کے جائز ہے۔

دیکھئے شرح عقائد نسفی ص۱۸ پر ہے۔

وزعم بعضهم ان الخلف فی الوعید کرم فیجوز من اللہ تعالٰی۔	اور بعض لوگوں (اشاعرہ) نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ خلف فی الوعید کرم ہے اور وہ اللہ تعالےٰ پر جائز ہے۔

مکذبین باری سے پہلی گذارش

اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ جو لوگ خلف وعید کو مانتے ہیں وہ محض خلف وعید کے امکان کو نہیں مانتے۔ بلکہ اس کو بالفعل مانتے ہیں کیونکہ عصاۃ مومنین کی مغفرت بالفعل ہو گی۔ جیسا کہ شرح عقائد میں ہے ویغفر مادون ذالك لمن یشاء من الصغائر والکبائر مع التوبہ اوبدونها اور اشاعرہ کے نزدیک خلف وعید عصاۃ مومنین کی مغفرت پر مترتب ہے پس چونکہ یہ مغفرت بالفعل ہے۔ تو خلف وعید جو اس پر مترتب ہے۔ وہ بھی بالفعل ہو گا۔ اور آپ چونکہ کذب کو خلف وعید کا لازم سمجھتے ہیں۔ پس لازم آئیگا کہ اللہ تعالےٰ کے کلام میں کذب بالفعل واقع ہو۔ اور خدا بالفعل جھوٹا ہو۔ (العیاذ باللہ) پس اب دیوبندیوں سے گذارش ہے کہ اگر وہ کذب کو واقعی خلف وعید کی فرع سمجھتے ہیں تو امکان کی بچر لگا کر لوگوں کو دھوکا نہ دیں۔ بلکہ صاف طور پر خدا کو بالفعل کاذب کہا کریں۔

مکذبین سے دوسری گذارش

احناف ماتریدی مذہب رکھتے

ہیں۔ اور شوافع نے اشعری مذہب کو اختیار کیا ہے۔ اب ہم دیوبندی حضرات سے پوچھتے ہیں۔ کہ جب وہ اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں۔ تو انہوں نے خلف وعید کے مسئلہ میں حنفیوں کے ماتریدی مذہب چھوڑ کر شافعیوں کے اشعری طریقہ کو کیوں اختیار کیا۔ کیا اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ انہیں اپنی کم فہمی سے بعض اشاعرہ کے مذہب میں کذب کا چور دروازہ نظر آ گیا تھا۔

خلف وعید پر محققین کا رد

ماتریدیہ اور محققین اشاعرہ نے خلف وعید کو رد کر دیا ہے۔ کیونکہ آیاتِ وعید کا خلاف ماننا اللہ تعالیٰ کے قول کو بدلنا اور بالفعل قول بالکذب کرنا ہے۔ کیونکہ خلف وعید پر اللہ تعالےٰ کا کلام بالفعل کاذب ہو جائیگا۔

شرح عقائد ص۸۱ پر علامہ تفتازانی اشعری فرماتے ہیں۔

المحققون علی خلافہ کیف و ہو تبدیل للقول وقد قال اللہ تعالیٰ وما یبدل القول لدی

اور محققین نے خلف وعید کا انکار کیا کیونکہ خلف میں اللہ تعالےٰ کے قول کو بدلنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اور امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۱ ص۳۸۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ فلن یخلف اللہ تعالیٰ عہدہ یدل علی انہ سبحانہ منزہ عن الکذب فی وعدہ و وعیدہ قال اصحابنا لان الکذب صفۃ نقص والنقص علی اللہ محال وقالت المعتزلۃ لانہ سبحانہ عالم بقبح

اللہ تعالیٰ کا قول فلن یخلف اللہ عہدہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے وعدہ اور وعید دونوں میں کذب سے منزہ ہے۔ اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے۔ اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور معتزلہ کی دلیل یہ ہے اللہ تعالےٰ

القبيح وعالم بكونه غنيا عنه والكذب
قبيح لانه كذب والعالم بقبح القبيح
وبكونه غنيا عنه يستحيل ان يفعله
فدل على ان الكذب منه سبحانه
محال فلهذا قال فلن يخلف الله عهده
فان قيل العهد هو الوعد وتخصيص
الشئ بالشئ يدل على نفي ما عداه
فلما اخص الوعد بانه لا يخلفه علمنا
ان الخلف في الوعيد جائز ثم العقل
يطابق ذالك لان الخلف في الوعد
لؤم وفي الوعيد كرم قلنا الدلالة
المذكورة قائمة في جميع انواع
الكذب۔

قبیح کے قبح سے واقف ہے اور قبح سے غنی ہونے
کا بھی عالم ہے اور کذب قبیح ہے اور اسکو
اسکی قباحت کا علم بھی ہے اور جو کسی شئی کی
قباحت پر مطلع ہو اس کیلئے اسے صادر کرنا
محال ہے پس ثابت ہوا کہ کذب اللہ تعالےٰ
پر محال ہے۔ اگر کوئی شخص اعتراض کرے
کہ عہد وعدہ کو کہتے ہیں۔ اور نفی وعدہ کی
تخصیص اس پر دلالت کرتی ہے کہ وعید
میں خلف جائز ہے۔ اور عقل بھی اسکی تائید
ہے کیونکہ وعدہ میں خلف قبح ہے۔ وعید
میں خلف کرم ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے
کہ اس قسم کی دلالت سے تمام اقسام کے
کذب اللہ تعالیٰ پر جائز قرار پائیں گے۔

اور تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۱۳۴ پر تمت کلمت ربک صدقا وعدلا کے تحت فرماتے

ہیں۔ من صفات کلمة الله كونها
صدقا وعدلا والدليل عليه ان
الكذب نقص والنقص على الله محال
الى ان قال واعلم ان هذا الكلام
كما يدل على ان الخلف في وعد الله
تعالى محال فهو ايضا يدل على ان
الخلف في وعيده محال بخلاف ما قال الواحدی

اللہ تعالےٰ کے کلمات کی صفت صدق
ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور
نقص اللہ تعالےٰ پر محال ہے۔ اور یہ کلام
جس طرح خلف وعید کے محال ہونے پر
دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح خلف وعید کے
استحالہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ بخلاف
واحدی کے۔

فی تفسیر قولہٗ تعالیٰ و من یقتل مؤمنا متعمدًا فجزآؤہٗ جہنم خالدًا فیہا ان الخلف فی وعید اللہ جائز وذالک لان وعد اللہ ووعیدہ کلمۃ اللہ فلما دلت ھذہ الآیۃ علی ان کلمۃ اللہ یجب کونہا موصوفۃ بالصدق علم ان الکذب کما انہٗ ممتنع فی الوعد کذالک ممتنع فی الوعید

کیونکہ اس نے و من یقتل مؤمنا متعمدًا فجزآؤہٗ جہنم خالدًا فیہا کی تفسیر میں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی وعید میں خلف جائز ہے اور واحدی کا قول اسلئے غلط ہے کہ وعد اور وعید دونوں اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں۔ اور جب اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ کلمات اللہ کا صدق واجب ہے تو جس طرح وعد کا خلف ممتنع ہے اس طرح وعید کا خلف بھی ممتنع قرار پائیگا۔

یہی امام رازی تفسیر کبیر جلد ۳ صـ ۲۹۲ پر و من یقتل مؤمنًا متعمدًا کے تحت واحدی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

لان الوعید قسم من اقسام الخبر فاذا جوز علی اللہ الخلف فیہ فقد جوز الکذب علی اللہ وھذا خطأ عظیم بل یقرب من ان یکون کفرا فان العقلاء اجمعوا علی انہٗ تعالیٰ منزہ عن الکذب ولانہٗ اذا جوز الکذب علی اللہ فی الوعید لاجل ما قال ان الخلف فی الوعید کرم فلم لا یجوز الخلف ایضا فی وعید الکفار وایضا اذا جاز الخلف فی الوعید لغرض الکرم فلم لا یجوز الخلف

وعید خبر کی ایک قسم ہے پس جب اللہ تعالیٰ کیلئے اسکی خبر میں خلف کو جائز مانا گیا جب تو اللہ تعالیٰ پر کذب کو جائز مانا گیا اور یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ قریب بہ کفر ہے کیونکہ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کذب سے منزہ ہے اور نیز جب کرم کی بناء پر وعید مؤمنین میں خلف جائز رکھا گیا ہے تو پھر وعید کفار میں خلف کیوں جائز نہیں۔ مزید برآں یہ کہ جب کرم کی بناء پر وعید میں خلف جائز ہے تو مصلحت کی بنا پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فی القصص والاخبار لغرض المصلحۃ ومعلوم ان فتح ھذا الباب یفضی الی الطعن فی القرآن وکل الشریعۃ۔

قصص اور اخبار میں خلف کیوں جائز نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی جرأت قرآن بلکہ تمام شریعت میں طعن کا دروازہ کھولتی ہے ا۔

مکذبین سے تیسری گذارش

بعض اشاعرہ کے قول خلف وعید کو باعتبار ظاہر کے محققین اہلسنت نے رد کر دیا ہے۔ پس اب مکذبین سے گذارش ہے کہ آپنے اس باطل اور مردود قول پر اپنے مسلک کی عمارت قائم کر کے کیا اہل فہم کو یہ سوچنے کا موقعہ نہیں دیا کہ جس مذہب کی بنیاد ہی فاسد ہے اس کی تعمیر کے فساد کا کیا عالم ہوگا ا۔

کیا اشاعرہ امکان کذب کے قائل ہیں

اس تحقیق سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ بعض اشاعرہ نے جو خلف وعید کا قول کیا ہے۔ اس کو جمہور اہل سنت نے رد کر دیا لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ کیا جن اشاعرہ نے خلف وعید کا قول کیا۔ وہ قول بالکذب بھی کرتے ہیں جس طرح مولوی انبیٹھوی، مولوی گنگوہی اور مولوی محمود الحسن صاحب اور تمام وہابی دیوبندی مکذبین نے اپنی جہالت سے سمجھا کہ یہ مسئلہ تو قدماء میں مختلف فیہ ہے اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے۔ پس ہم واشگاف الفاظ میں یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں کذب کے محال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں دیکھئے کمال الدین بن ابی شریف جو اشعری المذہب ہیں۔ مسامرہ شرح مسایرہ صـ۲۰۶ پر فرماتے ہیں۔

لاخلاف بین الاشعریۃ وغیرھم فی ان کل ما کان وصف نقص فی

اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر

فی حق العباد فالباری تعالیٰ منزہ عنہ وھو محال علیہ تعالیٰ والکذب وصف نقص فی حق العباد الیٰ ان قال فھو مستحیل فی حقہ عز وجل۔

وہ شے جو بندوں کے حق میں وصف نقص ہو وہ اللہ تعالےٰ پر محال ہے اور کذب بندوں کے حق میں وصف نقص ہے پس وہ اللہ تعالےٰ پر محال ہے۔

مسامرہ کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں امتناع کذب کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خلف وعید کے مسئلہ پر انہیں قول بالکذب لازم کیا گیا۔ تو انہوں نے کذب سے اپنی برأت کا اظہار کیا اور کہا کہ آیات وعید انشاء تخویف پر محمول ہیں اور انشا میں صدق وکذب کا احتمال نہیں ہوتا۔ پس خلف وعید سے کذب لازم نہیں آتا۔

بعض محققین نے اور جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیات وعید اصرار عدم توبہ یا عدم عفو یا مشیت کے ساتھ عند اللہ مقید ہیں یعنی جس آیت میں عاصی کو عذاب دینے کی وعید کی گئی ہے اس کے بعد شرط محذوف ہے مثلاً میں عاصی کو ضرور عذاب دونگا۔ اگر اس کو معاف نہ کروں یا اگر چاہوں تو یا اگر وہ توبہ نہ کرے اور معصیت پر مصر رہے۔ پس اب اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر کے عذاب نہ دے یا اپنی مشیت یا اس کی توبہ کی وجہ سے عذاب نہ دے۔ تو اس کے کلام کا خلاف لازم نہیں آیا۔ البتہ ظاہری اور صوری طور پر اسے خلف وعید کہا گیا ہے۔ کیونکہ کلام میں شرط کا ذکر نہیں۔ اور علماء محققین نے شرط کے حذف کرنیکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر شرط کو کلام میں صراحۃً ذکر کر دیا جاتا تو عصاۃ معصیت پر دلیر ہو جاتے۔ اب ہم آپکے سامنے اپنے اس بیان کی تائید میں علماء محققین کی عبارات پیش کرتے ہیں۔

دیکھئے مشہور اصولی علامہ محب اللہ بہاری اپنی شہرۂ آفاق تصنیف

مسلم الثبوت ص۴۶ پر واجب کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

وقیل ما اوعد بالعقاب علیٰ ترکہ ولا یخرج العفو لان الخلف فی الوعید جائز دون الوعد ورد بان ایعاد اللہ تعالیٰ خبر فھو صادق قطعا وتجویز کونہ انشاء للتخویف کما قیل عدول عن الحقیقۃ بلا موجب علیٰ انہ مثلہ یجری فی الوعد فیسد باب المعاد اقول لو تم دل علیٰ بطلان العفو مطلقا والکلام فی خروجہ بعد تسلیم وجودہ فلا بد ان یقال ان الایعاد فی کلامہ تعالیٰ مقید بعدم العفو۔

اور بعض لوگوں نے واجب کی تعریف میں کہا کہ واجب وہ فعل ہے جس کے فعل پر عذاب دیا جائے اور عفو اس تعریف سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ خلف وعید جائز ہے اور یہ جواب مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وعید قطعی طور پر خبر ہے پس وہ یقینا صادق ہوگی اور بعض لوگوں نے جو وعید کو انشاء تخویف پر محمول کیا ہے وہ بغیر کسی موجب کے حقیقت سے عدول کرنا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی یہ تقریر وعدہ میں بھی جاری ہو سکتی ہے پس معاد کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ انشاء کی تقدیر پہ تو عفو بالکلیہ باطل ہو جائیگا اور کلام اس میں ہے کہ عفو باوجود متحقق ہونے کے واجب کی اس تعریف سے خارج ہو جاتا ہے پس ضروری ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالےٰ کے کلام میں آیات وعید عدم عفو کے ساتھ مقید ہیں۔

خلف وعید سے جو بظاہر کذب لازم آتا ہے۔ اس کے علامہ محب اللہ بہاری نے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک آیات وعید کو عدم عفو سے مقید کر کے۔ دوسرا ان آیات کو انشاء تخویف پر محمول کر کے پھر دوسرے جواب پر یہ اعتراض قائم کیا کہ یہ آیات اخبار ہیں اور اخبار کو بلا موجب انشاء پر محمول کرنا عدول عن الحقیقۃ ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح تو کوئی آیات وعد کو بھی انشاء ترغیب پر محمول

کر سکتا ہے۔ علامہ بحر العلوم لکھنوی نے فواتح الرحموت میں اس اعتراض کا جواب دے کر انشاء تخویف والے جواب کی تصویب فرمائی ہے، چنانچہ فواتح الرحموت صـ۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

فالحق ان الموجب للعدول متحقق وهو ثبوت جواز العفو لاهل الكبائر غير المشرك ثبوتا قطعيا جليا مثل الشمس على نصف النهار فلا بد من العدول عن الظاهر في الوعيدات التي لغير الكفرة فاما بالتقييد او جعله لانشاء التخويف واما الوعد فلا موجب فيه فيبقى على الحقيقة

حق یہ ہے کہ حقیقت سے عدول کرنے کا موجب متحقق ہے اور وہ اہل کبائر کیلئے جواز عفو کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت مثل آفتاب نیم روز کے قطعی اور یقینی ہے پس غیر کفار کی وعیدات میں ظاہر سے عدول کرنا ضروری ہوا پس یا تو آیات کو مقید کیا جائیگا یا ان کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائیگا۔ رہا وعد تو اس میں چونکہ حقیقت سے عدول کرنے کا کوئی موجب نہیں تو وہ اپنی حقیقت پر رہے گا۔

علامہ محقق جلال الدین شرح عقائد دوانی جلد ۲ صـ۶۴ طبع نول کشور پر رقم طراز ہیں۔

قلت ان حملت آيات الوعيد على انشاء التهديد فلا خلف لانه حينئذ ليس خبرا بحسب المعنى وان حمل على الاخبار كما هو الظاهر فيمكن ان يقال بتخصيص المذنب المغفور عن عمومات الوعيد

میں کہتا ہوں اگر آیات وعید کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائے تو خلف لازم نہیں آئیگا کیونکہ یہ اس وقت معنوی طور پر خبر نہیں ہونگی۔ اور اگر ظاہر کے اعتبار سے انہیں اخبار پر ہی محمول کیا جائے تو پھر یہ آیات عام مخصوص عنہ البعض

بالدلائل المفصلة ولا خلف على هذا التقدير ایضاً فلا یلزم تبدیل القول واما اذا لم یقل باحد هذین الوجهین فیشکل التفصی عن لزوم التبدیل والکذب اللّٰهمّ الّا ان یحمل آیات الوعید علی استحقاق ما وعد به لا علی وقوعه بالفعل وفی الآیة المذکورة اشارة الی ذالك حیث قال فجزآه جهنم خالداً فیها۔

کے قبیل سے ہیں اور دوسرے دلائل کی وجہ سے عمومات وعید سے مذنب مغفور کی تخصیص کرلی جائیگی اور اگر یہ دونوں توجیہیں نہ کی جائیں۔ تو لزوم کذب اور خلف سے چھٹکارا مشکل ہے البتہ اگر یہ کہا جائے کہ آیات وعید میں سزا کے وقوع کی خبر دینا مقصود نہیں بلکہ سزا کا استحقاق بیان کرنا مقصود ہے (یعنی کسی شخص نے اگر معصیت کی تو وہ اس سزا کا مستحق ہے نہ کہ اسے یہ سزا ملے گی پس عفو کی تقدیر پر کذب لازم نہیں آئے گا) چنانچہ آیہ کریمہ فجزآءہ جہنم خالداً فیہا میں اسکا اشارہ موجود ہے

اور یہی علامہ محقق شرح عقائد دوانی جلد ۲ ص ۲۹ طبع نولکشور پر اسی بحث میں فرماتے ہیں:۔

والوجه فی دفعه ان آیات الوعید مشروطة بشروط معلومة من الآیات الاخر والاحادیث منها الاصرار وعدم التوبة منها عدم عفوه تعالی فیکون فی قوة الشرطیة فلا یلزم الکذب اصلا۔

اور اس اشکال کا رفع اس طرح ہے۔ کہ آیات وعید ان شروط کے ساتھ مقید ہیں جو دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہیں مثلاً اصرار۔ عدم توبہ اور عدم عفو وغیرہ اور یہ اخبار قضایا شرطیہ کی قوت میں ہیں۔ پس انتفاء شرط کی تقدیر پر انتفا مشروط (عقاب) اصلاً کذب کو مستلزم نہیں ہے:۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تکمیل الایمان ص ۳۷ پر

تحریر فرماتے ہیں۔

و بعضے برایں اند کہ خلاف در وعدہ و عید او قطعاً نرود والا کذب اخبار او لازم آید تعالی عن ذالک۔ جوابش آنست کہ بقرینۂ اقتضاء کرم در اخبار وعید شرط مشیت مقدر بود اگرچہ تصریح براں نکردہ باشد و خبر وعد حتماً مقتضیاً باشد و آیات و احادیث کہ دریں جا تصریح بمشیت وقوع یافتہ است نیز قرینہ آں تواند بود یا خود مراد از اخبار وعید استحقاق عذاب است نہ وقوع بالفعل یا مراد بوداں انشاء وعید است نہ حقیقت اخبار پس کذب و تبدیل لازم نہ آید۔

اور بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ وعدہ اور وعید کا خلاف قطعاً ممکن نہیں۔ ورنہ اخبار میں کذب لازم آئیگا تعالے اللہ عن ذالک۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اقتضاء کرم کے قرینہ سے وعید مشیت کے ساتھ مشروط ہے۔ اور وعدہ کی خبر یقینی طور پر پوری ہوگی اور جن آیات واحادیث میں مشیت کی تصریح ہے وہ نیز اس امر پر قرینہ ہیں یا پھر آیات وعید میں وعید سے مراد سزا کا استحقاق ہے۔ نہ کہ سزا کا وقوع اور قطعیت اور یا آیات وعید انشاء تخویف پر محمول ہیں اور حقیقت میں اخبار نہیں ہیں حتیٰ کہ کذب یا تبدیل لازم آئے

خیالی علی شرح العقائد ص ١٤٦ پر ہے۔

واقول لعل مرادهم ان الکریم اذا اخبر بوعید فاللائق بشانه ان یبنی اخباره علی المشیة وان لم یصرح بذالك بخلاف الوعد فلا کذب ولا تبدیل

میں کہتا ہوں کہ شاید بعض اشاعرہ کی مراد یہ ہے کہ کریم جب کسی سزا کی خبر دیتا ہے تو اسکی شان کے لائق یہ ہے کہ اس سزا کو اپنی مشیت پر موقوف کر دیتا ہے اگرچہ اس شرط کی تصریح نہیں کرتا بخلاف وعدہ کے پس نہ کذب لازم آیا اور نہ تبدیلی۔

اور علامہ عبد العزیز پرہاروی نبراس ص۳۶۶ پر اشاعرہ کی طرف سے لزوم امکان کذب کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

معنی قولهم الخلف فی الوعید کرم ان الکریم اذا اخبر بالوعید فلا یبعد من کرمه ان یعلقه بالمشیة وان لم یصرح بها لئلا یغتر بها العاصی اما اذا اخبر بالوعد فاللائق بحاله الایفاء والانجاز قال فی قوة القلوب روینا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من وعده الله علی عمل ثوابا فهو منجزله ومن اوعده علی عمله فهو فیه بالخیار

اشاعرہ نے جو کہا ہے کہ خلف وعید کرم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کریم جب کسی سزا کی خبر دیتا ہے تو اسکے کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس سزا کو اپنی مشیت پر موقوف کر دے اگرچہ وہ اس تعلیق کی تصریح نہیں کرتا تاکہ عاصی معصیت پر دلیر نہ ہو جائے لیکن جب وہ کسی انعام کی بشارت دیتا ہے تو اسکی شان کے لائق ایفاء اور پورا کرنا ہے۔ قوت قلوب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے تو اسکو پورا فرماتا ہے۔ اور جس کو کسی عمل پر سزا کی خبر دیتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے۔

علامہ بیضاوی اور شیخ ابو سعود اپنی تفسیروں میں لا یخلف اللہ المیعاد کے تحت فرماتے ہیں :۔

واستدل به الوعیدیة واجیب بان وعید الفساق مشروطة بعدم العفو لدلائل مفصلة کما هو مشروطة بعدم التوبة وفاقا۔

اس آیت سے وعیدیہ نے وعید لازم ہونے پر استدلال کیا اور اسکا جواب یہ ہے کہ فساق کی وعید دلائل مفصلہ کی بنا پر عدم عفو کے ساتھ مقید ہے جس طرح وہ عدم توبہ کے ساتھ بالاتفاق مقید ہیں۔

اور امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۰۹ پر فرماتے ہیں

فاما قولك لو لم يفعل لصار كاذبا و مكذبا بالنفسه فجوابه ان هذا انما يلزم لو كان الوعيد ثابتا جزما من غير شرط و عندي جميع الوعيدات مشروطة بعدم العفو فلا يلزم من تركه دخول الكذب في كلام الله تعالى۔

بہر حال تیرا یہ قول کہ اگر اللہ تعالیٰ فاسق کو عذاب نہ دے تو وہ کاذب ہو جائیگا پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسس وقت لازم آتا ہے جبکہ وعید جزماً ثابت ہوتی ہے اور کسی شرط پر موقوف نہ ہوتی اور میرے نزدیک تمام آیات وعید عدم عفو کے ساتھ مختص ہیں پس ترک عذاب سے اللہ تعالیٰ کے کلام کا کاذب ہونا لازم نہیں آتا

خلف وعد کی بحث میں ہم نے جو عبارات پیش اور ان سے جو جوابات مستنبط ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ عفو کی تقدیر پر آیات وعید کا خلاف لازم نہیں آتا اور یہ اسلئے ہے کہ عام مخصوص عنہ البعض ہیں۔ ثانیاً اسلئے کہ یہ آیات عدم عفو وغیرہ سے مقید ہو کر قضایا شرطیہ کی قوت میں ہیں۔ ثالثاً اسلئے کہ یہ انشاء تخویف پر محمول ہیں۔ رابعاً اسلئے کہ ان آیات میں وقوع عقاب کی خبر نہیں۔ بلکہ استحقاق عقاب کی خبر ہے۔ اور ان چاروں جوابوں کو ہم نے بکثرت علماء کی تصریح سے پیش کیا ہے۔ اور بیشتر علماء کی عبارات کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے

مکذبین سے چوتھی گذارش

سطور گذشتہ میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے اس سے واضح ہو گیا۔ کہ خلف وعید اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے مردود ہے اور خلف وعید سے جو معنی بعض اشاعرہ نے لیا ہے۔ وہ نہ کذب کا عین ہے اور نہ کذب کو مستلزم ہے کیونکہ وہ خلف وعید کو انشاء تخویف پر محمول کرتے ہیں اور انشا صدق و کذب

کا احتمال نہیں رکھتا اور اہلسنت ماتریدیہ نے آیات وعید کو عدم عفو یا مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے اور اس طور پر صرف ظاہراً اور صورۃً خلف وعید رہ جاتا ہے۔ اور یہ نہ کذب کا عین ہے نہ اسکو مستلزم ہے۔ پس دیوبند کے اہل علم پر عقل انگشت بدنداں ہے۔ جنہوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ مسئلہ امکان کذب قدماء میں مختلف فیہ رہا ہے۔ اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے۔ دیکھئے مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی براہین قاطعہ صـ۶ پر ہے۔ امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا۔ بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے کہ نہیں۔ الی ان قال اور امکان کذب کہ خلف وعید کی فرع ہے جو قدماء میں مختلف فیہ ہو چکا ہے۔ انتہیٰ

اور اسی مضمون کو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی فتاوی رشیدیہ میں بیان کیا ہے اور امکان کذب کو خلف وعید کی فرع قرار دیا ہے۔ حالانکہ ہم دلائل کثیرہ سے واضح کر چکے ہیں کہ خلف وعید کسی کے مذہب پر بھی نہ کذب کا عین ہے نہ اسکو مستلزم ہے نہ اس پر متفرع ہے۔ لیکن مکذبین کی آنکھوں پر ابلیس نے جو تنقیص الوہیت کی پٹی باندھ دی ہے۔ وہ ان کو دیکھنے نہیں دیتی۔

مکذبین سے پانچویں گذارش

ہم سطور سابقہ میں امام رازی سے نقل کر چکے ہیں۔ کہ امکان وجواز کذب کا قول قریب بہ کفر ہے۔ دیکھئے تفسیر کبیر صـ۲۹۲ ج۳ پر امام رازی فرماتے ہیں۔

اما ذا جوز علی اللہ الخلف فیہ فقد جوز الکذب علی اللہ وھذا خطأ عظیم بل یقرب من ان یکون کفراً

خلف وعید کو جائز رکھنا کذب کو جائز رکھنا ہے اور جس نے اللہ تعالی پر کذب جائز رکھا اس نے کفر کے قریب قول کیا۔

پس مکذبین سے گذارش ہے کہ وہ آنکھوں دیکھتے مکھی نہ کھائیں اور جس چیز کو علماء اہل سنت نے کفر کہا ہے۔ اسکو اپنا عقیدہ نہ بنائیں۔

عموم قدرت اور خلف وعید سے عام طور پر مکذبین اور ابنا ، بدعت عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں ۔ اسلئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ذرا اس پر کھل کر گفتگو کی جائے ۔ اس کے بعد اب ہم سرفراز صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔ جنہوں نے مغالطہ عامۃ الورود کے قبیل سے تیرہ مغالطہ دیئے ہیں ۔ اور بزعم خویش امکان کذب کو ثابت کر لیا ہے :۔

سرفراز صاحب کا پہلا مغالطہ

سرفراز صاحب تنقید متین ص۱۷۲ پر لکھتے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک بہ علینا وکیلا الا رحمۃ من ربک ان فضلہ کان علیک کبیرا (پ ۱۵ ۔ بنی اسرائیل)

اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لا دینے کو ہم پر کوئی ذمہ دار مگر مہربانی سے تیرے رب کی بخشش تجھ پر بڑی ہے ۔

اور اس آیت سے سرفراز صاحب نے مندرجہ ذیل مطلب کشید کیا ہے ۔

" نہ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے نبوت اور وحی چھینی ہے اور نہ یہ مقام آپ سے چھینے گا اور کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں لیکن اس بالا مضمون میں یہ امر واضح کر دیا ہے ۔ کہ اگر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ آپ سے یہ مقام چھیننا چاہے تو اس پر قادر ہے انتھی کلامہ (تنقید متین ص۱۷۲)

اس آیت کریمہ میں نبوت سلب کرنے کا کوئی ذکر نہیں (مگر سرفراز صاحب نے جب دیکھا کہ اگر سلب نبوت کا لفظ قرآن میں نہ بڑھایا گیا تو دیوبندی بدعت پیوند زمین ہو جائے گی پس اپنے عقیدہ فاسدہ کو ثابت کرنے کیلئے سلب نبوت کا چور دروازہ نکال لیا ۔ اور اس تحریف کا مقصد ان کے الفاظ میں یہ ہے

کہ "جب وہ خبر دے چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تا قیامت (بلکہ قیامت میں بھی رہے گی)، تو اس خبر کے خلاف قدرت تسلیم کرنے سے اس کے کلام میں کذب کا احتمال اور امکان پیدا ہوتا ہے" انتہی کلامہ۔ تنقید متین،

یہ ہے سرفراز صاحب کی سینہ زوری اور ڈھٹائی کیونکہ وہ اپنے ان خیالات میں منفرد ہیں، اسلئے اپنی اس جسارت پر وہ اہل علم کی تائید پیش کرنے سے قاصر رہے۔ اب ہم اس آیت کے تحت مفسرین کرام کی تفاسیر تفویض قلم کرتے ہیں۔ تفسیر ابی السعود میں اسی آیت کے تحت ہے۔

(ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیك) من القرآن الذی هو شفاء ورحمة للمؤمنین ومنبع للعلوم التی اوتیتموها وثبتناك علیه حین کادوا لیفتنونك عنه ولولا ذلك لکدت ترکن الیهم شیئا قلیلا الی ان قال والمراد من الذهاب به المحو من المصاحف والصدور۔	اور اگر ہم چاہیں تو آپ سے اس قرآن کریم کو لے لیں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے جو شفا ہے اور مومنین کے لئے رحمت ہے اور تمام علوم کا منبع ہے۔ اور ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا جس وقت وہ آپ کو فتنہ میں ڈال رہے تھے۔ اور اگر ہماری تائید نہ ہوتی تو قریب تھا کہ آپ انکی طرف کچھ مائل ہوجاتے اور قرآن لے جانے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالٰی اسکو مصاحف اور سینوں سے محو کر دیتا۔

اور امام رازی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

المراد بهذا الاذهاب ازالة العلم به عن القلوب وازالة النقوش الدالة علیه عن المصحف	قرآن کریم میں جو لنذهبن بالذی اوحینا وارد ہے، اس سے مراد دلوں اور مصاحف سے علوم کو محو کر دینا ہے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔

والمعنی ان شئنا ذھبنا بالقرآن ومحونا من المصاحف والصدور۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو قرآن کو لے جائیں اور اسکو مصاحف اور سینوں سے محو کر دیں۔

جلالین شریف میں ہے۔

ای القرآن بان نمحوہ من الصدور والمصاحف۔

یعنی وحی سے مراد قرآن ہے پس اگر ہم چاہیں تو اسکو صدور و مصاحف سے محو کر دیں۔

ان تفاسیر کے حوالوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہاں پر علوم اور قرآن کو سینوں اور مصاحف سے محو کرنے کا ذکر ہے۔ نہ کہ سلب نبوت کا بیان ہے۔ جس پر سرفراز صاحب نے عقیدہ امکان کذب کی بنیاد رکھی ہے۔

سرفراز صاحب کا دوسرا مغالطہ

صفحہ ۱۷۴ پر قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ نقل کی۔

ام یقولون افتری علی اللہ کذبا فان یشاء اللہ یختم علی قلبك ویمح اللہ الباطل ویحق الحق بکلماتہ انہ علیم بذات الصدور۔

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پہ جھوٹ۔ سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر اور مٹا دے اللہ جھوٹ کو اور ثابت کر دے سچ کو اپنی باتوں سے اسکو معلوم ہے جو دلوں میں ہے

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر (معاذ اللہ) مہر لگا دے۔ وحی نبوت بند بلکہ سلب کر دے ص ۱۷۵

سرفراز صاحب نے اس جگہ بھی دل کھول کر قرآن میں تحریف کی ہے اور ترجمہ و تفسیر میں من مانی کاروائی کر کے بزعم خویش یہ ثابت کر لیا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں آپ کی نبوت سلب کرنے پر قدرت کا اظہار فرمایا۔ اور یہ بھی خبر دی ہے کہ قیامت تک آپ کی نبوت باقی رہے گی۔ لہذا سلب نبوت کا امکان بعینہ کذب

کا امکان ہے چلئے چھٹی ہوئی۔ امکان کذب ثابت ہو گیا۔

الجواب۔ اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ سلب وحی یا سلب نبوّت کیا جا سکے ہمارے نزدیک اس آیت کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔ فان یشاء اللہ یختم علی قلبک اور اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مُہر فرما دے۔ تفسیر جلالین میں اس کے تحت ہے۔

(فان یشاء اللہ یختم) یربط (علی قلبک) بالصبر علی اذاھم بھذا القول وغیرہ وقد فعل

یعنی اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو آپ کے دل پر مشرکین کی نازیبا باتوں پر صبر کی مُہر لگا دے تاکہ آپ مشرکین کی نازیبا اور تکلیف دہ باتوں پر صابر ہو جائیں اور بلا ریب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو ایسا کر دیا۔

اس آیت کے تحت مدارک التنزیل میں ہے۔

قال مجاھد ای یربط علی قلبک بالصبر علی اذاھم وعلی قولھم افتری علی اللہ کذبا لئلا تدخلہ مشقۃ بتکذیبھم

مجاہد نے کہا، معنی یہ ہے کہ کفار کی اذیتوں پر آپ کے دل کو صابر بنا دے اور ان کے قول افترا علی اللہ کذبا پر تاکہ آپ کی تکذیب پر آپ کو مشقت نہ ہو۔

نیز خازن میں اس کی تفسیر ہے۔

ای یربط علی قلبک بالصبر حتی لا یشق علیک اذاھم و قولھم انہ مفتر

یعنی ان کے دل کو ایسا صابر بنا دے کہ اس پر کفار کی اذیتیں اور ان کا آپ کو مفتری کہنا شاق نہ گذرے۔

خازن، مدارک اور جلالین کی عبارتوں سے بحمدہ اللہ یہ امر واضح ہو گیا کہ نہ سلب نبوت کا خود قرآن میں ذکر ہے اور نہ مفسرین کرام کے اذہان میں یہ ناپاک معنی موجود تھا جسے بنیاد قرار دے کر مولوی سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ کے

نے کذب جیسی شناعت کا امکان ثابت کیا ہے بعض مفسرین نے یختم علی قلبک کی اور بھی کئی تفسیریں کی ہیں۔ ہم انہیں بھی پیش کر کے اس مسئلہ کو بالکل بے غبار کر دینا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ بیضاوی میں ہے:۔

استبعاد للافتراء عن مثله بالاشعار على انه انما يجترئ عليه من كان مختوما على قلبه جاهلا بربه فاما من كان ذا بصيرة و معرفة فلا وكانه قال ان يشاء الله خذلانك يختم على قلبك لتجترئ بالافتراء عليه وقيل يختم على قلبك يمسك القرآن او الوحي عنه او يربط عليه بالصبر فلا يشق عليك اذاهم

مشرکین کے اس قول کے جواب میں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر افترا باندھا ہے اللہ تعالیٰ کا فان یشأ اللہ یختم علی قلبک فرمانا ان کے اس افترا کو آپ جیسی شخصیت سے بہت بعید قرار دینا ہے۔ کیونکہ اللہ پر افترا کرنے کی جسارت تو وہ شخص کر سکتا ہے جس کے دل پر مُہر لگی ہو اور وہ اپنے رب سے جاہل ہو۔ لیکن جو شخص صاحب معرفت و بصیرت ہو اس سے یہ افترا صادر ہونا محال ہے پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا کرنا چاہتا تو آپ کے دل پر مہر لگا دیتا تاکہ آپ اس پر افترا کرتے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ سے نزول قرآن یا وحی روک لیتا۔ اور یہ بھی تفسیر کی گئی کہ اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر صبر کی مُہر لگا دے۔

اب آپ پورے غور سے علامہ بیضاوی کی نقل کردہ تینوں تفسیروں کو ملاحظہ فرمائیں کسی تفسیر میں بھی سرفراز صاحب کے ناپاک عقیدہ کی گنجائش نہیں ہے پہلی تفسیر میں واضح ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو نبی علیہ السلام اس پر افترا کرتے لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء کے کلام میں کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہوتا ہے۔ دوسری تفسیر پر معنی

یہ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو وحی یا قرآن کو روک لیتا اور امساک وحی یا قرآن امر ممکن ہی نہیں۔ بلکہ حقیقت ثابتہ ہے۔ کئی مواقع پر بیشمار حکمتوں کے پیشِ نظر وحی روک لی گئی۔ اور تیسری تفسیر کی تفصیل ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں۔ پس بحمداللہ ثابت ہو گیا کہ قرآن شریف کی اس آیت کریمہ میں اس ناپاک عقیدہ کا نام ونشان تک نہیں۔ جسے ثابت کرنے کیلئے مولوی سرفراز صاحب نے قرآن میں بزور زیادتی کی اپنی طرف سے الفاظ داخل کئے اور پھر تفسیر بالرای کر کے اپنے لئے آخرت کی مخصوص وادی میں زمین الاٹ کرالی۔

سرفراز صاحب کا تیسرا مغالطہ

سرفراز صاحب نے اللہ تعالےٰ کے جھوٹ کو ممکن ثابت کرنے کیلئے تیسری مرتبہ پینترا بدل کر پھر زور لگایا۔ قرآن کریم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل کی جس کے بنیادی الفاظ یہ ہیں ومن عصانی فانک غفور رحیم۔ جو میری نافرمانی کرے تو تو اسکو بخشنے والا مہربان ہے اور اس کا مقصد ان کے الفاظ میں یہ ہے۔ ص۱۷۶۔

اب سوال یہ ہے کہ مشرک اور بُت پرست کی جس کا خاتمہ کفر پر ہو چکا ہو مغفرت کا کیا سوال ہے۔ رب العزت کا قطعی فیصلہ جب یہ ہے کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ الآیہ۔ بے شک اللہ تعالےٰ اس چیز نہیں معاف کریگا۔ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ تو پھر مشرک کی بخشش کا کیا سوال۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مضمون میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بُت پرستوں کو بھی بخشنا چاہے تو اس کو قدرت ہے۔ انتھی کلامہ تنقید ص۱۷۶

اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کی مغفرت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ کے کذب کو مستلزم ہے اور چونکہ یہ مغفرت ممکن ہے۔ اسلئے

اللہ کے کلام ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ کا کذب ممکن ہو گیا۔

اس کلام میں مولوی سرفراز صاحب نے انگنت وجوہ سے اپنی جان اور ایمان پر ظلم کیا ہے اور اہل علم کی نگاہوں میں وہ مار کھائی ہے جو کسی بدنصیب جاہل ہی کے حصّے میں آتی ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے۔ کہ اس آیت میں تحریف کی ہے دوسرے یہ کہ خدا کے لئے نقص ثابت کرنے کی مذموم سعی کی۔ ثالثاً یہ کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تقدس اور عصمت پر جاہلانہ حملہ کیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حضور مشرکوں اور کافروں کی شفاعت کی۔ حالانکہ مشرکوں کے حق میں دعا کرنا معصیت ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لھم انھم اصحٰب الجحیم وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ۔

پیغمبر علیہ السلام اور باقی مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کافروں کی سزائے جہنم ظاہر ہونے کے بعد کسی مشرک کے حق میں دعا مغفرت مانگیں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اب آذر کے حق میں دعا کرنا ان کے وعدہ ایمان کی وجہ سے تھا۔ پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

قرآن شریف کی یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے کہ مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا معصیت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالےٰ برارت کا ذکر فرما رہا ہے۔ کہ وہ مشرکین سے بیزار تھے۔ اور آذر کے حق میں جو انہوں نے دعا کی وہ اس امید پر کی تھی کہ یہ وعدہ اسلام کو پورا کرے گا۔ اور جب اس نے وعدہ پورا نہ کیا۔ تو اس سے بیزار ہو گئے۔ اب آپ مولوی سرفراز صاحب کو دیکھئے کہ ان کا نہ قرآن

پر ایمان ہے۔ نہ خدا کی بات کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور بیک جنبش قلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مشرکوں کی شفاعت کا جرم ثابت کر کے ان کے دامن عصمت کو داغدار کر رہے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ خدا کیلئے کذب کا امکان ثابت کرنے کیلئے سرفراز صاحب نے کیسے پاپڑ بیلے ہیں اور کس طرح آیاتِ قرآنی کو ہوائے نفسانی سے بازیچۂ اطفال بنالیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کیلئے علی الاعلان معصیت کا ثبوت اپنی کتاب میں چھاپ دیا۔ اور ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے۔

اب ہم آپ کے سامنے اسی آیت کی تفصیل امام رازی کے قلم سے پیش کرتے ہیں۔ واحتج اصحابنا بھذہ الایۃ علی ان ابراھیم علیہ السلام ذکر ھذا الکلام والغرض منہ الشفاعۃ فی حق اصحاب الکبائر من امتہ والدلیل علیہ ان قولہ ومن عصانی فانک غفور رحیم صریح فی طلب المغفرۃ والرحمۃ لاولئک العصاۃ فنقول اُولئک العصاۃ اما ان یکونوا من الکفار اولا یکونوا کذالک (والاول) باطل من وجھین (والاول) انہ علیہ السلام بین فی مقدمۃ ھذہ الایۃ انہ مبرأ عن الکفار وھو قولہ اجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام وایضا قولہ

ہمارے اصحاب اہل سنت نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس مضمون سے اپنی امت کے اصحاب کبائر کی شفاعت کی ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ من عصانی فانک غفور رحیم گنہگاروں کی شفاعت پر صریح نص ہے۔ اب یہ گنہگار یا مومن ہوں گے یا کافر کافر تو ہو نہیں سکتے اولاً اسلئے کہ اس آیت کے شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کفار سے بیزاری کا اظہار فرما چکے ہیں اور وہ یہ قول ہے واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام (مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ)۔ . . . . .

. . . .

فمن تبعنی فانہ منی یدل بمفھومه علیٰ ان من لم یتبعه علیٰ دینه فانهٗ لیس منه ولا یھتم باصلاح مھماته (والثانی) ان الامة مجمعة علیٰ ان الشفاعة فی اسقاط عذاب الکفر غیر جائزة ولما بطل ھذا ثبت ان قوله ومن عصانی فانك غفور رحیم شفاعة فی العصاة الذین لا یکونون من الکفار۔

نیز فمن تبعنی فانہ منی اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو آپ کا تابع نہ ہو وہ آپ سے نہیں اور آپ کو اسکی طلب مغفرت کی ضرورت نہیں ہے۔ ثانیاً اسلئے کہ امت کا اجماع ہے کہ کفر کے عذاب کو ساقط کرنے کے لئے شفاعت کرنا جائز نہیں۔ اور جب یہ شفاعت باطل ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ آپکی دعاء ومن عصانی فانک غفور رحیم امت کے ان گنہگاوں کے حق میں شفاعت ہے جو کافر نہیں ہیں۔

مشہور ہے کہ گرگٹ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں نار نمرود کو بھڑکانے کیلئے پھونکیں مار کر حق عداوت پورا کیا تھا۔ گکھڑ کے سرفراز نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شفاعت مشرکین کی تہمت لگا کر اس تاریخ کو ایک بار پھر دُہرا دیا ہے۔ لیکن نہ اس کی پھونکوں سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کوئی گزند پہنچ سکا۔ اور نہ مولوی سرفراز صاحب کی دشنام طرازی سے آپ کے دامن تقدس پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ بہر حال امکان کذب پر قائم کی ہوئی اس تیسری دلیل کا حال بھی قارئین پر واضح ہوگیا کہ اس دلیل کی بنیاد اس جھوٹ پر رکھی ہے کہ حضرت ابراہیم کی شفاعت مشرکین اور بت پرستوں کیلئے تھی۔ اور ہم نے دلائل سے واشگاف کر دیا کہ یہ دعا عصاۃ مومنین کیلئے تھی۔ بہر حال جھوٹوں کے دامن میں جھوٹ کے سوا دھرا ہی کیا ہے جسے وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکیں۔

سرفراز صاحب کا چوتھا مغالطہ

اللہ تعالیٰ کیلئے کذب قبیح کے امکان کو ثابت کرنے کے لئے سرفراز صاحب کی چوتھی جسارت یہ ہے:۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے:۔

فان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم

اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ اگر تو ان کو بخش دے تو تو زبردست حکمت اور غلبہ والا ہے۔

یہ دعا کن لوگوں کیلئے ہے۔ سرفراز صاحب لکھتے ہیں "یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کو الٰہ بنا کر شرک کیا" چنانچہ چند سطر بعد لکھتے ہیں۔

"سوال یہ ہے کہ جب مشرکوں کی مغفرت ہی نہیں تو پھر مشرکوں کی مغفرت کا کیا سوال ہے؟ (تنقید متین)"

اس تقریر سے بھی سرفراز صاحب کا وہی ناپاک مقصد ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کسی مشرک کے حق میں شفاعت ان کی بخشش کے امکان کو چاہتی ہے اور مشرکین کی بخشش کا امکان کذب کے امکان کو مستلزم ہے اور اس ابلیسی منطق سے وہ لوگوں کے دین وایمان کو لوٹ لینا چاہتے ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے اس آیت کی تشریح مفسرین کی زبان سے سپرد قلم کرتے ہیں۔ جس سے ابنار بدعت کا یہ تار عنکبوت اپنے آپ ٹوٹ جائے گا۔

ملاحظہ ہو امام سیوطی جلالین میں فرماتے ہیں:۔

وان تغفر لھم ای لمن امن منھم

اور اگر تو ان میں سے مسلمانوں کو بخش دے

جلالین کے علاوہ خازن۔ مدارک۔ تفسیر کبیر اور ابو سعود نے بھی اس جواب پر اعتماد کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے مغفرت کی یہ دعا

اپنی امت کے مسلمانوں کے لئے کی تھی نہ کہ کفار و مشرکین کیلئے جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی جہالت اور رسول دشمنی سے سمجھا ہے۔ اس جواب کے علاوہ بھی مفسرین کرام نے اس کے جوابات دیئے ہیں۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس امر کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض کر دیا کہ جو ان میں تائب ہو چکے ہیں۔ ان کی بخشش فرمادے اور جنہوں نے توبہ نہیں کی ان کو عذاب دے (تفسیر کبیر و خازن)

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان قیامت میں نہ تھا بلکہ رفع الی السماء کے وقت تھا کہ اے اللہ اگر ان لوگوں کو تو کفر پر باقی رکھے اور انہیں عذاب دے، تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو کفر کی ظلمت سے نکال کر تو وہ ایمان کی طرف سے لے آئے تو تو زبردست حکمت والا (خازن و کبیر)

ان تین جوابوں کے علاوہ مفسرین کرام نے اس سوال کا ایک اور جواب بھی دیا ہے۔ اور اس جواب سے ممکن ہے کہ مکذبین کو کوئی غلط فہمی پیدا ہو۔ اسلئے ہم اس جواب کو ذکر کر کے اس کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں :۔

ملاحظہ فرمائیے۔ خازن جلد ا صـ ۵۰۲ پر ہے۔

یجوز فی حکمته وسعته ومغفرته ان یغفر الکفار لکنه تعالی اخبر انه لا یفعل ذالك بقوله ان الله لا یغفر ان یشرك به۔	اللہ تعالیٰ کی حکمت وسعت اور مغفرت سے جائز ہے کہ وہ کفار کی مغفرت فرمائے لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کریگا کیونکہ اس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو نہیں بخشے گا۔

اس جواب کا مفاد یہ ہے کہ کفار کی مغفرت ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور جس غیر کی وجہ سے کفار کی مغفرت ممتنع ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ اللہ لا یغفر ان یشرك به کا کذب ہے۔ جو کہ محال بالذات ہے۔ اس موقعہ پر

مکذبین کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ممکن محال کو مستلزم نہیں ہوتا بلکہ ممکن جس کو مستلزم ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے پس جبکہ مغفرت کفار کذب واجب کو مستلزم ہے اور مغفرت کفار ممکن ہے۔ تو کذب واجب بھی ممکن ہوگا۔ الجواب مذکورہ بالا قاعدہ ہمیں تسلیم نہیں ہے۔ ورنہ اس قاعدہ سے عدم واجب لازم آجائیگا کیونکہ۔ جمہور متکلمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات ممکن اور جائز العدم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ سے بالایجاب صادر ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی ذات ان کیلئے علت تامہ ہے پس صفات کا عدم عدم واجب کو مستلزم ہوگا۔ اور صفات کا عدم چونکہ ممکن ہے۔ لہذا لازم آئیگا کہ عدم واجب ممکن ہو۔ حالانکہ وہ محال بالذات ہے۔ ثانیاً نقض تفصیلی اور اسکی تقریر یہ ہے کہ ہر ممکن جس کو مستلزم ہو وہ ممکن نہیں ہوتا۔ کہ وہ ممکن ممکن کو مستلزم ہوتا ہے جو ممتنع بالغیر نہ ہو۔ بخلاف ما نحن فیہ کے۔ کیونکہ یہاں مغفرت کفار بھی ممتنع بالغیر ہے۔ اور عدم صفات بھی۔ پس جس طرح عدم صفات ممتنع بالغیر ہے اور جو غیر اس کو ممتنع کر رہا ہے۔ وہ عدم واجب ہے۔ جو کہ ممتنع بالذات ہے۔ اسی طرح مغفرت کفار بھی ممتنع بالغیر ہے۔ اور جو غیر اس کو ممتنع کر رہا ہے وہ کذب واجب ہے۔ اور ممتنع بالغیر کا تحت قدرت نہ ہونا عجز کو مستلزم نہیں ہوتا۔ خیالی ص۶۷ پر ہے۔

ان عدم القدرة بناءً علی الامتناع بالغیر لیس بعجز۔	عدم قدرت بر بناء امتناع غیر عجز نہیں ہے۔

سرفراز صاحب کا پانچواں اور چھٹا مغالطہ

سرفراز صاحب نے امکان کذب ثابت کرنے میں پانچویں اور چھٹی سعی یہ کی ہے ص۱۷۱ حضرت ابی بن کعب سے روائیت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لو ان اللہ عذب اھل سمواتہ واھل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم ولو رحمھم کانت رحمتہ خیرا لھم من اعمالھم

اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوق کو عذاب دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اس کا اس میں کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر وہ ان پر اپنی رحمت کرے تو اسکی رحمت ان کیلئے ان کے اعمال سے بھی بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو یواخذنی اللہ وابن مریم بما جنت ھاتان یعنی الابھام والتی تلیھا لعذبنا ثم لم یظلمنا شیئا

اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی لغزش کے بدلے پکڑنا چاہے تو ہمیں سزا دے سکتا ہے۔ پھر بھی ہم پر اس کا کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

ان دونوں دلیلوں کا مرکزی نقطہ ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو عذاب دینے پر قدرت رکھتا ہے اور ان کو عذاب دینا خلاف وعدہ ہے اور خلاف وعدہ کذب ہے۔ پس خلاف وعدہ کے امکان سے کذب کا امکان ثابت ہوگیا۔

الجواب۔ اولاً گذارش یہ ہے کہ اس دلیل کا مبنی تعذیب صالحین ہے اور وہ شوافع اور اشاعرہ کا مسلک ہے۔ احناف اور ماتریدیہ کا مسلک یہ ہے کہ تعذیب صالحین محال ہے۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق ابن ہمام حنفی مسایرہ میں یہی فرماتے ہیں

واعلم ان الحنفیۃ لما استحالوا علیہ تعالیٰ تکلیف مالا یطاق فھم لتعذیب المحسن الذی استغرق عمرہ فی الطاعۃ مخالفا ھوی نفسہ فی رضاء مولاہ امنع بمعنی انہ تعالیٰ

یاد رکھو کہ جب احناف کے نزدیک تکلیف مالا یطاق محال ہے تو ان کے نزدیک ان صالحین کی تعذیب جن کی عمر اطاعت میں بسر ہوئی بطریق اولیٰ محال ہے اس معنے میں کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت

عن ذالك فهو من باب التنزیہات اذا التسویۃ بین المسئی والمحسن غیر لائق بالحکمۃ فی فطرۃ سائر العقول وقد نص اللہ تعالیٰ علی قبحہ حیث قال ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلهم کالذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون فجعلہ سیئا سپارہ ۲۵ ص ۲۰۳

بلند ہے۔پس یہ تنزیہات کے باب سے ہے۔کیونکہ صالح اور غیر صالح کو برابر قرار دینا تمام عقول کی فطرتوں سے بعید ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس کے قبیح ہونے پر نص صریح قائم کی جس مقام پر فرمایا کہ کیا فساق نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم ان کو صالحین کے برابر کرینگے کہ انکی زندگی اور موت برابر ہوجائے اور یہ قبیح حکم ہے پس اس آیت میں اللہ نے اس برابری کو قبیح فرمایا ہے

محقق ابن ہمام کے اس کلام سے ظاہر ہوگیا کہ احناف کے نزدیک تعذیب صالحین محال بالذات ہے لہٰذا سرفراز صاحب کا کلام ہم احناف پر حجت نہیں ہے۔ثانیاً علی التنزل ہم اشاعرہ اور شوافع کے مذہب پر جواب دیتے ہیں کہ تعذیب صالحین ممکن ماننے سے کذب کا امکان لازم نہیں آتا۔کیونکہ ان کے نزدیک بھی تعذیب صالحین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے صرف نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو بندوں کا استحقاق ثواب ثابت نہیں ہوتا۔اور اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ثواب کا وعدہ نہ فرمالیا ہوتا تو اگر وہ سارے جہان کو بھی عذاب دیتا تو مالک تھا۔اور یہ اس کا ظلم نہ ہوتا۔لیکن اب جبکہ اس نے اپنے فضل سے وعدہ فرمالیا۔تو جن سے اس نے وعدہ فرمایا ان سے لازماً وعدہ پورا فرمائیگا۔اور تخلف محال ہے۔لیکن یہ وجوب وعدہ کی جہت سے ہے نہ استحقاق عباد کی جہت سے۔اور یہی اہل سنت اور معتزلہ کا مابہ الامتیاز ہے کہ وہ وجوب ثواب بندے کے عمل کی وجہ سے سمجھتے ہیں اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے اپنے اوپر مطیع کے ثواب کو لازم کرلیا۔پس

جب اس نے وعدہ فرمالیا ہے تو اس میں تخلف کو راہ نہیں ۔ حتیٰ کہ کذب قبیح لازم آئے ثالثاً یہ کہ ان حدیثوں اور اس قسم کے اقوال کا مفاد یہ ہے ۔ کہ مغفرت کفار اور عذاب انبیاء ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے ۔ اور جو غیر اس کو ممتنع کر رہا ہے وہ اللہ تعالےٰ کا کذب ہے جو کہ محال بالذات ہے ۔ اور اس کی مفصل تقریر ہم اُوپر کر چکے ہیں ۔ رابعاً یہ کہ جن احادیث کا مفاد یہ ہے کہ صالحین کی تعذیب پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور تعذیب صالحین ممکن ہے ۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ آیات وعد سے قطع نظر انکی تعذیب ممکن ہے یعنی لا بشرط شئی کے مرتبے میں تعذیب صالحین ممکن ہے اور آیاتِ وعد کا لحاظ کرنے کے بعد بشرط الشئی کے مرتبہ میں تعذیب صالحین محال ہے ۔ خلاصۃ المرام یہ کہ تعذیب صالحین ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے ۔ اور جو غیر اس کے امتناع کا سبب ہے وہ کذب واجب ہے ۔ جو کہ ممتنع بالذات ہے ۔

سرفراز صاحب کا ساتواں آٹھواں اور نواں مغالطہ

سرفراز صاحب نے ساتویں ۔ آٹھویں اور نویں دلیلیں جو امکان کذب پر قائم کی ہیں ان سب کا مضمون واحد ہے جن میں انہوں نے امام نووی ۔ تاج الدین سبکی اور امام رازی کے اقوال پیش کئے ہیں کہ اہلسنت کے نزدیک طاعت پر ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عاصی کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے نہ اس پر ثواب واجب ہے اور نہ عذاب واجب ہے ۔

جواب ۔ یہ ٹھیک ہے کہ ثواب نہ فی نفسہٖ واجب ہے نہ بندہ کے عمل سے واجب ہوتا ہے ۔ اور وہ محض اللہ تعالےٰ کے فضل سے ملتا ہے ۔ لیکن اس میں ہمارا کلام نہیں گفتگو اس میں ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے ثواب کا وعدہ فرمالیا تو اب ثواب واجب ہے یا نہیں ۔ اور ہم پہلے دلائل سے ثابت

کر چکے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا تو ثواب واجب ہے اور تخلف محال ہے۔

دسواں مغالطہ سرفراز صاحب تنقید متین صـ۱۸۲ پر امکان کذب کی دسویں دلیل میں لکھتے ہیں ـــــ کتب عقائد میں بھی اس مسئلہ پر خاصی بحث موجود ہے اور امکان کے لفظ سے بحث اور اس کا داخل تحت القدرت باری تعالیٰ ہونا اہلسنت کا مسلک اور اس پر قدرت نہ ہونا معتزلہ کا مسلک ذیل کی کتابوں میں الصراحت ہے (المسائرہ مع المسامرہ جلد ۲ صـ۶۵ طبع مصر و شرح مواقف صـ۶۰۹ طبع نولکشور وغیرہ)

الجواب: مسائرہ جلد ۲ صـ۶۵ پر ایسی کوئی عبارت نہیں۔ بلکہ مسائرہ سرے سے جلد اول و دوم پر منقسم بھی نہیں سرفراز صاحب کو ابن ہمام کی عبارت پیش کرنی چاہیئے تھی، صدر الافاضل پر تو برہم تھے کہ انہوں نے مجمل حوالہ پیش کیا ہے، آپنے تو مجمل حوالہ بھی پیش نہیں کیا بہرحال آپ کی طرف سے ہم آپ کی تقریر کر کے اس کا حساب کئے دیتے ہیں۔ اب ہم ناظرین کے سامنے پہلے مسائرہ سے محقق ابن ہمام کی عبارت پیش کرتے ہیں جس پر مولوی سرفراز صاحب نے اپنے مسلک کی عبارت قائم کی ہے۔ ملاحظہ ہو، ابن ہمام فرماتے ہیں۔ ثم قال ای صاحب العمدۃ لا یوصف تعالیٰ القدرۃ علی الظلم والسفہ والکذب لان المحال لا یدخل تحت القدرۃ وعند المعتزلہ یقدر ولا یفعل اھ ولا شک فی ان سلب القدرۃ عما ذکر ھو مذھب المعتزلۃ ثم الامتناع عن متعلقھا فمذھب الاشاعرۃ الیق (مسائرہ مع شرح مسامرہ صـ۲۰۹)

علامہ نسفی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کذب جہل اور ظلم پر قادر ہونے سے موصوف نہیں ہوتا کیونکہ محال اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل نہیں ہے اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ محال پر قادر ہے اور کرتا نہیں۔ اس پر ابن ہمام نے کہا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مذکورہ امور پر قدرت نہ ماننا معتزلہ کا مذہب ہے اور ان امور پر قدرت کے باوجود انہیں نہ کرنا یہ اشاعرہ کے مسلک کے مناسب ہے۔

یہ ہے وہ عبارت جسکے پیش نظر مولوی سرفراز صاحب نے یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ محقق کمال ابن ہمام نے اس پر تصریح کی ہے کہ امکانِ کذب اہلسنت اور امتناع کذب معتزلہ کا مسلک ہے۔ گمراہی کی سب سے بڑی جڑ یہ ہے کہ سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے کسی عبارت کا مفہوم متعین کر لیا جائے۔ محقق ابن ہمام نے اس عبارت میں علامہ نسفی پر جرح کی ہے۔ اپنا یا اہلسنت کا مسلک بیان نہیں کیا۔ کتاب کے اخیر میں انہوں نے اہلسنت کا مسلک بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ مسائرہ مع شرح مسامرہ صـ۲۰۹ پر فرماتے ہیں کہ "والختم الکتاب بایضاح عقیدۃ اہل السنت والجماعت (اب ہم کتاب کو اہل سنت کے عقائد

بیان کرنے کے بعد ختم کرتے ہیں، پھر ص۲۹۳ پر مسلک اہلسنت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یستحیل علیہ سمات النقص کالجھلہ والکذب	اللہ تعالیٰ پر صفات نقص محال ہیں جیسے جہل اور کذب

اب ناظرین نے ملاحظہ فرما لیا ہوگا کہ اہلسنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات ہے اور یہی ابن ہمام کا مسلک ہے اور ص۲۰۹ پر محقق ابن ہمام نے جو کلام کیا ہے اسکی حقیقت علامہ نسفی پر جرح کے سوا اور کچھ نہیں جس کی توضیح ہم ابھی ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں:۔

محقق ابن ہمام نے علامہ نسفی پر دو اعتراض کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ علامہ نسفی نے امکان کذب کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب ممتنع بالذات ہے حقیقت یہ ہے کہ اکثر معتزلہ کا مذہب امتناع کذب ہی ہے، جیسا کہ محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے لیکن بعض معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ کذب اور ظلم اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے۔ لیکن ان کا ارتکاب نہیں کرتا۔ ملاحظہ فرمایئے صاحب مواقف نے بعض معتزلہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

ذھب المعتزلہ قال اللہ تعالیٰ حتی ان یکذب ویظلم قادرا (شرح مواقف ص۶۲۵)	مذہب معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے اور ظلم پر قادر ہے،

اور امام رازی تفسیر کبیر میں ان اللہ لیس بظلام للعبید کے تحت فرماتے ہیں

قالت المعتزلہ ھذہ الآیۃ تدل علی مطالب الثالث انہ سبحانہ تمدح بانہ لا یفعل الظلم فوجب ان یکون قادرا علیہ خلاف ما یقولہ النظام وان یصح ذلک منہ خلاف ما یقولہ اھل السنت (تفسیر کبیر ص۱۳۷ جلد ۲۶)	معتزلہ نے کہا کہ یہ آیت کئی مطالبہ پر دلالت کرتی ہے از انجملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عدم ظلم سے مدح فرمائی پس واجب ہوا کہ اسے ظلم پر قدرت ہو بخلاف مذہب نظام کے اور واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ظلم ممکن ہو بخلاف مذہب اہلسنت کے۔

منقولہ بالا دو حوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بعض معتزلہ اللہ تعالیٰ کیلئے کذب اور ظلم پر قدرت کے قائل تھے اور نسفی نے جن معتزلہ کا مذہب بیان فرمایا ہے وہ یہی معتزلہ ہیں۔ اور اس بیان کی صحت میں کچھ شک نہیں۔ لیکن اکثر معتزلہ کا مذہب چونکہ اسکے خلاف تھا اسلئے محقق ابن ہمام نے علامہ نسفی پر اعتراض کیا کہ مطلقاً معتزلہ کی طرف قدرت علی الظلم

والکذب کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ نسفی کی عبارت پر دوسرا اعتراض محقق ابن ہمام نے یہ کیا کہ قدرت علی الکذب والظلم اشاعرہ کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے اور اسی عبارت سے سرفراز صاحب نے یہ دھوکا کیا ہے کہ اشاعرہ اہلسنت کا مسلک اس باب میں قدرت علی الکذب ہے لیکن اہل فہم حضرات پر مخفی نہیں کہ محقق ابن ہمام نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اشاعرہ کے بارے میں انکی رائے اور اجتہاد ہے، نہ یہ کہ انہوں نے اشاعرہ کا مذہب نقل کیا ہے۔ دیکھئے علامہ ابی شریف اشعری مسامرہ شرح مسایرہ ص۲۰۶ پر تحریر فرماتے

ثم لا خلاف بين الاشعرية وغيرهم في ان كل ما كان وصف نقص في حق العباد فالبارى تعالى منزه عنه وهو محال عليه تعالى والكذب وصف نقص في حق العباد فهو مستحيل في حقه عز وجل (ملخصاً)

اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر وہ وصف جو بندوں کے حق میں نقص ہو وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے، اور کذب وصف نقص ہے پس وہ اللہ عزوجل کے حق میں محال ہے۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اہلسنت قدرت علی الکذب کے نہیں بلکہ استحالہ کذب کے قائل ہیں اور محقق ابن ہمام نے اشاعرہ کی طرف قدرت علی الکذب کو اسلئے منسوب کیا ہے کہ اشاعرہ تعذیب مطیع کامل کو ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر قرار دیتے ہیں پس اس وجہ سے محقق ابن ہمام نے قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ اشاعرہ کے نزدیک کذب بھی ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہونا چاہیئے حالانکہ قیاس کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ تعذیب مطیع جس غیر کی وجہ سے ممتنع ہے وہ کذب باری ہے پس کذب باری ممتنع بالذات ہوا۔ اور تعذیب مطیع ممتنع بالغیر۔ ثانیاً یہ کہ بعض اشاعرہ نے حسن و قبح عقلی میں محل نزاع سے غفلت کی بنا پر کہا کہ استحالہ کذب صرف رائے معتزلہ پر تام ہے، ابن ہمام اسکا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حتى قال بعضهم ونعوذ بالله مما قال لا يتم استحالة النقص عليه الا على رأي المعتزلة القائلين بالقبح العقلي وقال امام الحرمين لا يمكن التمسك في تنزيه الرب جل جلاله عن الكذب بكونه نقصا وكل هذا منهم للغفلة عن محل النزاع (مسایرہ مع مسامرہ ص۲۰۵)

یہاں تک کہ بعض اشاعرہ نے کہا (اور ہم ان کے قول سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں) کہ استحالہ نقص صرف رائے معتزلہ پر تام ہوتا ہے جو قبح عقلی کے قائل ہیں اور امام الحرمین نے کہا اللہ عزوجل کی تنزیہ عن الکذب پر نقص عقلی سے استدلال نہیں ہو سکتا اور یہ تمام اقوال محل نزاع سے غفلت پر مبنی ہیں۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ محقق ابن ہمام کے نزدیک اکثر اور محققین اشاعرہ کا یہی مسلک ہے کہ

کذب محال عقلی ہے۔ البتہ بعض اشاعرہ نے محل نزاع سے غفلت کی بنا پر یہ کہا کہ استحالہ کذب نقص عقلی پر مبنی ہے اور وہ معتزلہ کا مسلک ہے۔ اس سے محقق کمال ابن ہمام نے یہ استنباط کیا کہ بعض اشاعرہ قدرت علی الکذب کے قائل ہیں اور ہمارے نزدیک یہ استنباط صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان بعض اشاعرہ نے استحالہ کذب کی دلیل یعنی نقص عقلی کا انکار کیا اور اہل فہم پر مخفی نہیں کہ دلیل کے انکار سے مدلول انکار نہیں ہوتا

فائدہ۔ حسن عقلی اور قبح عقلی کے تین معنی ہیں (۱) حسن عقلی بمعنی صفت کمال جیسے صدق قبح عقلی بمعنی صفت نقصان جیسے کذب (۲) حسن عقلی بمعنی مناسب غرض فاعل قبح عقلی بمعنی منافی غرض فاعل حسن اور قبح کہ ان دو معنوں میں ماتریدیہ اشاعرہ معتزلہ سب متفق ہیں کہ ان معنوں میں حسن اور قبح کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ کذب کا قبیح عقلی ہونا ماتریدیہ اشاعرہ معتزلہ سب کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے (۳) حسن بمعنی استحقاق المدح فی الدنیا والثواب فی الآخرہ قبح بمعنی استحقاق الذم فی الدنیا والعقاب فی الآخرہ۔ یہ تیسرا معنی مختلف فیہ ہے اشاعرہ کے نزدیک اس معنی میں حسن و قبح شرعی ہے یعنی عقل حسن و قبح کے اس معنی کے ادراک کرنے میں مستقل نہیں ہے۔ اور ماتریدیہ اور معتزلہ کے نزدیک اس معنی میں بھی بعض افعال کا حسن و قبح عقلی ہے۔ یعنی عقل ان کے حسن و قبح کا ادراک کرنے میں مستقل ہے۔ جیسے حسن ایمان اور قبح کفر دیکھئے مسائرہ مع مسامرہ ص ۱۷۱ شرح مواقف ص ۲۴۲۔ فواتح الرحموت ص ۱۳ اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان حسن و قبح کا مابہ النزاع تیسرا معنی ہے نہ کہ پہلا معنی لیکن بعض اشاعرہ نے محل نزاع سے غفلت کی بنا پر یہ سمجھا کہ قبح کا پہلا معنی قبح بمعنی صفت نقصان۔ اس کا عقلی ہونا معتزلہ پر ہے۔ لہذا کذب کا استحالہ اس پر مبنی کرنا رائے معتزلہ پر ہے لیکن یہ نہ سمجھا کہ قبح بمعنی صفت نقصان کا عقلی ہونا مذہب اشاعرہ پر بھی ہے۔ پس قبح عقلی کو استحالہ کذب کا مبنی قرار دینا ایک متفق مسئلہ ہے۔ فللہ الحمد۔

ایک اور مغالطہ

مبتدعین دیوبند عموماً یہ کہتے ہیں کہ کسی صفت کا سلب اس وقت کمال ہوتا ہے جب اس کا ثبوت ممکن ہو پس جھوٹ نہ بولنا اس وقت کمال ہوگا جب اس کا ثبوت ممکن ہو اور اللہ تعالیٰ تو جامع صفات کمالیہ ہے پس اس کا کذب ممکن ہو گیا۔ اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صدق ہے ومن اصدق من اللہ قیلا ۔ عدم کذب اس کی صفت نہیں۔ حتی کہ یہ رکیک اعتراض لازم آئے۔ البتہ عدم کذب صدق کو لازم ہے اور آپ نے قاعدہ صفت کا بیان کیا ہے۔ لازم صفت کا نہیں۔ ثانیاً اس

قاعدہ کی بناء پر لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ کی ہلاکت اور اس کا معدوم ہونا بھی ممکن اور مقدور ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو عدم ہلاکت سے موصوف کیا ہے۔ کل شیئ ھالك الا وجھه اور آپ کے بیان کردہ قاعدہ کی بناء پر عدم ہلاکت کمال تب ہوگی جب ہلاکت ممکن اور مقدور ہو اور جب اللہ تعالیٰ کی ہلاکت ممکن ہوتی تو اس کا وجود ممکن ہو گیا۔ اور جس کا وجود ممکن ہو وہ آپ کا خدا ہوگا۔ مسلمانوں کا نہیں ہے۔ ثالثاً کسی وصف کو باوجود مقدور ہونے کے نہ کرنا کمال اس کے لئے ہوتا ہے جس کے لئے وہ وصف ممکن ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے چونکہ کذب ممکن ہی نہیں۔ کما ثبت بالبراہین القاطعہ۔ اس لئے یہ قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔

دیکھئے علامہ قاسم بن قطلوبغا شرح مسایرہ میں اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

قلنا من یجوز منه وقوع تلك الامور فاستناؤہ مع القدرۃ ابلغ لکن الباری لا یجوز منه الوقوع فلا یجوز وصفه بالقدرۃ علیه (شرح المسایرہ مع المسامرہ ص۲۱۱)

میں کہتا ہوں کہ جس سے کذب ظلم اور جہل کا وقوع جائز ہو اس کے لئے ان امور کو باوجود قدرت کے نہ کرنا زیادہ کمال کا موجب ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے تو یہ امور ممکن ہی نہیں پس اللہ تعالیٰ کو ان امور پر قادر ہونے سے موصوف کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

شرح مواقف کی عبارت

سرفراز صاحب نے شرح مواقف ص۷۰۹ کا حوالہ تو دیدیا لیکن اس کی بھی عبارت پیش نہیں کی۔ بہر حال ہم ان کی طرف سے عبارت پیش کرکے اسکا حساب بیباق کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ میر سید شریف شرح مواقف ص۷۰۹ پر اس بحث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ "معتزلہ کے نزدیک عصاۃ کو عقاب دینا واجب ہے

ورنہ کذب لازم آئے گا۔ اہلسنت نے جواباً کہا کہ غایۃ الامر یہ ہے کہ عقاب کا وقوع ہوا اور وقوعہ عقاب بلا وجوب سے کذب اور خلف لازم نہیں آتا۔ اس پر میر شریف نے اعتراض کیا کہ اگر عقاب واجب نہ ہو تو یہ بھی جائز ہوگا کہ عقاب واقع نہ ہو اور عدم وقوع عقاب کا امکان خلف اور کذب کے امکان کو مستلزم ہے اور کذب اور خلف محال ہے پس اس کے جواب میں میر شریف نے کہا۔

استحالتہ ممنوعۃ کیف وھما من الممکنات التی یشملھا قدرتہ تعالیٰ۔

کذب کا محال ہونا ممنوع ہے کیونکہ کذب اور خلف ان ممکنات میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے۔

الجواب۔ اولاً گذارش یہ ہے کہ میر سید شریف کی یہ عبارت محل تاویل میں ہے۔ اور اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے مردود ہے چنانچہ علامہ جلال الدین دوانی نے شرح عقائد جلالی میں اسکو رد کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

واعترض علیہ الشریف العلامۃ بانہ حینئذٍ یلزم جوازھما وھو محال لان امکان المحال محال واجاب عنہ بان استحالتھما ممنوع کیف وھما من الممکنات التی یشملھا قدرۃ اللہ تعالیٰ قلت الکذب نقص والنقص علیہ محال فلا یکون من الممکنات ولا یشملھا القدرۃ وھذا کما لا یشملہ القدرۃ سائر وجوہ النقص علیہ تعالیٰ کالجھل والعجز ونفی صفۃ الکلام وغیرھا (شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۶۲)

علامہ شریف نے اعتراض کیا کہ عدم وجوب عقاب اور امکان عفو کی تقدیر پر کذب کا امکان لازم آئیگا اور وہ محال ہے۔ پھر خود جواب دیا کہ کذب کا استحالہ ممنوع ہے کیونکہ کذب اور خلف ان ممکنات میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے میں کہتا ہوں کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے پس نہ تو یہ ممکن ہے نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل ہے جس طرح باقی وجوہ نقص کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل نہیں ہے۔

بہر کیف اپنے ظاہری محمل کے اعتبار سے سید شریف جرجانی کی یہ عبارت مردود ہے۔ علامہ جلال الدین دوانی کے علاوہ اور علماء و شارحین نے بھی اس کو رد کیا ہے۔ طوالت کی وجہ سے ہم نے اسی قدر پر اکتفا کیا ہے۔ ثانیاً یہی سید شریف جرجانی شرح مواقف ص ۲۸۸ پر لکھتے ہیں۔" انبیاء کرام کا صدق واجب ہے"

نوٹ شریف جرجانی کی عبارت کو ہم نے قوسین میں ذکر کیا ہے باقی صاحب مواقف کی عبارت ہے)۔

اجمع (اھل الملل) والشرائع (وکلھا) علی وجوب عصمتھم عن تعمد الکذب فیما دلت المعجزۃ (القاطع علی صدقھم فیہ) کدعوی الرسالۃ (وما یبلغونہ من اللہ (الی الخلائق اذلو جاز علیھم التقول والافتراء فی ذالک عقلاً لادی الی ابطال المعجزۃ وھو محال۔

تمام ادیان اور شرائع کا اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاء کی امور تبلیغیہ میں تعمد کذب سے عصمت واجب ہے کیونکہ اگر امور تبلیغیہ میں ان پر افترا اور کذب عقلاً جائز ہو تو دلالت معجزہ باطل ہو جائے گی اور یہ محال ہے۔

اگر میر سید شریف کی ان دونوں عبارتوں کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو ان کا مفاد یہ ہوگا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کا کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا صدق واجب اللہ تعالیٰ کا صدق ممکن ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن اصدق من اللہ قیلا (اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی سچا نہیں ہے) اور واضح ہے کہ کوئی ہوشمند بھی اس منطق کو قبول نہیں کریگا۔ ثالثاً سید شریف جرجانی نے اپنی اس عبارت میں تصریح قائم کی ہے کہ امور تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام کا کذب ممتنع بالذات ہے۔

اور امور تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کا کلام نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہوتا ہے۔ پس امور تبلیغیہ میں کذب کا ممتنع بالذات ہونا بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے کذب کا ممتنع بالذات ہوتا ہے پس سید شریف جرجانی کا یہ کلام اس مفہوم میں صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے اور ص۳۰۹ پر جو سید شریف نے کلام ذکر کیا ہے۔ اگر اس کا مفہوم ظاہری لیا جائے کہ اللہ تعالےٰ کا کذب ممکن ہے، تو ان کے کلام میں صریح تناقض موجود ہے اور کلام تناقض سے استدلال کرنا باطل ہے۔ لہٰذا جب یہ ثابت ہو گیا کہ سید شریف جرجانی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممتنع بالذات ہے تو پھر ان کے ص۳۰۹ کے کلام میں توجیہہ کی جائیگی اور وہ یہ ہے۔ کہ اس کذب اور خلف سے ظاہری اور صوری طور پر کذب اور خلف مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت ابراہیم کی طرف ظاہری اور صوری طور پر کذب کی نسبت کی گئی۔ اور حقیقت میں وہ کذب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ عصاۃ کو معاف فرمائے تو یہ ظاہری اور صوری کذب ہے۔ حقیقت میں یہ خلف اور کذب نہیں ہے۔ کیونکہ آیات وعید مشیت یا عدم عفو وغیرہ کے ساتھ مقید ہیں کما مرّ۔ تفصیلاً۔ خامساً اگر یہاں خلف اور کذب سے ظاہری اور صوری کذب مراد نہ لیا جائے۔ بلکہ حقیقت کذب کا ارادہ کیا جائے۔ تو میر سید شریف جرجانی کے نزدیک کذب کا فقط امکان ہی نہیں بلکہ فعلیت اور وقوع کذب ثابت ہو جائیگا۔ کیونکہ خلف اور کذب عفو سے لازم آ رہا ہے اور عفو یقیناً واقع ہو گا۔ پس لازم آئے گا کہ کذب بھی یقیناً واقع ہو۔ تعالی اللہ عن ذالك علواً کبیراً۔ سادساً خلف اور کذب سے مراد یہاں حکایت کا مرتبہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا محکی عنہ ہے یعنی اللہ تعالےٰ کا عصاۃ کو واقع میں بخش دینا اور یہ بلا شبہ مقدور ہے بلکہ یقیناً واقع ہو گا اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ کلام اور گفتگو عصاۃ کی مغفرت اور عدم مغفرت میں ہے اور مغفرت

اور عدم مغفرت درجہ محکی عنہ میں ہے۔ نہ کہ حکایت میں اور صدق اور کذب حکایت کی صفت ہے نہ کہ محکی عنہ کی رہا یہ وہم کہ عصاۃ کی مغفرت سے کذب لازم آئیگا۔ تو اس کا جواب کئی مرتبہ واضح ہو چکا ہے۔ کہ چونکہ آیات وعید عدم عفو سے مقید ہیں، اسلئے کذب کی راہ نہیں۔ سابعًا یہ کہ یہ کلام مزعوم معتزلہ پر ہے۔ کیونکہ معتزلہ کا زعم یہ ہے کہ عصاۃ کی مغفرت سے کذب لازم آتا ہے اور اہلسنت کے نزدیک یہ کذب ہے ہی نہیں۔ کیونکہ یہ آیات وعید عدم عفو سے مقید ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عفو عصاۃ معتزلہ کے زعم پر کذب ہے تو علامہ شریف کے کلام کا حاصل یہ ہے۔ جو معتزلہ کا مزعوم کذب ہے (یعنی عفو عصاۃ) وہ ممکن ہے، نہ کہ فی نفسہٖ کذب باری ممکن ہے۔ کیونکہ اسی شرح مواقف میں علامہ شریف نے متعدد مقامات پر استحالہ کذب کی تصریح کی ہے۔ ثامنًا یہ کہ شرح مواقف میں صفحہ ۴۶ پر فرق ضالہ کے مذہب کے بیان میں کہا ہے (والراھب المعتزلہ) قال اللہ تعالیٰ قادر علی ان یکذب ویظلم (ولو فعل لکان الٰھًا کاذبًا ظالمًا تعالیٰ عنہ علوًا کبیرًا) راہب معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور کذب پر قادر ہے میر سید شریف ان کے رد میں فرماتے ہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جھوٹا اور ظالم خدا ہوتا۔ تعالی اللہ عن ذالک شرح مواقف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے پس سید شریف نے معتزلہ پر حجت قائم کرنے کیلئے ان بعض معتزلہ کے مذہب پر کہا کہ کذب ممکن ہے یعنی اگر عفو سے امکان کذب لازم آتا ہے تو معتزلہ کے مذہب پر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک کذب ممکن ہے۔ نہ یہ کہ فی نفسہٖ کذب باری ممکن ہے۔ تاسعًا یہ کہ مذکورہ عبارت میں میر سید شریف نے قدرت علی الکذب پر رد کیا ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ میر خود بھی قدرت علی الکذب کے قائل ہیں تو انکا

یہ رد خود اپنے اوپر وارد ہوگا ھل ھذا الا تہافت عاشراً یہ کہ شرح مواقف صفحہ ۷۶۴ پر فرقہ ناجیہ کے مذہب کے بیان میں ہے۔

ولا یصح علیہ الحرکۃ ولا الانتقال ولا الجھل ولا الکذب ولا شئی من صفات النقص خلافاً لمن جوزھا علیہ کما تقدم

اللہ تعالٰی پر نہ حرکت جائز ہے نہ انتقال نہ جہل نہ کذب اور نہ کوئی اور صفت نقصان بخلاف اس شخص کے جو انہیں اللہ تعالٰی پر جائز رکھتا ہے۔

شرح مواقف کی اس عبارت میں کذب باری کی صحت اور جواز کی صراحتاً نفی کی ہے۔ اور اس کو فرقہ ناجیہ کا مسلک قرار دیا ہے اور اس کے خلاف کو غیر ناجیہ کا مسلک ٹھیرایا ہے پس ثابت ہوگیا کہ میر سید شریف کے نزدیک کذب باری کے امکان کا عقیدہ ضلالت ہے اور نجات امتناع کذب باری کے عقیدہ میں ہے۔ فلہٰذا ان کی سابقہ عبارت کا محمل اس کے سوا کچھ نہیں۔ جیسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ حادی عشر۔ سرفراز صاحب نے تنقید متین صفحہ ۱۸۲ پر یہ دعوٰی کیا تھا کہ شرح مواقف صفحہ ۷۰۹ پر یہ تصریح موجود ہے کہ امکان کذب اہلسنت کا اور امتناع کذب معتزلہ کا مسلک ہے۔ ہم نے ناظرین کی عدالت میں شرح مواقف صفحہ ۷۰۹ کی عبارت پیش کر دی اور آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ اس عبارت میں اس تصریح کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہم نے شرح مواقف صفحہ ۷۲۹ کی عبارت پیش کی ہے۔ جس میں تصریح موجود ہے کہ امکان کذب بعض معتزلہ کا مسلک ہے اور صفحہ ۷۶۴ سے عبارت پیش کی ہے۔ جس میں تصریح ہے کہ فرقہ ناجیہ کا مسلک امتناع کذب ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔ کاش مبتدعین دیوبند کی آنکھیں کھل جائیں اور انہیں ہوش آجائے۔ ویسے سرفراز صاحب کی بلاغت قابل داد ہے کہ انہوں نے کذب باری کا امکان ثابت کرنے کیلئے کاذب حوالہ فراہم کیا۔ اور جھوٹ کو جھوٹ سے ثابت کرنے کا فن ایجاد کر دیا۔ ثانی عشر۔ میر سید شریف

نے یہاں اصول معتزلہ پر کلام کر کے انہیں جواب دیا ہے۔ جواب سے قبل معتزلہ کے مذہب کا بیان کرنا ضروری ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ معتزلہ اور اہل سنت دونوں کا اس میں اتفاق ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن اہل سنت کے نزدیک کلام دو قسم پر ہے۔ کلام نفسی اور کلام لفظی اور یہ دو اللہ تعالےٰ کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور دونوں صفات قدیم اور غیر مخلوق ہیں اور معتزلہ کلام نفسی کے سرے سے منکر ہیں اور کلام لفظی کو اللہ تعالےٰ کی صفت کو مانتے ہیں لیکن اسکی ذات کے ساتھ قائم نہیں مانتے اور ان کے نزدیک اللہ تعالےٰ کے متکلم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کلام لفظی کو مثلاً انسان کی زبان پر پیدا فرماتا ہے۔ یعنی معتزلہ کے نزدیک کلام اللہ تعالےٰ کی صفت حقیقی نہیں بلکہ اس کا ایجاد صفت فعلی ہے پس اب سید شریف اصحاب معتزلہ پر کہتے ہیں کہ تم نے عصاۃ کا عقاب اسلئے واجب کیا تھا۔ کہ عفو ماننے سے امکان کذب لازم آتا ہے اور کذب محال ہے لیکن تمہارے اصول پر تو کذب محال نہیں رہتا۔ کیونکہ کلام نفسی کے تو تم منکر ہو اب خلف یا کذب تمہارے نزدیک فقط کلام لفظی میں ہوگا اور کلام لفظی کا کذب تمہارے اصول کے لحاظ سے محال نہیں ہے کیونکہ کلام لفظی تمہارے نزدیک صفت بایں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مثلاً انسان میں پیدا کرتا ہے تو کلام لفظی کاذب کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کاذب کو انسان کی زبان پر پیدا فرماتا ہے اور یہ پیدا کرنا محال بالذات نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے کلام کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ اگر کلام کاذب کا پیدا کرنا محال ہوتا تو پھر کسی آدمی سے کذب کا صدور ممکن نہ ہوتا۔

بحمد اللہ العزیز ہم نے مولوی سرفراز صاحب کے پیش کردہ مجمل حوالہ پر

سیر حاصل بحث پیش کر دی ہے اور شرح مواقف کی عبارت سے مکذبین کو جو دھوکا لاحق ہوتا ہے۔ اسکو باحسن وجہ سے زائل کر دیا ہے۔ مولا عزوجل قبول فرمائے۔ اور گم کردہ راہ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

فتوح العقائد اور شیخ سرہندی کی عبارات

اسی بحث میں سرفراز صاحب نے فتوح العقائد اور شیخ سرہندی کی عبارات بھی پیش کی ہیں چنانچہ تنقید متین صـ۱۱۲ پر لکھتے ہیں۔

اور فتوح العقائد صـ۳۱ میں ہے۔

"داما وعید کافر پس خلاف آں جائز است ازجہت آنکہ خلاف محض فضل وکرم وصوفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نیز برہمیں اعتقاد مستند۔" انتھیٰ

الجواب۔ آیات وعید کفار سے قطع نظر کرکے لابشرط شئی کے مرتبہ میں بیشک کفار کے لئے عفو جائز ہے اور اسی لحاظ سے محکی عنہ کے مرتبہ میں ان پر فضل وکرم بھی بلاشبہ جائز ہے۔ لیکن اس مرتبہ میں خلف کذب کو مستلزم نہیں ہے اور بشرط شئی کے مرتبہ میں خلف کذب کو مستلزم ہے اور اس مرتبہ میں خلف کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔

مزید تفصیل ہمارے سابقہ جوابات کی روشنی میں ادنی تدبر سے حاصل ہو سکتی ہے۔ فافہم۔ سرفراز صاحب پھر شیخ سرہندی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اپنے فاروقی جلال میں آکر نیک لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

"واگر ہمہ را ابد وزخ فرستاد وعذاب ابدی فرمائد جائے اعتراض نیست"

(مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول صـ۱۲۰)

الجواب۔ شیخ سرہندی کا کلام حق ہے لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ وہ اس

کلام سے اللہ تعالیٰ کی شان استغناء اور عظمت بیان کر رہے ہیں۔ اور آپ اسی کلام سے اللہ تعالیٰ کیلئے کذب قبیح ثابت کر رہے ہیں شیخ کی روح بھی اس نکتہ آفرینی پر تڑپ گئی ہوگی۔ بہر حال نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ہمارے نزدیک اس عبارت کا وہی محمل ہے جو ہم مرارا کثیرا بیان کر چکے ہیں کہ (۱) وعدہ سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ مالک ہے کہ وہ اپنے ملک میں جیسا چاہے تصرف کرے۔ خواہ تمام صالحین کو جہنم میں ڈال دے۔ کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ یعنی لا بشرط شی کے مرتبہ میں۔ اور یہ مرتبہ کذب کو مستلزم نہیں ہے (۲) اگر اللہ تعالیٰ نے صالحین سے وعدہ ثواب نہ فرمایا ہوتا تو یہ بھی جائز تھا کہ سب کو عذاب دیدیتا اور یہ مرتبہ بھی کذب کو مستلزم نہیں ہے (۳) تعذیب صالحین ممکن بالذات ہے اور ممتنع بالغیر ہے۔ اور جس غیر کی وجہ سے یہ ممتنع ہے۔ وہ کذب باری ہے پس کذب باری محال بالذات ہے۔ مزید تفصیل کیلئے سابقہ جوابات کا مطالعہ فرمائیں:-

سرفراز صاحب کا گیارہواں شبہ

تنقید متین صہ۱۸۲ پر لکھتے ہیں کہ شیخ محقق عبد الحق دہلوی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ:-

"نعم اختلاف درآں است کہ آیا جائز است عقلاً یا نہ؟ معتزلہ برآنند کہ جائز نیست زیرا کہ آں موجب بتعدد و تنفیر است و نزد اصحاب ما کہ گروہ اہل سنت والجماعت اند ایں ہم جائز است کہ حق تعالیٰ یکے را از چاہ ضلالت آوردہ ہدایت ساند بمرتبہ نبوت رساند ولیکن دلیل برآنست کہ ایں جائز بوقوع نیا وردہ۔"

(مدارج النبوت صہ)

خدا معلوم اس عبارت سے امکان کذب کیسے لازم آگیا۔ اس عبارت

کا مفاد تو صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو کسی کو چاہِ ضلالت سے نکال کر مرتبہ نبوت تک پہنچا دے۔ بسر و چشم۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کا کذب کیونکر لازم آگیا؟ اور اگر فرض کیجئے قرآن کریم کی کسی آیت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح نہیں کریگا تو اس کا وہی جواب ہے جو ہم بارہا دے چکے ہیں کہ یہ قدرت لابشرط شی کے مرتبہ میں ہے اور وہ کذب کو مستلزم نہیں ہے۔

بارہواں اور تیرہواں مغالطہ اس کے بعد بارہویں اور تیرہویں دلیل میں مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمود الحسن کے اقوال پیش کئے ہیں ان اقوال کے بارے میں گذارش ہے کہ جہل مرکب کے یہ نسخے ہمارے ہاں مقبول نہیں۔ جو اپنے ایمان اور آخرت کے بدلے میں انہیں خریدنا چاہتا ہو اس پر پیش کیجئے۔

محمود الحسن صاحب کے کلام پر تنقید تاہم مولوی محمود الحسن صاحب کی عبارت چونکہ سخت توہین آمیز ہے اور اس میں اللہ عزوجل کی ربوبیت پر شدید حملہ کیا گیا ہے۔ اس لئے ہم اس پر تبصرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ملاحظہ ہو مولوی سرفراز صاحب کے شیخ الہند کا ارشاد ہے۔

"سب جانتے ہیں ذات تعالیٰ شانہٗ سے افعال قبیحہ کے صدور کی نوبت نہیں آسکتی لیکن افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ کے مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے نفس مقدوریت میں اصلاً کوئی خرابی نہیں آتی" (جہد المقل جلد ۱ ص ۴۱ بحوالہ تنقید متین ص ۱۸۴)

مولوی محمود الحسن نے اس شاطرانہ عبارت میں مغالطہ آفرینی کی انتہائی مذموم سعی کی ہے

افعال قبیحہ سے کیا مراد ہے۔ وہ افعال قبیحہ جن سے اللہ تعالیٰ متصف ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کاذب اور ظالم ہونا یا وہ افعال قبیحہ جن سے مخلوق متصف ہو۔ مثلاً مخلوق کا کاذب اور ظالم ہونا۔ بر تقدیر ثانی افعال قبیحہ کی نہ مقدوریت میں خرابی ہے نہ انکے صدور میں۔ بلکہ اس معنی میں افعال قبیحہ کا صدور روا قع ہے۔ اور یہ مانحن فیہ سے قطعاً خارج ہے اور بر تقدیر ثانی یعنی اگر افعال قبیحہ سے اللہ تعالیٰ کا متصف بالقبائح ہونا مراد ہو تو یہ قطعاً باطل اور محال صریح ہے جیسا کہ مسامرہ کی عبارت سے گذر چکا ہے (مسامرہ ص ۲۰۶)

علاوہ ازیں اگر بقول محمود الحسن اتصاف بالقبائح کی نفس مقدوریت پر کوئی خرابی لازم نہیں ہے تو غور فرمائیے خودکشی کرنا اور اپنے آپ کو ختم کر دینا یہ ایک فعل قبیح ہے پس اگر اللہ تعالےٰ کی قدرت میں اپنے آپ پر عدم طاری کرنا ہو تو پھر اللہ تعالےٰ جائز العدم قرار پائیگا۔ اور جو جائز العدم ہو واجب الوجود نہیں ہوتا۔ دیوبند کے سارے بڑے چھوٹے مل کر بتلائیں کہ اللہ تعالےٰ کے واجب الوجود نہ ہونے سے بڑھ کر بھی کوئی خرابی ہے۔

اب شمشان بھومی جا کر محمود الحسن صاحب کی آتما کو آواز دیجئے اور ان سے پوچھئے۔ آپ تو کہتے تھے کہ فعل قبیح کو مقدور ماننے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دینا بھی ایک فعل قبیح ہے۔ اور اس کے ماننے سے تو اللہ تعالےٰ واجب الوجود نہیں رہتا۔ آسان لفظوں میں خدا خدا نہیں رہتا اور انتفاء الوہیت سے بڑھ کر کائنات میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

چلتے چلتے شیخ الہند صاحب نے اشاعرہ پر بھی ایک تہمت لگا دی آخر ہند کے شیخ جو ٹھہرے۔ پھر اگر ہندوؤں کی کوئی خصلت نہ ہو تو مشیخت کیسے قائم ہوگی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

" خلاصہ یہ ہوا کہ قبائح تحت القدرہ داخل ہو کر حکمت وعدل وتقدس

ممتنع الوقوع ہیں۔ یہ ہرگز نہیں کہ امور مذکورہ قدرت ہی سے خارج ہیں۔ ورنہ
حضرات اشاعرہ خلاف عدل وحکمت کو کیوں مقدور باری فرماتے جہد المقل ۲۴
ہم گذشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں کہ عاصی کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ
کا عدل ہے۔ اور اشاعرہ جائز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عاصی کو عذاب نہ دے
اور اسکو اللہ تعالیٰ کا کمال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جرم کو معاف کر دینا اور اس پر سزا
نہ دینا حاکم کا انتہائی کمال واحسان ہوتا ہے۔ پس غور کیجیے کہ جو چیز اشاعرہ کے
نزدیک اللہ تعالیٰ کا کمال واحسان ہے۔ اسی کو یہ وعدہ الٰہی بن کر ثابت کر
کر رہے ہیں کہ وہ اشاعرہ کے نزدیک قبیح ہے۔ بہر حال یہ دیوبند کے اکابر کی
ایمان داری راست گوئی اور توحید پرستی کی ایک جھلک ہے۔ جو ہم نے پیش
کی ہے۔ ورنہ دیوبند جس مسلک سے عبارت ہے وہ سرتاپا اسی رنگ میں رنگا
ہوا ہے۔ اس وقت ان کا کردار موضوع سخن نہیں ہے۔ یہ تو سرفراز صاحب
نے اپنے شیخ الہند کی عبارت کو چونکہ طبع آزمائی کیلئے پیش کیا تھا اس لئے ہم
نے بھی کچھ داد پیش کر دی ہے۔ سرفراز صاحب کی جھولی میں جو کچھ تھا۔
وہ انہوں نے پیش کر دیا۔ اور اس کا ہم نے پورا پورا محاسبہ کر لیا
ہے۔ اس بحث کو ختم کرنے کے بعد سرفراز صاحب نے معتزلہ کے چند
گمراہ کن عقائد ذکر کئے ہیں۔ جہانتک ان عقائد کے باطل ہونے کا تعلق
ہے وہ سب کے نزدیک مسلم ہے۔ لیکن اس جگہ سرفراز صاحب کا ان کو ذکر
کرنا ان کے مجرمانہ عزائم کا غماز ہے۔ بہر حال ہم گذشتہ ابواب میں ذکر
کر چکے ہیں۔ اور باحوالہ ثابت کر دیا ہے کہ اصل میں دیوبندی
بدعت معتزلہ سے ماخوذ ہے۔ بس آپ جی کھول کر معتزلہ کی خرافات
ذکر کیجیے۔ اس سے آپ ہی روشنی میں آتے جائیں گے۔

علمِ غیب

قرآن کریم میں ہے۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی مَلَکٌ۔ اس کا ترجمہ اعلحضرت قدس سرہٗ نے اس طرح فرمایا ہے۔ "تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔"

مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی کی اس ترجمہ پر تنقید ملاحظہ فرمائیں

اس میں خان صاحب نے اپنے فاسد عقیدہ کے اثبات کیلئے لفظ آپ ترجمہ میں بزور داخل کیا ہے۔ اعلم واحد متکلم کا صیغہ ہے اور عربی زبان میں یہ صیغہ بھی جہاں پایا جائیگا۔ مثبت میں اس کا معنی ہوگا" میں جانتا ہوں یا جانونگا" اور لا اَعْلَمُ کا معنی ہوگا۔ میں نہیں جانتا یا نہیں جانوں گا" اس میں لفظ آپ اس کے معنی میں کسی طرح شامل نہیں ہے۔ کیونکہ خانصاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور علم غیب حاصل تھا اسلئے عطائی کے لفظ میں انہوں نے قرآن کی بیشمار نصوص قطعیہ اور صحیح احادیث کے صریح مضامین سے راہ فرار اختیار کرنے کی خاطر چور دروازہ کھلا چھوڑا ہے اور مولوی نعیم الدین صاحب نے اس چوردروازہ سے یوں فائدہ اٹھایا ہے۔ کہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ نہ میرا دعوٰی ذاتی غیب دانی کا ہے۔ (انتھی کلامہ ، تنقید متین ص ۱۹۲)

سرفراز صاحب نے اس تنقید میں ایک یہ دعوٰی کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے علم غیب میں عطائی کی قید لگانا غلط ہے۔ اور اسی طرح علم غیب کی نفی کے موقعہ پر ترجمہ میں لفظ آپ اور ذاتی کا ذکر کرنا غلط ہے۔

دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عطائی غیب مان لینے سے بے شمار نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اب ہم آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ان دونوں دعووں کا تجزیہ کر کے انہیں قارئین کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔

ثبوت علم غیب پر شواہد

قرآن کریم میں ہے۔

ذالِك من انباء الغيب نوحيه اليك (آل عمران) وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبى من رسله من يشاء (آل عمران)	یہ غیب کی خبریں ہیں جس غیب پر ہم آپ کو بذریعہ وحی مطلع کرتے ہیں (آل عمران) اور اللہ کی شان نہیں ہے کہ وہ تم (عام) لوگوں کو غیب پر مطلع کرے لیکن رسولوں میں سے چن لیتا ہے جسے چاہے۔

تفسیر جمل میں اسی آیت کے تحت ہے۔

والمعنى ولكن الله يجتبى اى يصطفى من رسله من يشاء فيطلعه على الغيب عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول (ص)	اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں میں سے جسے چاہے منتخب فرما لیتا ہے پھر اسے غیب پر مطلع فرماتا ہے غیب کا جاننے والا اللہ ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

۱ اس آیت کے تحت روح البیان میں ہے۔

قال ابن الشیخ انه تعالیٰ لا یطلع علی الغیب الذی یختص به علمه الا المرتضی الذی یکون رسولا وما لا یختص به یطلع غیر الرسول وما هو علی الغیب بضنین۔

یعنے ابن شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر رسول مرتضیٰ کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور جو غیب اس کے ساتھ مختص نہیں، اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرماتا ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام غیب پر بخیل نہیں ہیں۔

اس کے تحت تفسیر خازن میں ہے۔

انه صلی اللہ علیه وسلم یاتیه علم الغیب فلا یبخل به علیکم بل یعلمکم

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل ہوتا ہے پس وہ اس غیب میں بخیل نہیں ہیں۔ بلکہ تمکو بھی اسکی تعلیم دیتے ہیں۔

اور زرقانی شرح مواہب الدنیہ جلد: ص ۲۰ پر ہے، امام غزالی علیہ الرحمت سے منقول ہے۔

والرابع ان له صفة یدرک بها ما یکون فی الغیب۔

یعنی نبی میں چوتھی صفت یہ ہے کہ اس کی ذات میں ایک ایسا نور رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ آئندہ ہونے والے امور غیبیہ کا ادراک کر لیتا ہے۔

شفاء قاضی علیہ الرحمت میں ہے۔

النبوۃ هی الاطلاع علی الغیب ص ۱۶۱ ج ۱۔

نبوت کا معنی ہے غیب پر مطلع ہونا۔

اور تفسیر کبیر میں لا اعلم الغیب کے تحت ہے ولا یعلم الا ما اعطاہ اللہ العلم به اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہی امور کا علم ہے۔ جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے۔

قرآن کریم کی آیات مفسرین کرام و علماء اہل سنت کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا تھا منصف مزاج کیلئے اتنی قدر کافی ہوتی ہے۔ مگر ہم تنقیح مزید کیلئے علماء دیوبند کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ علم غیب عطائی کا انکار کر کے مولوی سرفراز صاحب بالکل تنہا اور بے یار و مددگار رہ گئے ہیں اور احاطہ دیوبند میں بھی ان کیلئے کوئی جگہ نہیں رہی۔ دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی تتمہ فتاویٰ امدادیہ ص ۲۳۳ جلد ۴ پر لکھتے ہیں :-

"غیب کے دو معنی ہیں حقیقی اور اضافی۔ حقیقی وہ جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور عبد کیلئے اس کا حصول محال شرعی و عقلی ہے۔ اضافی وہ ہے جو کسی ذریعہ سے بعض کو معلوم کرا دیا جائے اور بعض سے پوشیدہ رکھا جاوے۔ یہ عبد کو باعلام الٰہی بھی حاصل ہو سکتا ہے"

تھانوی صاحب نے اس عبارت میں صاف اور صریح اقرار نہیں کیا فضائل نبویہ علیہ التحیہ کا عظیم شان ہو سکتا ہے کا کانٹا بن کر اُن کے گلے میں چبھ گیا۔ لیکن تغییر العنوان میں بالآخر مان ہی لیا۔ جیسے ہم ابھی نقل کریں گے۔

انشاء اللہ! مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی اپنی تفسیر کے ص ۹۵ پر لکھتے ہیں۔

"عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی۔ انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر اللہ چاہے"

عثمانی صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ بلاواسطہ یقینی علم غیب عطا فرماتا ہے اور غیر انبیاء کو یا تو بالواسطہ علم غیب عطا فرماتا ہے اور یا بلا واسطہ عطا فرماتا ہے لیکن وہ درجہ ظن میں ہوتا ہے۔

اور حامد میاں سلسلہ علماء دیوبند کے ص ۴۲ پر لکھتے ہیں :-

بریلوی حضرات	دیوبندی حضرات
اللہ عزوجل نے انبیأ علیہم السّلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی ہے۔	علمار دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے

بلکہ تھانوی صاحب نے تغییر العنوان میں لکھا ہے کہ اس میں کلام ہی نہیں کہ حضور علیہ السّلام کے علوم غیبیہ جزئیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ انتھٰی

لیجئے اب اخیر میں ہم خود مولوی سرفراز صاحب کے اپنے کلام سے منوائے دیتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو عطائی علم غیب حاصل تھا۔

تنقید متین صـ۱۹۷ پر لکھتے ہیں۔ "اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کیلئے بعض علوم غیبیہ کا عطا ہونا مسلم حقیقت ہے اور کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں"

پھر وہ کوئی کافر ہی ہوگا جس نے اپنی کتاب کے صـ۱۹۳ پر علم غیب عطائی کا انکار کیا[۱] اور اُس کو بے بنیاد عقیدہ قرار دیا ہے

بحمد اللہ الفضل ما شہدت بہ الاعدا حق مولوی سرفراز صاحب کی زبان وقلم پر غالب آیا اور اس شدت سے غالب آیا کہ نہ ماننے والے کو اسلام سے خارج کر دیا۔ اور اب مولوی سرفراز صاحب کسی طرح کفر کی زد سے نہیں بچتے اگر عطائی علم غیب کے عقیدہ پر قائم رہتے ہیں تو اپنی تحریر کے صـ۱۹۳ سے کافر

---

[۱] صـ۱۹۳ پر مولوی سرفراز صاحب نے عطائی علم غیب کا رد اس عبارت سے کیا ہے۔ "خان صاحب رح کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا اسلئے عطائی کے لفظ میں انہوں نے بیشمار نصوص قطعیہ اور صحیح احادیث کے صریح مضامین سے راہِ فرار اختیار کرنے کی خاطر چور دروازہ کھلا چھوڑا ہے۔"

ہوتے ہیں۔ اور اگر عطائی علم غیب کا انکار کرتے ہیں ص۱۹۷ کی تحریر سے اسلام سے خارج ہوتے ہیں۔ جس آدمی کی زبان دوسروں پر گالیوں کے تیر پھینکتی ہے اگر اور کوئی ہدف سامنے نہ ہو تو پھر وہ خود پر ہی طبع آزمائی شروع کر دیتی ہے۔ اور اس کا مصداق اتم سرفراز صاحب کی ان دو تحریروں میں موجود ہے۔

اب جبکہ قرآن کی آیات تفاسیر اقوال علماء دیوبند بلکہ خود مولوی سرفراز صاحب کی تحریر سے بھی ثابت ہو گیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطائی علم غیب حاصل تھا۔ اور قرآن کریم کی اس آیت کریمہ لا اعلم الغیب میں بھی اگر غیب کو عطائی پر محمول کیا جائے تو معنی ہو گا کہ میں عطائی غیب کو نہیں جانتا پس قرآن کریم کی اس آیت کا ان تمام آیات سے تعارض لازم آئیگا جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے عطائی علم غیب ثابت کیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اس میں تعارض نہیں لقولہ تعالےٰ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیراً۔

نفی علم غیب علم ذاتی پر محمول ہے

آئیے اب مفسرین کی طرف رجوع کریں کہ انہوں نے لا اعلم الغیب کو نفی ذاتی پر محمول کیا ہے یا عطائی پر۔ روح البیان میں ہے ولا اعلم الغیب الا باعلامہ اور میں خدا کے بتلائے بغیر نہیں جانتا

تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ لا اعلم الغیب تکون فیہ دلالۃ علی ان الغیب باستقلال لا یعلمہ الا اللہ جو علم غیب ذاتی ہو وہ اللہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے۔ (ولا اعلم الغیب) مالم یوحیٰ الی ولم

ینصب علیہ دلیل یعنی میں بغیر دلیل اور وحی کے غیب کو نہیں جانتا۔

تفسیر انموذج جلیل میں ہے۔ معناہٗ لا یعلم الغیب بلا دلیل الّا اللہ او بلا تعلیم الا اللہ او جمیع الغیوب الا اللہ اس آیت کا معنی ہے کہ غیب کو بلا دلیل و بلا تعلیم جاننا یا جمیع غیوبات غیر متناہیہ کا احاطہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔ وقولہ ولا اعلم الغیب ای ولا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ تعالیٰ۔ یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالےٰ کے علم کے ساتھ موصوف ہوں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے وضاحت کے لئے ترجمہ میں جو لفظ "آپ" ذکر کر کے معنی کیا ہے۔ "اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں" یہ معنی آیات قرآنی عقائد اہل سنت اور تمام معتبر تفاسیر کے مطابق ہے۔

علم عطائی کی نفی پر مفاسد

سرفراز صاحب نے اس آیت میں عطائی غیب کی نفی مراد لی ہے اور ذاتی کی نفی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جس ذات اور ہستی کا خود اپنا وجود ہی ذاتی نہ ہو اس کے بارے میں یہ سوال کہاں سے اور کیسے پیدا ہو گیا کہ اس کا علم یا کوئی اور وصف ذاتی ہو سکتا ہے۔ جس کی نفی کی ضرورت پیش آئے؟"

متبعین دیوبند عموماً اور مولوی سرفراز صاحب خصوصاً اس بات پر مصر ہیں کہ نفی اسی شئی کی کی جاتی ہے جو ممکن ہو اور ہو سکتی ہو اور جو چیز نہ ممکن ہو نہ ہو سکتی ہو۔ اس کی نفی کا کوئی فائدہ نہیں بس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کیلئے ذاتی علم غیب ممکن ہی نہیں تو اسکی نفی کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ سرفراز صاحب کا یہ قول ان کے کچے ذہن کی پیداوار ہے۔ اولاً۔ اسلئے کہ اہل علم اور قرآن پر بصیرت رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی زوجہ اور ولد کی نفی کی ہے۔ انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة (انعام) اسی طرح اپنے کفو اور مثل کی بھی نفی کی ہے۔ ولم یکن لهٗ کفواً احد (اخلاص) لیس کمثله شئی (شوریٰ) اپنے شریک کی نفی کی ہے۔ لا شریك لهٗ (انعام) اپنی پیدائش کی بھی نفی کی ہے۔ لم یولد (اخلاص) اپنی ہلاکت کی نفی کی ہے۔ کل شئی هالكٌ إلاّ وجههٗ (قصص)

پس اب اگر سرفراز صاحب کے مخترعہ قاعدہ کو مان لیا جائے کہ قرآن کریم میں نفی ایسی چیز کی کی گئی ہے، جو ہو سکتی ہو تو العیاذ باللہ لازم آئیگا کہ اللہ کی اولاد بھی ہو سکتی ہو۔ اس کی زوجہ بھی ہو سکتی ہو۔ اس کی مثل بھی ممکن ہو اور اس کا کفو بھی ہو سکتا ہو۔ اس کا شریک بھی ہو سکتا ہو!!

دیکھا آپ نے کہ سرفراز صاحب کی ایجاد کردہ بدعت اور عطائی علم غیب کے انکار نے ان کو کیسی خرابیوں کی طرف پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ مولوی سرفراز صاحب ان تمام خرابیوں کو من وعن مان لیں گے۔ کہ بلا ریب خدا کی اولاد بھی ممکن ہے۔ اس کی زوجہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثل اور کفو بھی ممکن ہے اس کا شریک بھی جائز ہے۔ کیونکہ ان کے شیخ الہند "جہد المقل" میں لکھ چکے ہیں کہ بالجملہ قبائح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب اہلسنت ہے جلد ۲ ص ۴۱۔ ٹھیک ہے آپ ان تمام امور کو خدا کیلئے ممکن مان لیجئے کیونکہ آپ کے مذہب غیر مہذب میں اللہ تعالیٰ کیلئے ان قباحتوں کا اتصاف ہی تہذیب ہے۔ مگر لم یولد میں پیدائش کو اور کل شئی هالكٌ إلاّ وجههٗ

ہیں ہلاکت کو بھی ممکن مانیں گے۔ اگر پیدائش اور ہلاکت کو ممکن نہ مانا تو آپ کی کلی ٹوٹ گئی اور ثابت ہو گیا کہ محال پر بھی نفی آتی ہے اور جو امر نہ ہو سکتا ہو، اُس کی نفی بھی کی جاتی ہے پس لا اعلم الغیب۔ کی نفی پر آپ کا لغو اعتراض ساقط ہو گیا۔ اور اگر آپ اپنی کلی کو محفوظ رکھ کر اللہ تعالٰے کیلئے پیدائش اور ہلاکت کو ممکن مان لیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہا کیونکہ جب پیدائش کو ممکن مانا تو وجود ممکن ہو گیا۔ اور جب ہلاکت کو ممکن مانا تو عدم ممکن ہو گیا۔ اور جس کا وجود بھی ممکن ہو۔ اور عدم بھی ممکن ہو اُسے دیوبند کے منطقی تو خدا مان کر پوجتے ہوں گے۔ اسلام میں جس خدا کی پرستش ہوتی ہے۔ اس کا وجود واجب لذاتہ اور عدم ممتنع لذاتہ ہے:۔

آپ غور فرمائیں کہ دیوبندی بدعت نے عطائی علم غیب کا انکار کیا اور اس قباحت کے ثبوت کے لئے ایسی بنیاد قائم کر دی جس سے اللہ تعالے کے وجوب وجود اور امتناع عدم کا بھی انکار ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ثانیاً اس لئے کہ ہم نے لا اعلم الغیب۔ کی تفسیر میں معتمد تفاسیر کے حوالے پیش کئے ہیں، جن سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اعلحضرت قدس سرہٗ یا صدر الافاضل نے ہی ذاتی غیب کی نفی پر آئت کو محمول نہیں کیا۔ بلکہ باقی مفسرین نے بھی اس آیت کو ذاتی غیب کی نفی پر محمول کیا ہے۔

ثالثاً اس لئے کہ خود مولوی گکھڑوی کے حکیم الامت کے کلام سے بھی ثابت ہے کہ اس مقام پر ذاتی غیب کی نفی مراد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حفظ الایمان ص۱۲ پر لکھتے ہیں۔ ”مطلق غیب سے مراد اطلاقات شرعیہ میں وہی غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور اس کے ادراک کے لئے کوئی واسطہ اور سبیل نہ ہو اسی بنار پر لا یعلم من فی السموات۔

والارض الغیب الا اللہ اور ولو کنت اعلم الغیب وغیرہ فرمایا گیا ہے۔"

تھانوی صاحب کا یہ کلام اگرچہ کلیتہً صحیح نہیں اور اس کی کلیت قرآن سے مردود ہے۔ تاہم سرفراز صاحب کی کلی توڑنے کیلئے اس میں کافی جان موجود ہے کیونکہ تھانوی صاحب کے قانون کے مطابق جہاں بھی مطلقاً غیب کا ذکر لسان شرع پر وارد ہوگا۔ اس سے مراد وہ غیب ہوگا جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور اس کے ادراک کیلئے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور اسی کو ذاتی غیب کہتے ہیں پس لا اعلم الغیب میں بھی لسان شرع پر مطلق غیب وارد ہوا۔ لہذا تھانوی قانون کے موافق یہاں بھی غیب سے مراد ذاتی غیب ہی ہوگا۔ جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس کے ادراک کیلئے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اب سرفراز صاحب کی مرضی ہے چاہے تو تھانوی شہادت کو رد کر کے اپنے حکیم الامت کی جہالت کا اقرار کریں۔ یا اُن کے قانون کو تسلیم کر کے اپنی بے علمی اور کم فہمی کا اعتراف کر لیں۔

تھانوی صاحب کی جہالت

باقی رہا یہ امر کہ تھانوی صاحب کی یہ کلی صحیح ہے یا غلط تو جواب یہ ہے کہ تھانوی صاحب کا یہ قانون عقلاً نقلاً ہر طرح باطل ہے کیونکہ قرآن میں ہے۔ یؤمنون بالغیب اور اس آیت کریمہ میں بھی مطلق غیب لسان شرع پر وارد ہے اور یہاں اس غیب سے مراد ذاتی غیب نہیں ہے کیونکہ متقین اس غیب پر ایمان لائے ہیں جس کا انہیں دلائل سے علم ہوا پس یہاں غیب سے مراد وہ غیب ہے جس پر دلیل ہو۔ نہ کہ غیب ذاتی۔

نقلاً اس لئے باطل ہے کہ مفسرین نے اس آیت کریمہ کو عطائی غیب پر محمول کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیضاوی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وقسم نصب علیہ دلیل کالصانع وصفاتہ والیوم الآخر واحوالہ وھو المراد بہ فی ھذہ الآیۃ۔

اور غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہو جیسے صانع اور اُسکی صفات یوم آخر اور اس کے احوال وغیرہ اور اس آیت میں غیب کی یہی دوسری قسم مراد ہے۔

اب ناظرین پر دیوبندیوں کے حکیم الامت کا علم وفضل ظاہر ہوگیا جنہوں نے یہ کلیہ باندھا تھا کہ اطلاقاتِ شرعیہ میں غیب سے مراد وہ غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ دیکھئے۔ لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ اور ولو کنت اعلم الغیب میں جو الغیب مذکور ہے وہی الغیب یؤمنون بالغیب میں بھی ہے اور اس آیت میں لسان شرع پر غیب اسی طرح مطلقاً مذکور ہے جس طرح ان دو جگہ پر ہے اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ اس سے وہ غیب مراد ہے جس پر دلیل قائم ہو۔ کیا ایسا بے خبر اور کلام الٰہی سے ناواقف شخص جسے درسی کتاب بیضاوی پر بھی اطلاع نہ ہو۔ حکیم الامت کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور جن لوگوں کے حکیم الامت کا یہ حال ہے۔ خود ان کے اپنے علم کی کیا حالت ہوگی۔

مذکورہ تحقیق سے واضح ہوگیا کہ سرفراز صاحب کی کلی تھانوی صاحب کے بیان سے ٹوٹی اور تھانوی صاحب کی کلی خود قرآن سے ٹوٹ گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر غیب کے ذاتی یا عطائی کی تعیین کا کیا ضابطہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ غیب اپنے معنی کے اعتبار سے مشترک معنوی ہے کیونکہ اس کا معنی ہے الخفی الذی لا یدرکہ الحس ولا یقتضیہ بداہۃ العقل اور پھر اسکی دو قسمیں ہیں۔ ما علیہ دلیل اور ما لا دلیل علیہ (بیضاوی) اور

لفظ مشترک سے کسی معنی کی تعیین بغیر قرینہ کے نہیں ہوتی پس جہاں کہیں حالی یا مقالی قرینہ غیب ذاتی کا ہوگا تو غیب ذاتی مراد لیں گے اور جہاں قرینہ غیب عطائی کا ہوگا، وہاں عطائی مراد لیا جائیگا پس جن آیات میں غیب دینے کا ذکر ہے، تو واضح امر ہے کہ وہاں غیب عطائی ہی مراد ہے اور جہاں نفی غیب کا ذکر ہے تو وہاں پر غیب ذاتی ہی مراد ہوگا۔ کیونکہ دوسری آیات سے جب غیب عطائی ثابت ہوگیا تو اب اسکی نفی تناقض کو مستلزم ہوگی پس لامحالہ اس نفی کو ذاتی پر محمول کرنا پڑیگا تھانوی عصا کی کلی توڑنے کے بعد اگر ہم فضل و تبرع کے طور پران کی اصلاح کریں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اطلاقات شرعیہ میں مطلقاً غیب کا جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص ہو یا غیر سے نفی ہو، اس غیب سے مراد غیب ذاتی ہے۔ جیسے عندہ مفاتیح الغیب اور لا اعلم الغیب ولو کنت اعلم الغیب لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ اور اس اصلاح کے بعد بھی یہ کلام سرفراز صاحب کے رد کیلئے کافی ہے اور اسی امر کی طرف ہم نے سطور بالا میں اشارہ کیا تھا۔

سرفراز صاحب کی ایک اور الجھن

سرفراز صاحب نے بوجہ عناد یا سمجھنے کی خاطر ایک اور سوال پوچھا ہے۔ "غور کیجئے کہ آپ نے یہ کیوں نہ فرمادیا۔ کہ میں ذاتی طور پر محمد اور رسول نہیں ہوں۔ بلکہ عطائی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عطائی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ آخر اسکی کیا وجہ ہے وجہ فرق بین ہو۔"

لیجئے ہم نے غور کرلیا اور وجہ فرق بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کی سمجھ میں بھی آجائے۔ بات یہ ہے کہ علم اور قدرت ایسی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مشترک ہیں اس وجہ سے ان

میں یہ اشتباہ ہوسکتا تھا کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی معاذ اللہ خدا تو نہیں ہیں۔ پس اس اشتباہ کو دور کرنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ میں نہ ذاتی طور پر غیب جانتا ہوں نہ ذاتی قدرت رکھتا ہوں۔ بخلاف ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مشترک نہیں لہٰذا یہاں پر نہ کوئی اشتباہ تھا نہ اس کو اٹھانے کے لئے ذاتی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ذاتی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نفی کی ضرورت تھی۔

ثانیاً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں نے علم اور قدرت کے عظیم مظاہر ہونے کی وجہ سے اِلٰہ اعتقاد کر لیا تھا نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقی صفات کی وجہ سے۔ پس گمراہی کی اس جڑ کو کاٹنے کیلئے ضروری تھا کہ آپ سے بالخصوص ذاتی علم اور ذاتی قدرت کی نفی کی جاتی۔ دیکھیے امام رازی تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۸ پر فرماتے ہیں:۔

ان المراد منہ ان یظھر الرسول من نفسہ التواضع لِلّٰہ والخضوع لہٗ لعبودیتہ حتیٰ لا یحتقق فیہ مثل اعتقاد النصاریٰ فی المسیح علیہ السلام۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع اور خضوع کو ظاہر فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعتراف کریں حتیٰ کہ آپ کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح الوہیت کا اعتقاد نہ کر لیا جائے۔

ثالثاً اسلئے کہ علم اور قدرت ہی دو ایسے وصف ہیں جن پہ مدار الوہیت ہے۔ چنانچہ امام رازی علیہ الرحمۃ علم اور قدرت کے بارے میں تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۵۱ پر فرماتے ہیں:۔

وهذان الوصفان هما اللذان بهما ثبت الربوبية والالوهية والجلالة والعزة

علم اور قدرت سے ہی ربوبیت اور الوہیت ثابت ہوتی ہے۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ پر ہی بناء الوہیت ہے نہ کہ باقی صفات پر پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالخصوص علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ کی نفی کی وجہ اہل فہم پر روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ دیکھئے علامہ آلوسی حنفی اسی آیت کے تحت پارہ ۷، ص ۱۴۲ پر فرماتے ہیں

لا فائدة فی الاخبار بانی لا اعلم الغیب وانما الفائدة فی الاخبار بانی لا اقول ذالك ليكون نفيا لادعاء الامرين الذين هما من خواص الالهية ليكون المعنى انى لا ادعى الالهية

لا اعلم الغیب کہنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ تو اس میں ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں یہ بات نہیں کہتا تاکہ ان دونوں وصفوں کی نفی ہو جائے جو خواص الوہیت میں سے ہیں تاکہ حاصل یہ ہو کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

اور امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۴۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔

ان المراد من قوله لا اقول لكم عندى خزائن الله معناه وانى لا ادعى كونى موصوفا بالقدرة اللائقة بالاله تعالى وقوله ولا اعلم الغيب اى ولا ادعى كونى موصوفا بعلم الله تعالى بمجموع هذين الكلامين حصل انه لا يدعى الالهية

لا اقول لکم عندی خزائن اللہ کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں ایسی قدرت کے ساتھ متصف ہوں، جو اللہ کی شان کے لائق ہو اور لا اعلم الغیب کا معنی ہے کہ میں اللہ کے علم کے ساتھ موصوف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

رابعاً یہ کہ آپ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی علم کی نفی کیوں کہلوائی ۔ اور ذاتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ذاتی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کیوں نہ کہلوائی ، خالص معتزلہ کا انداز فکر ہے ۔ کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے افعال میں چون وچرا تلاش کرتے تھے اور ہر بات کی لم اور غرض ڈھونڈتے تھے جس کی لم سمجھ میں آئی ۔ مان لیا جس کی غرض سمجھ میں نہ آئی چھوڑ دیا ۔ اسی لئے اُنہوں نے میزان حساب وکتاب اور پلصراط وغیرہ کا انکار کر دیا ۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالےٰ نے جو مناسب جانا کیا اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں ۔ وہ فعال مطلق ہے ۔ اس کی شان یہ ہے کہ لا یسئل عما یفعل وہ کسی فعل پر جواب دِہ نہیں پس خدا نے قرآن میں قل لا اعلم الغیب کیوں فرمایا ، قل لست برسول یا قل لست بمحمد ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ فرمایا ۔ ایک ایسی جرأت ہے جس کے تصور سے بھی ہمارا دِل لرزتا ہے ۔ لیکن سرفراز صاحب کی اس جرأت سے قطع نظر کر کے بھی ہم نے ذاتی علم غیب اور قدرت ذاتیہ کی تخصیص کی حکمت بیان کر دی ہے اللہ تعالےٰ اُنہیں سمجھنے کی توفیق دے ۔

علم شعر کی تحقیق

مبتدعین دیوبند عام طور پر قرآن کریم کی مذکورۂ ذیل آیت سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم علم کی تنقیص کیا کرتے ہیں ۔

و ما علمناہ الشعر و ما ینبغی لہ ۔	اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا ۔ اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے ۔

اس آیت کریمہ سے مبتدعین دیوبند ثابت کرتے ہیں ۔ کہ آپ کو شعر کا علم نہ تھا ۔ ان لوگوں کے عقائد کو دیکھکر ہم حیرت اور افسوس میں غرق

ہو جاتے ہیں۔ کہ یہ اُمت کے ہزاروں افراد کیلئے شعر کا علم مانتے ہیں۔ اور اگر انہیں کسی ذات کے لئے شعر کا علم ماننے سے انکار ہے تو اس ذات کیلئے جو کائنات کے محسن ہیں جن کے دم قدم سے یہ چمن وجود کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ جن کے علم کی عظمتوں کی قرآن نے گواہی دی جن کا علمی وقار خدا کو اس قدر عزیز تھا۔ کہ کسی کو ان کا دنیاوی استاذ بننا گوارہ نہ کیا جن کے ایک خادم اور فیض یافتہ کے علم کی عظمتوں کے آگے فرشتوں کی گردنیں جھک گئیں اور ابلیس انگشت بدندان رہ گیا۔ آج یہ منہ پھٹ لوگ علم وعرفان کے اس آفتاب عظیم کی فیض آفرینیوں کا انکار کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو امتی کہلاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے یہودیوں نے مسلمانوں کا بھیس بدل کر دیوار اسلام گرانے کے لئے زور آزمائی شروع کر دی ہو۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو احساس تھا کہ اس اُمت سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے گمراہی کے سیلاب کو روکنے کیلئے اب سے بہت پہلے اس کے آگے بند باندھ دیا تھا۔ فرماتے ہیں۔ "معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا" الخ

سرفراز صاحب اس بند پر کلہاڑا چلاتے ہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جتنا بھی لفظوں کا چکر دیا ہے۔ سب بے سود ہے۔ اولاً اسلئے کہ لغت شرع اور عرف میں جس چیز پر بھی لفظ شعر کا اطلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو اس آیت سے اسکی نفی قطعی طور پر ثابت ہے اس سے ملکہ کی نفی کرنا اور کلام موزوں اور شعر صحیح وسقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی خالص تحریف ہے نعوذ باللہ انتھی (تنقید متین ص ۱۹۶)

شعر کے علم کی مطلقاً نفی پر دس اشکال

سرفراز صاحب کے اس

کلام پر کئی وجہ سے گفتگو ہے۔ اولا اس لئے کہ سرفراز صاحب اس پر بضد ہیں کہ حضور کو شعر کا مطلقاً علم نہ تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب آپ شعر کو مطلقاً نہیں جانتے تھے۔ تو آیۃ کریمہ و ما علمناہ الشعر میں بھی تو لفظ شعر موجود ہے۔ اب بتلائیے کہ حضور کو کس شعر کا علم تھا یا نہیں اگر تھا تو آپ کی کلی ٹوٹ گئی۔ اور اگر نہیں تھا۔ تو لازم آیا کہ حضور پورے قرآن کو نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ پورے قرآن میں شعر اور شاعر دونوں لفظ موجود ہیں۔ اور مکتب دیوبند کی تعلیم کے مطابق حضور کو شعر و شاعر کا علم نہیں اور قرآن صرف لفظوں کا نام نہیں ہے۔ ھو اسم المنظم والمعنی جمیعا لفظ اور معنی دونوں کا نام قرآن ہے۔ پس جب آپ کو شعر کا لغوی عرفی شرعی کوئی معنی معلوم نہیں تھا۔ تو لازم آیا کہ آپ کو پورے قرآن اور کتاب اللہ کا علم نہ ہو۔ لان انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل اور جب آپ کو پورے قرآن کا علم نہیں تھا۔ تو الرحمٰن علم القرآن کاذب ہو گیا یعلمھم الکتٰب والحکمۃ باطل ہو گیا۔ علمک مالم تکن تعلم جھوٹا ہو گیا۔ اللہ اکبر خود کو شیخ القرآن کہلاتے ہیں اور نبی علیہ السلام سے علم قرآن کی نفی کرتے ہیں۔ ؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

نیز ہم پوچھتے ہیں کہ سرفراز صاحب کو شعر کا کسی وجہ سے علم ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول ان کا علم حضور سے بڑھ گیا۔ بر تقدیر ثانی نفی مجہول مطلق لازم آئی۔ ثانیا اسلئے کہ مشکوٰۃ ص ۴۰۹ پر ہے۔

عن ابی بن کعب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشعر حکمۃ (رواہ البخاری)

ابی بن کعب سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شعر حکمت والے ہوتے ہیں۔

اور صفہ ۲۱ پر ہے ان من الشعر حکما۔ اب سرفراز صاحب بتلائیں کہ جب حضور جانتے ہی نہیں کہ شعر کیا چیز ہے۔ تو پھر آپ نے یہ کیسے فرما دیا کہ بعض شعر حکیمانہ ہوتے ہیں۔ واضح امر ہے کہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ بعض شعر حکیمانہ ہیں۔ وہ جانتا ہوگا کہ شعر کس شئی کا نام ہے۔ ورنہ حضور کا یہ کلام ہی العیاذ باللہ صحیح نہ ہوگا۔ کہ جب آپ کو شعر کا علم ہی نہیں۔ تو اس کے حکیمانہ ہونے کا کیسے علم ہو گیا۔ نیز جب شعر آپ کیلئے مجہول مطلق ہے تو کیا مجہول مطلق پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔ کاش آپ نے مرقاۃ ہی سمجھ کر پڑھ لی ہوتی۔ تو آپ کو پتہ چلتا کہ موضوع اور محمول اور نسبت کا علم شرطا یا مشطرا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک کا بھی علم نہ ہوا۔ تو تصدیق یا قضیہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

ثالثاً مشکوٰۃ شریف صفہ ۴۱۱ پر ہے۔

عن عائشة قالت ذكر عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الشعر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هو كلام حسنه حسن وقبيحه قبيح۔	ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کے سامنے شعر کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون حسن ہو تو شعر حسن ہے اور اگر مضمون قبیح ہو تو شعر قبیح ہے۔

سبحان اللہ یہ ہے علم رسالت کی عظمتوں کا جیتا جاگتا نشان! معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شعر کے حسن اور اسکی قباحت پر اسکی صحت اور اس کی سقم پر مطلع تھے بلکہ آپ نے شعر کی صحت اور سقم جانچنے کا قیامت تک کے لئے قانون بنا دیا کہ جس کا مضمون درست ہو وہ درست ہے اور جس کا مضمون غلط ہو وہ غلط ہے۔ لیکن مولوی سرفراز صاحب کہتے ہیں

کہ آپ کے لئے شعر صحیح اور سقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی خالص تحریف ہے ۔

رابعاً اسلئے کہ اگر حضور شعر کے حسن و قبح پر مطلع نہ تھے اور آپ نے ہمیں اس کی ہدایت نہیں دی۔ تو لازم آئیگا۔ کہ اس باب میں اسلام کی ہدایات نامکمل ہوں۔ اگر آپ کے سامنے قبیح شعر پڑھا جائے۔ تو آپ اس سے روکیں گے یا نہیں۔ اگر نہ روکیں تو یہ منصب نبوت کے خلاف ہے اور اگر روکیں تو سرفراز صاحب کی کلی ٹوٹ گئی۔ اور ثابت ہوا کہ حضور شعر کے سقم اور اسکی قباحت پر مطلع ہیں ۔

خامساً یہ کہ حضور کا فرمان ہو کلام حسنہ حسن وقبیحہ قبیح۔ اس میں ہو ضمیر شعر کی طرف راجع ہے۔ اب سرفراز صاحب سے گذارش ہے کہ شعر کا حضور کو کسی وجہ سے علم ہے یا نہیں۔ اگر علم ہے۔ تو آپ کی کلی ایکبار پھر ٹوٹ گئی۔ اور اگر شعر کا حضور کو کسی وجہ سے علم نہیں۔ اور وہ مجہول مطلق ہے۔ تو اس کلام میں اس کا محکوم علیہ واقع ہونا کس طرح صحیح ہوگا۔ سُلّم میں ہے۔ المجهول المطلق يمتنع عليه الحكم۔

سادساً یہ کہ مشکوٰۃ شریف ص۴۱۰ پر ہے

انهٗ قال يارسول الله صلى الله عليه وسلم ماذا ترى فى الشعر فقال ان المومن يجاهد بسيفه ولسانه ۔	کعب بن مالک نے حضور سے عرض کیا کہ آپ شعر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں آپنے فرمایا کہ مجاہد اپنی تلوار اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے ۔

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب آپ پر وعلمناه الشعر وما ينبغى له۔ نازل ہوچکی تھی۔ اگر وما علمناه کے وہ معنی ہوتے جو سرفراز صاحب نے سمجھے ہیں۔ تو کعب بن مالک کا حضور سے شعر کا حکم دریافت

کرنا ہی لغو قرار پاتا ہے کیونکہ جب آپ شعر کو جانتے ہی نہیں تو اس کا حکم کیسے بتلا سکتے ہیں اور اگر کعب بن مالک نے بقولِ شما سوال کرنے کی غلطی کر ہی لی تھی۔ تو حضور فرما دیتے کہ میں تو شعر کا لغوی عرفی شرعی معنی ہی نہیں جانتا۔ اس کا حکم کیسے بتلاؤں گا۔

ساتواں یہ کہ علم اگر یہاں مطلق ادراک کے معنی میں لیا جائے۔ تو وہ خرابیاں لازم آئیں گی جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں۔ پس ثابت ہو گیا۔ کہ یہاں پر علم بمعنی ملکہ ہے۔ ملکہ طبیعت انسانیہ کے اس وصف کو کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسے کسی کام پر مکمل عبور ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی دشواری اور رکاوٹ کے وہ کام کر سکتا ہے۔ آسان لفظوں میں ہم اس کو مہارت اور عادت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کی عادت نہیں ڈالی یا شعر کہنے کی مہارت نہیں عطا کی۔ اور اس آیت کریمہ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے۔ کہ آپ کو شعر کا معنی نہیں آتا۔ اور آپ کلام شعری اور غیر شعری میں امتیاز نہیں کر سکتے۔

(دیکھئے روح البیان صـ۲۸۲ جلد ۳ پر ہے)۔

وفی التهذیب للبغوی من أئمتنا قیل کان علیه السلام یحسن الشعر ولا یقوله والاصح انه کان لا یحسنه ولکن کان یمیز بین جیده وردیه

ہمارے آئمہ سے امام بغوی تہذیب میں فرماتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام اچھی طرح شعر کہہ سکتے تھے۔ لیکن کہتے نہ تھے صحیح بات یہ ہے کہ آپ اچھی طرح شعر نہیں کہہ سکتے تھے لیکن آپ شعر کی صحت و سقم کے درمیان تمیز رکھتے تھے

کچھ سطر بعد علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں۔

والظاهر ان المراد وما ینبغی

اور یقینی امر یہ ہے کہ قرآن کریم کے

له من حيث نبوته وصدق لهجته ان يقول الشعر لان المعلم من عند الله لا يقول الا حقا وهذا لا ينافي كونه في نفسه قادرا على النظم والنثر ويدل عليه تميزه بين جيد الشعر ورديه اى موزونه وغير موزونه على ماسبق ومن كان مميزا كيف لا يكون قادرا على النظم فى الالهيات والحكم لكن القدرة لا تستلزم الفعل فى هذا الباب صونا عن اطلاق لفظ الشعر والشاعر الذى يوهم التخييل والكذب۔

فرمان وَمَا يَنبَغِي لَهُ کا مطلب یہ ہے کہ منصب نبوت کے اعتبار سے شعر کہنا آپ کے مناسب نہیں ہے کیونکہ معلم من اللہ سوا حق کے کچھ نہیں کہتا اور یہ نبی علیہ السلام کے فی نفسہ شعر گوئی پر قادر ہونے کے منافی نہیں۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ آپ شعر کے حسن و قبح کی تمیز رکھتے تھے. اور اسکے وزن اور قافیہ وغیرہ پر واقف تھے اور جو نظم کو جانتا ہو وہ اس پر قادر کیسے نہیں ہو سکتا کہ ان ہی مسائل اور احکام کو نظم میں بیان کرے لیکن قدرت اس باب میں فعلیت کو مستلزم نہیں ہے تاکہ احکام شرعیہ لفظ شعر اور شاعری کے اطلاق سے محفوظ رہیں کیونکہ یہ لفظ کذب اور تخیلات کا وہم پیدا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہو گیا۔ امام بغوی اور دیگر علماء اہل سنت کے نزدیک امر محقق یہ ہے کہ آپ کو شعر کا علم و ادراک تھا اور علامہ اسمٰعیل حقی کے نزدیک حق یہ ہے کہ آپ کو شعر کہنے پر قدرت بھی تھی۔ البتہ شعر کہنے کی مہارت نہ تھی پس ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ حضرت صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ اس آیت میں آپ سے ملکہ شعر کی نفی کی گئی ہے۔ وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ البتہ

بغض رسالت اور جہالت کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ ثامنا یہ کہ سرفراز صاحب نے ملکہ کی نفی کو تحریف پر محمول کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں علم کی نفی ہے۔ ملکہ کی نفی نہیں ہے۔ عرض یہ ہے کہ اگر آپ نے کچھ پڑھا نہیں تھا تو کس نے کہا تھا کہ آپ میدان تصنیف میں قدم رکھیں۔ دیوبند کے اس محقق کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ ملکہ اور علم میں تباین نہیں۔ بلکہ ملکہ علم ہی کا ایک معنی ہے۔ دیکھئے مختصر معانی ص ۳۸ اور مطول ص ۵۶ پر ہے هو علم ای ملکة۔ اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ علم کا معنی ملکہ بھی ہے پس اب علمنا میں علم کو ملکہ کے معنی میں لینا تحریف نہیں بلکہ تصریحات علماء کے مطابق ہے۔ ویسے آپ سے تو مشورۃً یہی کہا جائیگا کہ تنقید کرنے سے پہلے کسی سے مختصر اور مطول پڑھ لی ہوتی۔

تاسعًا سنئے کہ شعر کہتے ہیں۔ الکلام الذی قصد الی وزنہ یعنے شعر وہ کلام ہے جس میں وزن کو مقصود بنایا گیا ہو اور یہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے کلام موزون بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبد المطلب

ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

لا عیش الا عیش الاخرة　　　فاغفر الانصار والمهاجرة

اور اس جگہ یہ اشکال پیدا ہوا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ و ما علمناه الشعر۔ پس یہ شعر آپ نے کیسے پڑھے۔ تو مفسرین کرام نے اس کا جواب دیا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ تفسیر کبیر ص ۱۱۱ جلد ۷ پر ہے۔

ذالك لیس بشعر لعدم قصدہ الی الوزن والقافیة وعلی ھذا	یہ کلام موزون شعر نہیں ہے کیونکہ آپ کا قصد وزن اور قافیہ کی طرف

لو صدر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام کثیر موزون مقفی لایکون شعرا لعدم قصدہ اللفظ

نہ تھا پس اس بنا پر اگر نبی علیہ السلام سے کلام موزون کے کثیر افراد بھی صادر ہوں تو شعر نہ ہوں گے کیونکہ آپ قافیہ اور وزن کی طرف قصد نہیں کرتے تھے

اسی طرح اور مفسرین نے بھی جوابات دیئے ہیں۔ اب آپ غور فرمائیے۔ کہ مفسرین کرام نے کلام موزون کے ادراک کو وما علمناہ الشعر کے خلاف نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کے صدور کو وما علمناہ الشعر کے خلاف سمجھا ہے اور جواب کے درپے ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ تمام مفسرین کی مراد یہاں پر علم سے ملکہ ہے۔ نہ کہ مطلقاً ادراک جیسا کہ سرفراز صاحب نے سمجھا ہے۔

عاشراً یہ کہ خود علماء دیوبند نے تصریح کی ہے۔ کہ حضور اعلم الخلق ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے تھانوی صاحب بسط البنان کے اخیر میں لکھتے ہیں۔ کہ بفضلہ تعالےٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیہ والعملیہ ہونے کے باب میں یہ ہے۔ ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر! انتھی کلامہ

اور عقائد علماء دیوبند ص ۳۹ پر مولوی خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "ہم زبان سے قائل اور قلب سے معتقد اس امر کے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے ہیں"

اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں۔ کہ اگر حضور کو شعر گوئی کا علم نہ ہو تو بتلائیے کہ امت کے جن افراد کو شعر کا علم ہے ان کا علم اس جزئیہ میں حضور سے زائد ہوا یا نہیں پس حضور اعلم المخلوقات کیسے ہوئے

اب یا تو عقائد دیوبند کو باطل کہئیے یا اپنی بد عقیدگی سے توبہ کیجئے۔ ممکن ہے سرفراز صاحب یہ عذر پیش کریں۔ کہ شے قبیح کا علم حضور سے نفی کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ تو گذارش ہے کہ مطلقاً شعر تو مذموم نہیں ہے حضور نے خود فرما دیا ہے کہ ھو کلام حسنہ حسن و قبیحہ قبیح نیز اگر شعر مطلقاً مذموم ہے تو پھر حسان بن ثابت کے اشعار پر کیا فتویٰ لگائیگا۔ اور حضور جو حسان کو منبر پر بٹھا کر شعر سنا کرتے تھے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہو گا۔ اور سب کو چھوڑئیے۔ اپنے آباؤ اجداد کی شاعری کو کس کھاتے میں رکھئیے گا۔ قصائد قاسمی اور مرثیہ گنگوہی کس مد میں شامل ہونگے۔ پس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ مطلق شعر مذموم نہیں ہے۔ جس کا مضمون مذموم ہو وہ مذموم ہے اور جس کا مضمون حسن ہو۔ وہ حسن ہے۔ پس جن حسن اشعار کا علم افراد امت کو ہے اور حضور کو نہ ہو۔ تو اس علم میں یہ افراد امت حضور سے بڑھے یا نہیں۔ پھر آپ کے اعلم الخلق ہونے کا عقیدہ کس طرح سلامت رہے گا۔ افسوس اور صد افسوس کہ آپ اپنے احبار و رہبان کیلئے اشعار کا علم ثابت کرتے ہیں۔ اور حضور جو اعلم الخلق ہیں ان سے اس کے علم کی نفی کرتے ہیں سچ کہئیے کیا آپ نے اپنے دیوتاؤں کا مرتبہ حضور سے بڑھا نہیں دیا۔ بہر حال ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ علم بمعنی ادرک۔ آپ کیلئے ثابت ہے اور جو منفی ہے وہ علم بمعنے ملکہ ہے۔

سرفراز صاحب کے ایک اعتراض پر بحث کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس امر پر بھی روشنی ڈالی جائے، کہ آخر ملکہ شعر کو کیوں منافی نبوت قرار دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو وہ ہے جو ہم ابھی روح البیان سے نقل کر چکے ہیں۔ دوسری وجہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ارقام فرمائی۔

ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نثر میں الفاظ معنی کے تابع ہوتے ہیں اور نظم میں معنی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں۔ پس شاعر کی بالذات نظر الفاظ کی طرف ہوتی ہے۔ اور بالتبع معنی کی طرف اور نبی کا مقصود الفاظ نہیں۔ معنے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے نبی علیہ السلام کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا گیا۔

صدر الافاضل کا دوسرا جواب اور اس کی توضیح

وما علمنا ہ الشعر سے معتقدین دیوبند کے تنقیص علم پر استدلال کا دوسرا جواب صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے اس طرح دیا ہے۔ یا یہ کہ قرآن تعلیم شعر نہیں ہے اور شعر سے کلام کاذب مراد ہے۔ خواہ موزون ہو یا غیر موزون اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے علم اولین و آخرین تعلیم فرمائے گئے۔ جن سے کشف حقائق ہوتا ہے اور آپ کے معلومات واقعی اور نفس الامری ہیں۔ کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے۔ وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامن تقدس اس سے پاک ہے۔ انتھٰی

اب سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیے — وما علمناہ الشعر میں تو نفی ہے۔ اس سے علم اولین و آخرین کی تعلیم کے اشارے کا جوڑ خدا معلوم کیسے تھا۔ قرآن کریم کا یہ قطعی مضمون تو یہ بتلا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے مطلقاً شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ آپ کی شان کے لائق ہے۔ لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کہتے ہیں۔ کہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کو اولین و آخرین کے علوم کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔ نہ معلوم یہ اشارہ کیسے ثابت ہوا۔ انتھٰی کلامہ تنقید ص ۱۹۷

مفسرین نے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ قرآن شعر کی طرح

کلام کاذب نہیں۔ چنانچہ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی اپنی تفسیر میں اسی مقام پر لکھتے ہیں:۔ اس پیغمبر کو ہم نے قرآن دیا ہے۔ جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے۔ کوئی شعروشاعری کا دیوان نہیں دیا۔ انتھیٰ کلامہ

یعنی اللہ تعالےٰ نے آپ کو قرآن کی تعلیم دی جس میں علم اولین و آخرین موجود ہے نہ کہ کذب کی تعلیم دی ہے جو آپ کی شان کے لائق نہیں عقلمند آدمی کے لئے تو یہ واضح اشارہ ہے۔ البتہ گکھڑ کی عقل کا ہم ذمہ نہیں لیتے۔

صدر الافاضل کا تیسرا جواب اور اس کی تنقیح

صدرالافاضل رحمتہ اللہ علیہ اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اس میں شعر بمعنے کلام موزون کے جاننے اور اس کے صحیح و سقیم جید وردی کو پہچاننے کی نفی نہیں۔ بلکہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں طعن کرنے والوں کے لئے یہ آئیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم کائنات عطا فرمائے۔ اس کے انکار میں اس آئیت کو پیش کرنا محض غلط ہے۔ انتھیٰ کلامہ

سرفراز صاحب کی تنقید

ثالثاً یہ کہ کس آئیت اور خبر متواتر سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر ایک ذرہ اور ایک فرد بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہو علوم کائنات عطا فرمائے گئے تھے۔ تاکہ یہ آئیت کریمہ اس سے متعارض ہو۔ اور اس کو اس کے مقابلہ میں سند لانا صحیح نہ ہو۔ اور اس کو اس کے مقابلہ میں پیش کرنا محض غلط ہو۔ قرآن وحدیث میں تو کوئی ایک حوالہ بھی صریح اس پر موجود نہیں ہے۔ ہاں فی الجملہ علوم اولین و آخرین کا آپ کو عطا ہونا صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ مگر وہ بعض ہیں کل نہیں۔ انتھیٰ کلامہ۔

علم کلی۔ عام طور پر مبتدعین دیوبند نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کلی کو اپنی پھبتیوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ کو مبرہن کر دیا جائے۔ چنانچہ دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ ہر چیز قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور جو مذکور فی القرآن ہے۔ اس کا نبی علیہ السلام کو علم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر چیز کا نبی علیہ السلام کو علم ہے۔ قیاس کا صغری یہ ہے۔ کہ ہر شئے قرآن میں مذکور ہے اور اس پر قرآن کریم کی یہ آیت شاہد ہے

ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شئٍ۔	اور ہم نے آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی ہے۔ وہ ہر شئے کا بیان کرنیوالی ہے

اس آیت کا مرکز استدلال لفظ "کل" ہے اور تمام اصولیین کا اتفاق ہے۔ کہ لفظ کل الفاظ عموم میں سے ہے۔ چنانچہ تلویح ص۲۳۱ پر علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

اذا اضیف کل الی النکرۃ فھو لعموم افرادھا۔	جب لفظ کل کی نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ اپنے مضاف الیہ کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

اور آیت مذکورہ میں کل کی اضافت شی کی طرف ہے جو نکرہ ہے پس یہاں لفظ کل شئ کے ہر فرد کو شامل ہے۔ اور عام اپنے تمام افراد کو قطعی اور یقینی طور پر شامل ہوتا ہے۔ پس کوئی ظنی امر اس کا مخصص نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے تلویح ص۱۱۱ پر علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

وعند جمھور العلماء اثبات الحکم فی جمیع ما یتناولہ من الافراد	جمہور کے نزدیک عام کے تمام افراد کے لئے اس کا حکم قطعی طور پر ثابت

قطعاً و یقیناً عند مشائخ العراق وعامة المتاخرین

ہوتا ہے اور مشائخ عراق اور عامۃ متاخرین کا مذہب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احناف خبر واحد کو بھی عام کیلئے مخصص نہیں مانتے اور انہوں نے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ میں مَا کے عموم کیلئے لَا صَلوٰۃَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کو مخصص نہیں تسلیم کیا۔ بلکہ نور الانوار صٓ پر واشگاف الفاظ میں تصریح موجود ہے۔

لا یجوز تخصیص قوله ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه ومن دخله کان آمنا بالقیاس وخبر الواحد۔

اللہ تعالیٰ کے قول ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه اور من دخله کان آمنا کے عموم کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے جائز نہیں ہے۔

برہانِ قاطع سے یہ امر واضح ہو گیا کہ نزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شئی میں کل کا عموم قطعی ہے جس کے لئے کوئی خبر واحد یا قیاس بھی مخصص نہیں بن سکتا۔ پس قطعی طور پر ثابت ہو گیا۔ کہ قرآن کریم ہر چیز کو شامل ہے۔ دیکھئے روح المعانی پ۶ صٓ[140] پر علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں۔ والتحقیق عندای ان جمیع ما عند النبی صلی الله علیه وسلم من الاسرار الهیة وغیرها من الاحکام الشریعة قد اشتمل علیه القرآن المنزل فقد قال سبحانه ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شئی وقال تعالی ما فرطنا

اور میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے اسرار الہیہ، احکام شرعیہ یا جو کچھ بھی بیان فرمایا ہے۔ ان تمام پر قرآن مشتمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی۔ جو ہر چیز کا بیان کرتی ہے۔ نیز فرمایا۔ ہم نے اس کتاب میں کسی شئی

في الكتاب من شئ وقال صلى الله
عليه وسلم فيما اخرجه الترمذي
وغيره ستكون فتن قيل وما
المخرج منها قال كتاب الله تعالٰى
فيه نبأ ما قبلكم وخبر ما بعد
كم وحكم ما فيكم واخرج ابن
جرير عن ابن مسعود قال انزل
في هذا القرآن كل علم وبين لنا فيه
كل شيء ولكن علمنا يقصر عما
بين لنا في هذا القرآن۔

کے بیان میں کمی نہیں کی ہے اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب
فتنے ظاہر ہونگے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ
ان کا مخرج کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔
کتاب اللہ اس میں تم سے پہلوں اور
پچھلوں کی خبریں ہیں اور تمہارے لئے
احکام ہیں اور ابن جریر نے ابن مسعود
سے روایت کی ہے کہ انہوں نے
فرمایا اس قرآن میں ہر شئی کا علم
ہے۔ اور ہر چیز کا بیان ہے لیکن ہماری
عقول قرآن کریم سے انکو اخذ کرنے سے قاصر ہیں۔

اور علامہ سیوطی اتقان ج ۲ ص ۱۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وقال الشافعي مرة بمكة سلوني
عما شئتم اخبركم عنه في كتاب الله
الى ان قال وقال ابن ابي الفضل
المرسي في تفسيره جمع القرآن
علوم الاولين والاخرين بحيث
لم يحط بها علماً حقيقة الا المتكلم
بها ثم رسول الله صلى الله عليه وسلم
خلا ما استاثر به سبحانه تعالى
ثم ورث عنه معظم ذالك

امام شافعی نے فرمایا مجھ سے جو چیز
پوچھو تو میں تمہیں وہ قرآن میں دکھا
دونگا۔ اور ابن ابی الفضل مرسی نے
اپنی تفسیر میں کہا کہ قرآن تمام علوم اولین
وآخرین کو جامع ہے جن کے علم کا
حقیقت میں سوائے اللہ کے کسی نے احاطہ
نہیں کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے سوا ان امور کے جو اللہ کے ساتھ
خاص ہیں۔ پھر کبار صحابہ اس علم سے

سادات الصحابة واعلامهم
مثل الخلفاء الاربعة وابن مسعود
وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم حتی
قال لو ضاع عقال بغیر لوجدته
فی کتاب اللہ

وافر حصہ کے وارث ہوئے مثل
خلفائے راشدین کے اور حضرت
ابن مسعود اور ابن عباس کے اور
اور ابن عباس نے تو یہاں تک فرمایا
کہ اگر میرے اُونٹ کی رسی گم ہو جائے
تو میں اسے بھی قرآن میں پا لوں گا۔

علامہ آلوسی حنفی اور امام سیوطی شافعی کی ان تقریروں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ قرآن کریم میں کل اشیاء کا بیان اور علم موجود ہے اور یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ بعض مفسرین نے تبیانا لکل شئی کی صرف احکام شرعیہ کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ کل کا عموم قطعی ہے اور اسکی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی نہیں ہو سکتی تو بعض مفسرین کے اقوال اس کے مخصص کس طرح ہو سکتے ہیں پس بحمد اللہ یہ امر صاف اور مبرہن ہو گیا۔ کہ قرآن کریم میں کل اشیاء کا بیان ہے اور اجماعا ثابت ہے۔ کہ قرآن کریم میں جس امر کا بھی بیان ہے۔ نبی علیہ السلام کو اس کا علم حاصل ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ نبی علیہ السلام کو کل اشیاء کا علم حاصل ہے اور اسی علم کو علم کلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ثانیا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت اسی شخص کو حاصل ہو گی۔ جسے مخلوق کا مکمل علم حاصل ہو۔ دیکھئے امام رازی تفسیر کبیر ص۲۷ ج ۴ پر وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض کے تحت فرماتے ہیں۔

لیس المقصود من اراءة
اللہ ابراہیم ملکوت السموات

ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور
زمین کی تمام نشانیاں دکھانے سے

والارض هو مجرد ان یری ابراهیم هذا الملکوت بل المقصود ان یراها فیتوسل بها الی معرفة جلال الله تعالیٰ وقدسه وعلو وعظمة۔

یہ مقصد نہ تھا کہ صرف انہیں کا علم حاصل ہو۔ بلکہ مقصود یہ تھا کہ انہیں ان نشانیوں کے علم سے اللہ تعالےٰ کی جلال ذات اور اس کی عظمت کی معرفت حاصل ہو۔

اور علامہ آلوسی حنفی روح المعانی ص۱۷۲ پ پر فرماتے ہیں۔

وانت تعلم ان رؤیة الربوبیة انما هی برؤیة دلائلها وآثارها

اور تو خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت اس کے دلائل اور مظاہر قدرت کی معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے

پس اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ حاصل ہے۔ تو آپ کو حضور کے لئے علم کلی بھی ماننا پڑیگا۔ ثانیاً۔ اسلئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے تمام کائنات کا علم عطا فرمایا۔ تو اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم سے مفضول نہیں سمجھتے تو آپ کو حضور کیلئے بھی علم کلی ماننا پڑیگا۔ دیکھئے امام رازی تفسیر کبیر ص۳۷ جلد ۴ پر فرماتے ہیں۔

ان الله اراه الملکوت بالعین قالوا ان الله تعالیٰ شق له السموات حتی رای العرش والکرسی الی حیث ینتهی فوقیة العالم الجسمانی وشق له الارض الی حیث ینتهی الی السطح الاخر من العالم الجسمانی

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم کو تمام ملکوت ان کی آنکھ سے دکھلائے یہانتک کہ تمام آسمانوں کے پار انہیں عرش اور کرسی دکھلایا۔ غرضیکہ جہت فوق میں جو کچھ بھی تھا۔ وہ دکھلایا پھر جہت تحت میں جو کچھ بھی تھا وہ دکھلایا

وارای مافی السمٰوات من العجائب فی البدائع وارای مافی باطن الارض من العجائب والغرائب

اور آسمان و زمین کے عجائب و غرائب بھی اس طرح دکھلاتے جیسے ان کی ظاہری نشانیاں دکھلائی تھیں۔

اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا۔ کہ مخلوق کا کلی علم خالق کی کامل معرفت کا ذریعہ ہے پس جبکہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس علم کلی سے بہرہ مند فرمایا۔ تو نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ کیونکر متصور ہے کہ انہیں یہ علم حاصل نہ ہو۔ بلکہ نبی علیہ السلام کو یقیناً اس سے کہیں زیادہ علم حاصل تھا کیونکہ جب آپ کو خالق کی معرفت تمام انبیاء سے اتم اور اکمل درجہ میں حاصل ہے۔ تو ضروری ہوا کہ مخلوق کا علم بھی آپ کو سب سے زیادہ حاصل ہو۔ رابعاً یہ کہ امام رازی اسی مقام پر فرماتے ہیں کہ انسان پر جب تک حجابات بشریہ چھائے رہتے ہیں۔ وہ علم و عرفان سے دور رہتا ہے۔ اور جب حجابات بشریہ زائل ہو جاتے تو وہ نور جلال ذات کی روشنی میں کل اشیاء کو دیکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ص ۷۲ ج ۴۔

وکل ما سوی اللّٰه فهو حجاب عن اللّٰه تعالیٰ فلما زال ذالك الحجاب لاجرم تجلی له ملكوت السمٰوات بالتمام قوله وكذالك نری ابراهیم ملكوت السمٰوات معناه وبعد زوال الاشتغال لغیر الله حصل له نور تجلی جلال الله تعالیٰ۔

اور ہر ما سوی اللہ اللہ تعالیٰ سے حجاب ہے پس جب یہ حجاب زائل ہو جاتا ہے تو ملکوت السمٰوات بالتمام منکشف ہو جاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ کے قول وکذالک نری ابراہیم الخ کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم سے اشتغال بغیر اللہ زائل ہو گیا۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ کے نور جلال کی تجلی بالتمام حاصل ہو گی

پس جو لوگ نبی علیہ السلام کیلئے علم کلی نہیں مانتے۔ کیا ان کے خیال میں آپ کی ذات مقدسہ پر حجابات پڑے ہوئے ہیں۔ نیز جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علو شان کا یہ مرتبہ ہے کہ نور جلال سے تمام حقائق ان پر منکشف ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المرسلین ہیں۔ ان کے علم کی عظمتوں کا کیا عالم ہو گا۔

خامسًا ملا علی قاری حنفی مرقات ص۶۲ ج اپر تحریر فرماتے ہیں

للغیب مبادی ولواحق فمبادیہ لا یطلع علیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل واما اللواحق فھو ما اظھرہ اللہ علی بعض احبائہ لوحۃ علمہ وخرج ذالک عن الغیب المطلق وصار غیبا اضافیا وذالک اذا تنور الروح القدسیۃ وازداد نورھا واشراقھا بالاعراض عن ظلمۃ عالم الحس وتخلیۃ القلب عن صدء الطبیعۃ والمواظبۃ علی العلم والعمل وفیضان الانوار الالٰھیۃ حتی یقوی النور وینبسط فی فضاء قلبہ فتنعکس فیہ النقوش المرتسمۃ فی اللوح المحفوظ ویطلع

غیب کے مبادی بھی ہیں اور لواحق بھی لیکن مبادی پر نہ کوئی ملک مقرب اطلاع پاتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل باقی رہے لواحق تو ان کو اللہ تعالیٰ اپنے بعض احباء پر انکے عمل کے مطابق مطلع فرماتا ہے۔ اور یہ غیب اضافی ہے کیونکہ جب روح قدسیہ منور ہو جاتی ہے۔ اور عالم حس کی ظلمت سے اعراض کرنے آئینہ دل کو طبیعت کے زنگ سے صاف کرنے اور علم و عمل اور مواظبت اور فیضان انوار الٰہیہ کی وجہ سے یہ نور اور زیادہ قوی ہو کر فضاء قلب پر چھا جاتا ہے پس دل میں لوح محفوظ کے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں۔ اور اسے

على المغيبات ويتصرف فى اجسام العالم السفلى بل يتجلى حينئذ الفياض الاقدس بمعرفة اللتى هى الشرف العطايا فكيف بغيرها۔	مغیبات پر مطلع ہو جاتا ہے اور عالم سفلی کے اجسام میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ اس کے دل پر اللہ تعالےٰ کی تجلیات وارد ہوتی ہیں اور اسے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو

جاتی ہے جو اشرف عطایا ہے تو اور کوئی چیز اس سے کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔

ملا علی کی اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ صالحین کاملین اور عارفین باللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مخفی نہ رہی تو اور کوئی چیز کیسے مخفی رہ سکتی ہے اور یہی علم کلی ہے۔ پس یہ علم جب عام صالحین کاملین کو حاصل ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام کاملین اور عارفین کے سرتاج ہیں انہیں یہ علم کیونکر نہ حاصل ہوگا۔

مشکوٰۃ شریف صـ۶۹ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فعلمت مافى السمٰوات والارض	پس میں نے جان لیا ہر چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں تھی۔

اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات صـ۳۳۳ جلد ۱ پر فرماتے ہیں۔

ایں عبارات است از حصول تمام علوم جزوی کلی واحاطہ آں	آپ کا یہ قول اس سے عبارت ہے کہ آپکو تمام جزوی وکلی علوم حاصل ہو گئے اور آپنے انکا احاطہ کرلیا

اور مرقاۃ صـ۲۱۰ جلد ۲ پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر مکی کا کلام ذکر کیا۔

وقال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السموات بل ومافوقها کما یستفاد من قصۃ المعراج والارض هی بمعنی الجنس ای وجمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتها۔

ابن حجر نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے جمیع کائنات کو جان لیا جو آسمانوں میں ہے بلکہ اس سے اوپر بھی جیسا کہ قصہ معراج سے مستفاد ہے اور ارض کا لفظ حدیث میں جنس کے معنی میں ہے یعنی سات زمینوں بلکہ اس سے بھی نیچے جو حقائق تھے ان تمام کو جان لیا۔

اور مشکوٰۃ شریف صـ۷۱ پر ایک اور روایت درج کی ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فتجلی لی کل شیء

پس ہر چیز میرے لئے منکشف ہو گئی

اس حدیث میں بھی کل کا مضاف الیہ نکرہ ہے پس معلوم ہوا کہ آپ کو شئی کے جمیع افراد کا علم حاصل ہے۔

اور اس کے تحت شیخ محقق نے اشعۃ صـ۳۴۳ ج ۱ پر فرمایا۔

پس ظاہر شد وروشن شد مرا ہر چیز از علوم وشناختم ہمہ را۔

پس مجھ پر تمام علوم ظاہر ہو گئے اور میں نے سبکو پہچان لیا۔

بحمد اللہ ہم نے قرآن کریم احادیث اور اقوال محققین علماء کی روشنی میں نبی علیہ السلام کے علم کلی کو واضح تر بیان کر دیا ہے۔ البتہ منکرین اور متعصبین کی ضد ہٹ دھرمی اور عناد رسول کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔

علم الٰہی اور علم رسول میں فرق

مسئلہ علم کلی میں عام طور پر معتقدین یہ کہا کرتے ہیں کہ جب کل اشیا کا علم حضور کیلئے مان لیا۔ تو پھر آپ کا علم اللہ کے علم کے مساوی ہوگیا اس لئے اس مقام پر علم کلی کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ علم کلی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو خدا کا علم کلی ہے۔ وہ حضور کو تمام حاصل ہے۔ بلکہ مخلوقات اور لوح محفوظ کے کلی علوم حضور کو حاصل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم لوح محفوظ میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ کروڑوں الواح بھی اللہ تعالےٰ کے علوم غیر متناہیہ کی متحمل نہیں ہوسکتیں ہمارا اعتقاد ہے کہ حضور کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے کل علم کا مماثل ہے نہ بعض کا بلکہ ایک ذرہ کے علم میں بھی حضور اور خدا کے علم کی مماثلت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے۔ اور ان غیر متناہی وجوہ میں سے ہر وجہ کا پھر غیر متناہی وجوہ سے علم ہوتا ہے۔ و ہکذا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں غیر متناہی علوم کے تسلسل ہیں۔ اور اس کے علم کی وسعت کسی انسانی دماغ میں آہی نہیں سکتی۔ دیکھئے امام رازی ص ۷۳ جلد ۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

معلومات اللہ تعالےٰ غیر متناھیۃ ومعلوماتہ فی کل واحد من تلک المعلومات ایضا غیر متناھیۃ

اور اللہ تعالےٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں اور ان معلومات غیر متناہیہ میں سے ہر معلوم پھر غیر متناہی وجہ سے معلوم ہے۔ و ہکذا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اعتقاد کے مطابق تمام مخلوقات کے علم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں وہ نسبت ہے جو قطرے کو سمندر سے

ہے۔ یعنی تمام مخلوقات کا علم بمنزلہ قطرہ ہے اور ان کے مقابلہ میں حضور کا علم بمنزلہ سمندر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ایسی بھی نہیں۔ جیسے قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم کو سمندر قرار دیا جائے اور حضور کے علم کو اس کے مقابلہ میں قطرہ قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ قطرہ بھی متناہی ہے اور سمندر بھی اور یہ متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے ہے۔ اور حضور کے علم اور اللہ تعالیٰ کی نسبت متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضور کے علم میں جس طرح کم اور مقدار میں کوئی مماثلت نہیں ہے اسی طرح کیف اور صفت کے لحاظ سے بھی کسی مماثلت کا تصور نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حادث اور جائز الزوال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور ممتنع الزوال ہے پس ظاہر ہو گیا کہ حضور کے علم کلی کو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ نہ کم کے اعتبار سے مماثلت ہے نہ کیف کے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور کیلئے علم کلی ماننے سے آپ کے علم کلی کی خدا کے علم سے مساوات لازم آجاتی ہے۔ ان کے جواب میں ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ماقدروا اللہ حق قدرہٖ۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضور کے علم کلی کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کا کل علم آپ کو حاصل ہے۔ بلکہ مخلوق کا کل علم آپ کو عطا کیا گیا اور اسکی تکمیل نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً ہوئی۔ اور جن احادیث کا یہ مفاد ہے کہ تمام حقائق آپ پر دفعۃً منکشف ہو گئے تھے۔ وہ تدریج کے منافی نہیں ہے، کیونکہ عالم کے احوال اور صفات یوماً فیوماً بدلتے رہتے ہیں، پس آسمان و زمین کے تمام حقائق آپ پر پیش کئے گئے اور آپ نے

انہیں جان لیا اور ان کی تفصیلات پر آپ کو تدریجا اطلاع ہوئی۔

سرفراز صاحب کے بے سروپا شبہات

ص ۱۹۷ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ "رابعا کیا ملکہ اور کلام کاذب غیر نفس الامری باتیں ہیں۔ اس جہاں میں نہیں ہوتیں۔ اور آخر ان کی نفی بھی تو غیب کے منافی ہے۔ پھر غیب کلی کا دعوی کیونکر صحیح ہوا۔"

سرفراز صاحب نے اپنے اس اعتراض میں حماقت خیزی کی انتہا کر دی۔ صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے شعر کے ملکہ کی نفی کی ہے یعنی آپ کو شعر بنانے کی مہارت نہیں ہے۔ اس سے علم کلی کی نفی کس طرح لازم آگئی۔ یہ تو ایسا ہی ملازمہ ہے کہ کوئی کہے۔ چونکہ حضور کو آسمان و زمین بنانے کی مہارت نہیں ہے اسلئے آپ کو علم کلی نہیں۔ ثانیا یہ کہ صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے ملکہ کی نفی کی ہے۔ ملکہ کے ادراک کی نفی تو نہیں کی ہے۔ حتی کہ آپ اس کی نفی سے علم کلی کی نفی کریں۔

اسی طرح کلام کاذب کی نفی سے علم کلی کی نفی کرنا بھی سراسر حماقت ہے یہ بات اس وقت تو کہی جا سکتی تھی جب صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہوتا۔ کہ آپ کو اللہ تعالے نے کلام کاذب کا علم ادراک نہیں عطا کیا۔ حالانکہ صدر الافاضل تو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے نے آپ کو کذب کی تعلیم نہیں دی۔ یعنی جھوٹ بولنا نہیں سکھایا۔ اس سے علم کلی تو کجا۔ علم جزوی کی بھی نفی نہیں ہوتی۔ اور اگر آپ کے ہاں تعلیم کذب کی نفی سے علم کی نفی ہوتی ہے۔ تو ہمیں بھی کہنے دیجئے کہ آپ کے ماں باپ اور اساتذہ نے جھوٹ بولنا نہیں سکھایا۔ اسلئے ثابت ہوا کہ آپ بے علم اور جاہل ہیں ۔

انبیاء سابقین کے متعلق حضور کا علم

سرفراز صاحب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے دوسری دلیل قائم کی

ورسلا قد قصصنا علیك من قبل ورسلا لم نقصصهم علیك

اور کتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں جنمیں بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیئے ہیں۔ اوران میں سے بعض کے حالات نہیں بتائے۔

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض انبیاء کرام علیہ السلام کے حالات کا علم عطا نہیں کیا۔ انتھیٰ تنقید ص ۱۹۸

اس آیت کریمہ میں نبی علیہ السلام کے ماضی میں جاننے کی نفی ہے۔ اور ماضی میں کسی امر کی نفی سے مستقبل میں اسکی نفی لازم نہیں آتی اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہو کہ ماضی میں نفی سے مستقبل میں نفی لازم آجاتی ہے۔ تو پھر ہمیں بھی یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ سرفراز صاحب چونکہ بچپن میں جاہل تھے۔ لہذا آج بھی جاہل ہیں اور ہمیشہ جاہل رہیں گے۔ اسی طرح آپ کے حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی اور آپ کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی چونکہ بچپن میں جاہل اور بے علم تھے۔ اسلئے مرتے مرتے جاہل اور بے علم رہے۔ سرفراز صاحب ذرا ہوش میں آئیے۔ آپ نبی علیہ السلام کے علم کی نفی کرنے میں اس طرح بوکھلا کیوں گئے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں تدریجا الی حین الوصال مکمل ہوا۔ اگر آپ واقعی حضور کی لاعلمی ثابت کرنا چاہتے

ہیں تو یہ ثابت کیجئے کہ فلاں شئی کا علم آپ کو اخیر وقت تک نہیں ہوا۔ متبدعین کی پوری جماعت کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ اس طور پر آپ کی بے علمی ثابت کرے۔ دیدہ باید۔

ماضی میں کسی امر کی نفی کو لیکر یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کو اس کا علم اخیر وقت تک نہیں ہوا۔ جہالت کی بدترین مثال ہے۔

دیکھئے روح المعانی ص ۱۶۔ پ ۶ پر اسی آئت کے تحت علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں۔

نفی قصھم من قبل لا یستلزم نفی قصھم مطلقا فان نفی الخاص لا یستلزم نفی العام فیمکن ان یکون قصھم علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد

انبیأ علیہ السلام کے قصص کی ماضی میں نفی مطلقاً ان کے قصص کی نفی کو مستلزم نہیں ہے پس ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعد میں انکے قصص کو بیان فرمایا ہو اور آپنے انکو جان لیا ہو

تواضع کی تحقیق

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے لا اقول لکم عندی خزائن اللہ کے تحت فرمایا۔

مفسرین کا یہ بھی قول ہے کہ حضور کا لا اقول لکم الآیۃ فرمانا بطریق تواضع کے ہے (خازن۔ مدارک و جمل وغیرہ) انتہیٰ کلامہ۔

اس کلام پر سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمایئے۔ رہا تواضع کا مسئلہ تو بیشک بعض مفسرین کرام نے لا اعلم الغیب کو تواضع پر حمل کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع اور اظہار عبودیت پر حمل کیا ہے تو یہ درست

نہیں ہے۔ بل ھو لیس بشئ کما لا یخفی (روح المعانی ص۱۴۵ ج ۷)
بلکہ یہ تو بالکل ہیچ ہے۔ اور لا یعبا بہ کے درجہ میں ہے۔ اور صاحب مواقف (ص۱۰۱) میں لکھتے ہیں کہ لا نسلم انہ فی معرض التواضع ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ تواضع پر محمول ہے۔ تنقید متین ص۲۰۳ انتھیٰ کلامہ

سرفراز صاحب آپ اپنے حلقہ میں اہل علم سمجھے جاتے ہیں اور بدقسمتی سے لوگ آپ کو علماء کی صف میں شمار کرتے ہیں۔ پھر کچھ تو خدا خوفی اور آخرت کا خیال کیا ہوتا۔ اس قسم کی شرمناک خیانت اور بددیانتی سے آپ کب تلک مبتدعین دیوبند کا بھرم قائم رکھیں گے۔ صاحب روح المعانی اور صاحب مواقف کی طرف آپ نے خلاف واقعہ یہ نسبت کی ہے۔ کہ انہوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع پر محمول کرنے کو غلط قرار دیا ہے، اگر واقعی ایسا ہی تھا تو آپ نے روح المعانی اور مواقف کے مجمل حوالے کیوں دیئے۔ اور ان کی عبارتیں کیوں پیش نہیں کیں۔ کیا اسلئے کہ اگر وہ عبارتیں سامنے آجاتیں تو آپ کے جھوٹ کا راز فاش ہو جاتا۔

قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ شرح مواقف ص۱۰۱ پر جس کا سرفراز صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ ایسی کوئی عبارت نہیں جس میں لا اعلم الغیب کو تواضع پر محمول کرنے کو ہیچ یا لا یعبا بہ کہا ہو بلکہ انہوں نے لا اقول لکم انی ملک کے بارے میں کہا ہے کہ یہ تواضع پر محمول نہیں ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ معتزلہ اس کے قائل ہیں۔ کہ ملائکہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوتے ہیں۔ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور نے تواضعاً فرمایا ہے کہ لا اقول لکم انی ملک کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ فرشتہ کا مقام نبی سے اونچا ہوتا ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

خود سے ملکیت کی نفی کر کے تواضع نہ فرماتے۔ چنانچہ صاحب مواقف اور صاحب روح المعانی دونوں نے اس دلیل کا رد کیا۔ اور فرمایا لا اقول لکم انی ملک کو تواضع پر محمول کرنا ہم تسلیم نہیں کرتے تاکہ ملائکہ کی انبیاء پر فضیلت ثابت ہو۔ اب ہم آپ کے سامنے مواقف اور روح المعانی کی عبارات پیش کرتے ہیں۔

احتج الخصم علی تفضیل الملائکۃ بوجوہ عقلیۃ ونقلیۃ الی ان قال اما الوجوہ النقلیۃ فسبعۃ الاول ولا اقول لکم انی ملک فی معرض التواضع والجواب لا نسلم انہ فی معرض التواضع۔ شرح مواقف ص

مخالف نے ملائکہ کی فضیلت پر عقلی اور نقلی دلائل سے استدلال کیا۔ بہرحال وجوہ نقلیہ سات ہیں پہلی یہ ہے۔ کہ حضور نے معرض تواضع میں فرمایا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ کلام تواضعاً فرمایا تھا۔

مواقف کے بعد اب صاحب روح المعانی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

وخص ابن عباس رضی اللہ عنہما الغیب بعاقبۃ مایصیرون الیہ ای لا ادعی ذالک ولا ادعی ایضا الملکیۃ حتی تکلفونی من الافاعیل الخارقۃ للعادات مالا یطیقہ البشر من الرقی فی السماء ونحوہ وتعدوا عدم اتصافی بصفاتہم قادحا فی امری کما ینبئ عنہ قولہم

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت میں غیب کو کفار کے انجام کے ساتھ خاص کر لیا یعنی میں اسکے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ ہی میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ تم مجھکو افعال خارقہ کا مکلف کرو کہ میں آسمان پر چڑھ جاؤں یا تم ملکی صفات سے میرے نہ موصوف ہونے کو میری نبوت میں طعن کا موجب

ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ولیس فی الآیۃ علی ھذا دلیل علی تفضیل الملائکۃ علی الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فیما ھو محل النزاع کما زعم الجبائی لانہا انما وردت ردا علی الکفار فی قولھم مالھذا الرسول الی ان قال وھذا الجواب اظھر مما نقل عن القاضی ذکریا من ان ھذا القول منہ صلے اللہ علیہ وسلم من باب التواضع واظہار العبودیۃ نظیر قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لاتفضلونی علی ابن متی بل ھو لیس بشئی کما لا یخفی۔ روح المعانی ص ۱۳۵ پ

قرار دو جس طرح کفار نے طعن کرتے ہوئے کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ یہ بازار میں چلتا ہے اور کھانا کھاتا ہے اور اس آیت میں تفضیل ملائکہ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جیسا کہ جبائی نے سمجھا کیونکہ یہ آیت کفار کے قول مذکور کے رد میں نازل ہوئی ہے اور یہ جواب قاضی ذکریا کے اس جواب سے زیادہ ظاہر ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس قول کا تواضع پر مبنی ہونا ایسا ہے جیسے آپ نے فرمایا کہ مجھے ابن متی پر فضیلت مت دو کہ بلکہ یہ جواب تو بالکل ہی کمزور ہے۔

روح المعانی کی اس عبارت سے بالکل واضح ہو گیا کہ علامہ آلوسی معتزلہ کے استدلال کو رد کر رہے ہیں کہ لا اقول لکم انی ملک سے فضیلت ملائکہ پر استدلال کرنا غلط ہے اور قاضی ذکریا نے جو تواضع کا یہ جواب دیا کہ اس قول کی تواضع ایسی ہے۔ جیسے لا تفضلونی علی ابن متی میں تواضع ہے کہ اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور حضرت یونس سے افضل نہ ہوں پس ایسے ہی لا اقول الخ میں تواضع سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ملائکہ سے افضل

نہ ہوں۔ آپ دیکھئے کہ اس پوری عبارت میں کہیں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں جس میں لا اعلم الغیب کو تواضع پر محمول کرنے کا رد کیا گیا ہو۔ پس سرفراز کے اس جھوٹ پر ہم سوائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ آیئے ہم اب ہم آپ کے سامنے خود روح المعانی سے اس امر کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ نفی غیب کو تواضع پر محمول کرنا صحیح اور درست ہے۔ روح المعانی ص۱۲۱ پ۹ پر علامہ آلوسی اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور نے باوجود کثیر غیوبات جاننے کے اپنی ذات سے علم کی نفی کیوں کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وفی لباب التاویل للخازن ان الجواب عن ذالك انه يحتمل ان يكون هذا القول منه عليه الصلوٰة والسلام على سبيل التواضع والادب والمعنى لا اعلم الغيب الا ان يطلعنى الله تعالىٰ عليه ويقدره لى ويحتمل ان يكون قال ذالك قبل ان يطلعه الله تعالىٰ على الغيب فلما اطلعه اخبر به او يكون خرج هذا الكلام مخرج الجواب عن سوالهم ثم بعد ذالك اظهره الله تعالىٰ على اشياء من المغيبات

یہ بھی محتمل ہے کہ نبی علیہ السلام نے علم غیب کی نفی تواضعا کی ہے (اور تواضع سے کذب لازم نہیں آتا) کیونکہ تواضع کا معنی یہ ہے کہ میں خدا کے بتلائے بغیر غیب کو نہیں جانتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے غیب پر مطلع ہونے سے پہلے نفی کی ہو۔ اور اطلاع پاکر غیوب کی خبر دی ہو یا نبی علیہ السلام کا یہ کلام کفار کے سوال کے جواب میں ہو۔ اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغیبات کی خبر دی تاکہ وہ آپ کا معجزہ اور صحت

لیکون ذالك معجزۃ له ودلالة علی صحة نبوته صلی اللہ علیہ وسلم انتھٰی۔ وفیه تامل وکلام بعض المحققین یشیر الی ترجیح الاول

نبوت کی دلیل قرار پائے۔ خازن کا کلام ختم ہوا اور اس کلام میں تامل کرنا چاہیئے اور بعض محققین کا کلام پہلے جواب (یعنی تواضع) کی ترجیح کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

خازن کے جس جواب کا صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے وہ جواب اور اس پر علامہ آلوسی کا تبصرہ ہم نے ہدیۂ قارئین کر دیا ہے تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ علامہ آلوسی تواضع والے جواب کو رد کر رہے ہیں۔ یا اسکو ترجیح دے رہے ہیں۔

صدر الافاضل نے خازن۔ مدارک اور جمل کا حوالہ پیش کیا تھا پس جوبات صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ وہ حرفاً حرفاً ثابت ہے۔ اور جن کے حوالے صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے دیئے ہیں ان کے علاوہ اور دوسرے مفسرین نے بھی تواضع کا قول کیا ہے جن میں سے ایک امام فخر رازی بھی ہیں۔ تواضع کے قول کو سرفراز صاحب رد کرتے ہوئے تنقید ص۲۰ پر لکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تو حاصل تھا لیکن آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا کہ لا اعلم الغیب میں غیب نہیں جانتا تو کیا دیدہ دانستہ خلاف واقعہ بات کہنا جھوٹ ہے (معاذ اللہ تواضع) انتھی کلامہ

افسوس ہے کہ ڈاڑھی سفید ہونے کو آئی۔ لیکن آپ کو ابھی تک تواضع کے معنی کا بھی پتہ نہیں چلا۔ کاش آپ بریلی کے کسی ادنیٰ طالبعلم

کی ہی شاگردی کر لیتے۔ تو آپ کو تواضع کی سمجھ آجاتی۔ اور بڑھاپے میں یہ ذلت نہ اُٹھانی پڑتی۔ سنیئے جناب من! تواضع کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا کے علم کی عظمتوں کے مقابلہ میں اپنے علم کی نفی فرما رہے ہیں۔ کہ اے بار الٰہہ تیرے علم کی وسعتوں کے مقابلہ میں میرا علم کچھ بھی نہیں ہے نہ یہ کہ فی نفسہٖ کچھ بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ کو اسے کذب کہنے کی جرأت ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے آپ سے تو کسی غیب کو بھی نہیں جانتا الّا یہ کہ اللہ تعالےٰ میری رہنمائی فرمائے۔ اور یہی معنی علامہ خازن نے بیان کیا ہے کہئے سرفراز صاحب۔ اب سمجھ میں آیا آپ کی تواضع کس کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔ ہم تو ہر حال میں آپ کے دعاگو ہیں۔

منافقین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم الآیۃ

(اعلیٰحضرت اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں) اور کچھ مدینہ والے ان کو خو ہو گئی ہے نفاق کی تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔

چونکہ مبتدعین دیو بند اس آیت سے بھی معصوم ذہنوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم نہ تھا۔ صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے شبہات کو زائل کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہو۔ وہ ہمارا جاننا ہے کہ ہم انہیں عذاب کریں گے۔ یا حضور سے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق کے ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ولتعرفنھم فی لحن القول (جمل)۔ کلبی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ خطبہ کیلئے قیام کر کے نام بنام فرمایا۔ نکل اے فلاں تو منافق ہے نکل اے فلاں تو منافق ہے۔ تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو اس کے بعد منافقین کے حال کا علم عطا فرمایا گیا۔ انتھی کلامہ۔

اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ نہ معلوم ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہوا۔ یہ کس لفظ کا معنی اور تفسیر ہے۔ اور "انہیں معلوم ہو" سے کون

مراد ہے۔ الفاظ تو بالکل واضح ہیں۔ کہ مدینہ کے کچھ لوگ نفاق کے ایسے خوگر ہیں۔ جن کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں۔ ہم ہی جانتے ہیں جو اپنے مفہوم میں قطعی الدلالتہ ہے۔ اس میں کوئی احتمال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ تنقید متین صفحہ ۲۰۲۔

صدر الافاضل کے جواب کی توضیح

صدر الافاضل کی اس تفسیر کا مطلب حقیقت پسندوں پر تو بالکل واضح ہے۔ عرف میں مجرموں اور بدکاروں کیلئے کہا جاتا ہے کہ ہم تمہیں جانتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ تمہیں تمہاری بدکاریوں پر سزا دیں گے۔ پس منافقوں کا علم اللہ تعالٰے کے رسول کو بھی حاصل تھا لیکن اس علم کا وہ ثمرہ ان پر مرتب نہیں ہوا جس سے انکو دوہرا عذاب دیا گیا ہو چنانچہ اس آیت کا معنی ہے۔ ان منافقین کو آپ نہیں جانتے۔ انہیں ہم جانتے ہیں۔ ہم عنقریب ان کو دو مرتبہ عذاب دینگے اور نحن نعلمھم کے بعد سنعذبھم مرتین کا ذکر اس پر قرینہ ہے کہ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جس کا اثر ان منافقین پر دوہرے عذاب کی صورت میں نازل ہو۔ پس جس علم کی نفی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کی گئی ہے۔ وہ یہ خاص نوع کا علم ہے۔ نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے مطلقاً منافقین کے علم کی نفی مراد ہے۔ حتیٰ کہ عظمت رسالت کے منکرین اس آیت کو تنقیص نبوی کا نشان بنالیں اہل فہم کے لئے ان چند سطور میں ایضاح حق کے لئے وافر روشنی موجود ہے۔ اور مبتدعین دل بند بھی اگر آنکھیں بالکل ہی بند نہ کرلیں۔ تو ان سطور سے انہیں بھی کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے :۔

ارباب بدعت کو اس آیت سے تنقیص علم نبوی کا جو شبہ لاحق ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا جواب صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے اس طرح دیا ہے۔ "یا حضور سے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق کے ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ولتعرفنهم فی لحن القول (جمل)"۔

صدر الافاضل کے دوسرے جواب کی توضیح

جمل کے حوالہ سے صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس آیت میں اگرچہ حضور سے منافقین کے علم کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن دوسری آیت ولتعرفنهم فی لحن القول میں منافقین کے علم کا اثبات کیا گیا ہے پس منکرین عظمت رسول اور جویان نقص کو اس آیت سے اپنے فاسد عقیدہ پر کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا علم تدریجا ہے اور اگر منافقین کا علم پہلے حاصل نہ تھا۔ تو کوئی ضرر نہیں۔ جبکہ بعد میں اس علم کا حصول دلیل سے ثابت ہو گیا۔

تنقید ص ۲۰۲ پر مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کے دوسرے جواب پر اس طرح تنقید کی ہے۔ "مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ۔ یا حضور کے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا الخ۔ تو یہ محض نص قطعی کے رد کرنے کا ایک بے سود اور مردود بہانہ ہے۔ کیونکہ ولعرفتهم فی لحن القول سورۃ محمد کی ایک آیت کا حصہ ہے۔ اور یہ سورت پہلے نازل ہوئی ہے۔ ومن اهل المدينة الاية سورۃ توبہ کی ایک آیت کا حصہ ہے

جو قرآن کریم کی سب سے آخری سورت ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب کے علم و دیانت پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ بعد میں نازل ہونے والی سورت کے ایک حصہ کو پہلے نازل ہونے والی سورت کے ایک فرمان سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس کلام پر آخری تبرا ملاحظہ فرمائیں۔ مستزاد براں یہ یاد رہے کہ لا تعلمہم خبر ہے اور نسخ کا وقوع اخبار میں ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر اس کے نسخ کا کیا مطلب انتہی تنقید ص۲۰۶

سرفراز صاحب کے اس پُر عناد کلام پر کئی وجوہ سے کلام ہے اولاً اسلئے کہ صدر الافاضل نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ تفسیر جمل کے حوالہ سے کہا ہے۔ اس میں ایک لفظ بھی ان کا اپنا نہیں ہے اور یہ تمام تبرا حقیقت میں تفسیر جمل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ فن مناظرہ کا قانون ہے کہ ناقل سے تصحیح نقل کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اور نقل پر جرح کا ذمہ دار ناقل نہیں ہوتا۔

مولوی سرفراز صاحب کو چاہیئے تھا کہ یا تو صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ حوالہ کو تسلیم کرتے یا بصورت دیگر اس کا صحیح محمل بیان کرتے۔ دیکھئے باب جنت ص۳۱ پر سرفراز صاحب مصنف راہ جنت سے اس طرح شکایت کرتے ہیں "مفتی صاحب آپنے انتہائی شرمناک خیانت سے کام لیا ہے۔ آپ کا فرض تھا کہ راہِ جنت میں میرے درج کردہ حوالے ذکر کرتے یا بصورتِ دیگر ان عبارات کا صحیح محمل بیان کرتے انکا مطلب تو یہ ہے۔ مگر سرفراز نے یوں سمجھا ہے۔ مگر آپ کی بلا سے۔ آپنے ان تمام حوالوں کو گیارہویں کا حلوہ سمجھ کر ہضم کر لیا ہے۔ انتہی

اب بتلائیے سرفراز صاحب آپ نے صدرالافاضل کے ذکر کردہ حوالے کو کیوں کاتو ہمہ سمجھکر کیوں ہضم کر لیا۔ اور اسکی کوئی توجیہہ کیوں نہ کی۔

اب ہم قارئین کے سامنے جمل کی اصل عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ یہ کلام پوری روشنی میں آسکے ملاحظہ فرمائیے۔ جمل جلد ۲ ص ۱۳۱ پر ہے۔

فان قلت کیف نفی عنه علمه بحال المنافقین ھھنا و واثبت فی قوله ولتعرفنهم فی لحن القول فالجواب انهٗ اٰیة النفی نزلت قبل اٰیة الاثبات فلا تنافی ۱۵ کرخی۔

پس اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کے علم کی نفی کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ولتعرفنهم فی لحن القول میں اس علم کو ثابت کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت پہلے نازل ہوئی جس وقت آپ کو منافقین کا علم (تفصیلی) نہ تھا۔ بعد میں ولتعرفنهم فی لحن القول نازل ہوئی جس سے ان کے علم (تفصیلی) کا اثبات کیا گیا ہے (کرخی)

نسخ کا افترا اور اس کا جواب

حوالہ جمل کے سامنے آجانے سے معلوم ہوا کہ اس تفسیر میں جمل تنہا نہیں۔ کرخی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ ثالثاً یہ کہ جمل کے قول کی حکایت کرتے ہوئے صدرالافاضل صاحب رح نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ لا تعلمھم کے حکم کو یا اس آیت کو لتعرفنھم نے منسوخ کر دیا۔ سرفراز صاحب نے اپنی تحریف و تلبیس کا بدترین مظاہرہ کرکے خود ہی صدرالافاضل پر نسخ کا افترا باندھا اور پھر اس پر یہ کہہ کر تبرا کیا کہ نسخ اخبار میں نہیں۔ انشاء میں ہوتا ہے۔ رابعاً یہ قاعدہ ہے کہ جب دو کلام باہم متعارض ہوں، مثلاً ایک میں علم کا اثبات اور دوسرے میں نفی ہو۔ تو اب ان میں معلوم کرینگے کہ مؤخر کون ہے اور مقدم کون اور

اور جب کسی ایک کا مؤخر ہونا ثابت ہو جائے تو اب اگر وہ کلام انشاء ہے۔ تو مؤخر مقدم کے لئے ناسخ ہو جائے گا۔ اور اگر خبر ہو تو ان دو متعارض خبروں کے درمیان تطبیق کی جاتی ہے اور تطبیق کو نسخ نہیں کہا جاتا لیکن علم کے یہ جھوٹے مدعی آیات کے نسخ اور تطبیق کے فرق سے بھی بے خبر ہیں۔ اور صدر الافاضل نے آیات میں جو تطبیق بیان کی ہے۔ اسے نسخ کا معنی پہنا کر اس طرح بے لگام ہو رہے ہیں کہ بد زبانی بھی ان کا منہ تک رہی ہے۔ صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے بحوالہ جمل بیان کر دیا ہے کہ لا تعلمھم میں نفی علم کی خبر ہے اور یہ مقدم ہے۔ اور لتعرفنھم میں اثبات علم کی خبر ہے اور یہ مؤخر ہے۔ پس نفی اور اثبات کے محل علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور کوئی تعارض اور تناقض نہ رہا۔ خامسا یہ کہ مولوی سرفراز صاحب نے بغیر کسی دلیل کے یہ فرض کر لیا کہ لتعرفنھم لا تعلمھم پر مقدم ہے اور ایک فاسد مبنی قائم کر کے اس پر فاسد عمارت کی تعمیر کر دی لتعرفنھم سورۃ محمد کی ایک آیت ہے۔ اور اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بہر حال محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ مدنی ہے۔ جلالین میں ہے۔ سورۃ القتال مدنیۃ اور سرفراز کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی اپنی تفسیر کے ص ۶۷۳ پر لکھتے ہیں کہ سورۃ محمد مدنی ہے۔ بعض تفاسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی آیات حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد تک نازل ہوتی رہی ہیں۔ بہر حال جب ثابت ہو گیا کہ سورۃ محمد اور سورۃ توبہ دونوں مدنی ہیں۔ تو اب اس میں کوئی استبعاد نہ رہا کہ سورۃ محمد کی ایک آیت سورۃ توبہ کی ایک آیت کے بعد نازل ہوئی ہو۔ جبکہ اس امر پر جمل اور کرخی کی شہادت بھی موجود ہے۔ سادسا یہ کہ

سرفراز صاحب کہتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت توبہ ہے۔ انتھی کلامہ۔ ص ۲۰۲ تنقید۔ بجا ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ باقی تمام سورتوں کا نزول سورۃ توبہ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا۔ گکھڑ کے محقق کو شائد یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک وقت میں کئی کئی سورتوں کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں۔ دلائل سے ثابت ہے کہ سورۃ توبہ سے پہلے جن سورتوں کا نزول شروع ہو چکا تھا۔ ان کی آیات سورۃ توبہ کے شروع ہونے کے بعد بھی نازل ہوتی رہیں۔ بلکہ قرآن کی جو آخری آیت نازل ہوئی۔ وہ سورۃ توبہ کی نہیں بلکہ سورۃ بقرہ کی آیت ہے جمل ص ۲۲۹ ج ۱۔ پر سورۃ بقرہ کی آیت واتقوا یوما ترجعون الخ کے تحت ہے۔

قال ابن عباس وهذه آخر آية نزل بها جبرائيل وقال للنبي صلى الله عليه وسلم ضعها في راس المائتين والثمانين من سورة البقرة وعاش رسول الله صلى الله عليه وسلم بعدها احدا وعشرين يوما وقيل احدا وثمانين وقيل سبعة ايام وقيل ثلاث ساعات اه بيضاوی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ وہ آخری آیت ہے جس کو جبرائیل لے کر نازل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسکو سورۃ بقرہ کے دو سو اسی نمبر کی آیت پر رکھ دیجئے۔ اور اس آیت کے نزول کے اکیس دن بعد آپ کا وصال ہو گیا اور بعض روایات میں اکیاسی دن بعد اور بعض میں ہے سات دن بعد اور بعض میں تین گھنٹے بعد۔ بیضاوی

اور سورۃ مائدہ کی آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ۔ الخ کے بارے میں امام سیوطی نے جلالین میں فرمایا۔ کہ یہ حلال و حرام کے بارے میں آخری آیت ہے

اس کے تحت جمل جب ۲ ص ۶۲ پر ہے،

ای آیة حلال اوحرام وھذا لاینافی انہٗ نزل بعدھا اٰیة موعظة وھو قولہ تعالیٰ واتقوا یومًا ترجعون فیہ الی اللّٰہ

یعنے حلال و حرام کے آیتوں کے بارے میں آخری آیت اَلیوم اکملت لکم دینکم ہے اور یہ اس کے منافی نہیں. کہ اسکے بعد نصیحت کے باب میں واتقوا یومًا ترجعون فیہ نازل ہوتی ہو۔

ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ سورۂ توبہ کا بحیثیت مجموعی آخری ہونا اس کے منافی نہیں. کہ اس کے بعد پہلے سے شروع کردہ سورتوں کی آئتیں نازل ہوتی رہی ہوں۔ ہم نے بادلائل ثابت کر دیا ہے کہ بقرہ اور مائدہ کی آئتیں بہر حال سورۂ توبہ کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہوئیں کیونکہ انہیں قرآن کی آخری آئتوں میں سے شامل کیا گیا ہے بس اسی طرح سورۂ محمد کی آئت ولتعرفنھم فی لحن القول کا سورہ توبہ کی ایک آئت لا تعلمھم کے بعد نازل ہونا قطعاً مستبعد نہیں. بلکہ دلائل کی روشنی میں حق و صواب ہے جیسا کہ جمل اور کرخی کے حوالوں سے ثابت ہو چکا ہو۔ اور مولوی سرفراز صاحب نے جو بلا دلیل کہا ہے کہ لتعرفنھم مقدم ہے۔ اور لا تعلمھم مؤخر ہے۔ یہ حقائق کی روشنی میں باطل و مردود ہے، سابعاً یہ کہ دیوبندیوں کے شیخ الاسلام نے ولتعرفنھم فی لحن القول کی تفسیر میں اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو منافقین کی تفصیل اور تعیین سے مطلع کر دیا تھا۔ اور لا تعلمھم میں اس علم کی نفی کی گئی ہے (حوالہ آگے آرہا ہے) اب اگر لا تعلمھم کو مؤخر کیا جائے۔ تو قرآن کی دو آیتوں میں تناقض لازم آئیگا کہ علم کو ثابت بھی کیا اور اسکی نفی بھی

کی پس لامحالہ ماننا پڑیگا۔ کہ لاتعلمہم پہلے واقعہ کی خبر ہے۔ جب منافقین کا علم نہیں عطا کیا تھا۔ اور لتعرفنہم بعد کی خبر ہے۔ جب یہ علم عطا فرمادیا فللہ الحمد علےٰ ذالک۔

سرفراز صاحب ص۲۰۳ پر لکھتے ہیں وَلَعَرَفتَھُمْ فی لحن القول سے علم کا اثبات مراد نہیں بلکہ محض علامت اور نشانی کے طور پر تجربہ کی بنا پر چہرے بشرے سے اندازہ لگانا ہے۔ انتھی کلامہ۔ تنقید ص۲۰۳

نوٹ۔ سرفراز صاحب نے اس آیت کو ولعرفتھم فی لحن القول لکھا ہے۔ حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں۔ اصل میں ولتعرفنھم فی لحن القول ہے۔ انہوں نے عمداً یا سہواً حضرت صدر الافاضل صاحب کی جو تفسیر نقل کی ہے۔ اس میں بھی ولعرفتھم فی لحن القول لکھا ہے۔ حالانکہ ان کی تفسیر میں صحیح آیت ولتعرفنھم فی لحن القول۔ لکھی ہوئی ہے۔ مراد آباد کے قدیم مطبوعہ نسخہ تاج کمپنی کے بڑے سائز کے نسخہ اور حمائل شریف تمام نسخوں میں یہ آیت اسی طرح مرقوم ہے معلوم نہیں کہ گکھڑ کے محرف نے کس دجل کے پیش نظر تحریف خالص کا یہ کارنامہ انجام دیا ہے) دیوبند کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی پہلے تو دیوبندی فطرت سے مجبور ہو کر ولتعرفنھم فی لحن القول کو اندازہ اور قیافہ پر محمول کرتے رہے لیکن بالآخر حق ان کی زبان پر غالب آگیا۔ چنانچہ ص۶۷۰ پر اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ بعض احادیث سے ثابت ہے۔ کہ حضور نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا اور ممکن ہے وہ شناخت "لحن القول" اور "سیما" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو یا آیت ھذا کے بعد حق تعالےٰ نے

آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل و تعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔ واللہ اعلم۔ انتھی کلامہ

مرتے مرتے بھی عثمانی صاحب کی زبان پر کلمہ حق یقین کے ساتھ جاری نہ ہوا۔ اور اپنے قول میں احتمال اور امکان کا رنگ پیدا کر کے حق نفاق ادا کر ہی دیا۔ عثمانی صاحب کو اس بات میں تردد ہے کہ حضور کو منافقین کا علم تھا یا نہیں اور ان کے خلف الرشید مولوی سرفراز صاحب نے صاف اور صریح الفاظ کے ساتھ حضور کے علم منافقین کا انکار کر دیا حالانکہ حضور کے علم کا مرتبہ تو عقل و ادراک سے باہر ہے۔ آپکے غلاموں کو بھی منافقین کا علم تھا۔ دیکھئے حضرت حذیفہ بن یمان کے ترجمہ میں شیخ اشعتہ اللمعات ج ۱ ص ۷۹ پر فرماتے ہیں

حذیفہ بن الیمان صحابی کبیر عظیم الشان است۔ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزد او بود علم منافقین رضی اللہ عنہ	حذیفہ بن یمان عظیم الشان صحابی تھے۔ ان کے پاس منافقین کا علم تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز تھے۔

اس عبارت سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان کو منافقین کا علم تھا یہ بھی پتہ چلا کہ علم منافقین از قبیل سِر اور راز ہے اور راز کی باتیں ہر ایک پر منکشف نہیں کی جاتیں اور نہ اسے بر سر عام آشکارا کیا جاتا ہے پس مبتدعین دیوبند کا یہ کہنا کہ اگر حضور منافقین کو جانتے تھے تو انہیں ظاہر کیوں نہ کیا۔ محض حماقت کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ نبی علیہ السلام کا سِر اور راز تھا۔ جب آپ نے مناسب سمجھا تو منافقین کے نفاق کو ظاہر کر دیا اور انہیں نام بنام پکار کر مسجد سے

نکال دیا۔ جس طرح صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے اسکو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کلبی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ خطبہ کیلئے قیام کر کے نام بنام فرمایا۔ نکل اے فلاں۔ تو منافق ہے۔ نکل اے فلاں تو منافق ہے۔ تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔ انتھیٰ

اخراج منافقین کی حدیث پر جرح اور اس کا جواب

سرفراز صاحب اس حدیث کے راوۃ پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ وہ شیر ہیں جن کی روایات سے دجب کے سند کی اوپر کی کڑیوں کا ذکر تک نہیں کیا) مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے لائق استاذ اور پوری جماعت قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت آیت کو منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ معاذ اللہ۔ علمی دنیا میں اس سے بدترین جہالت یا خیانت اور کیا ہو سکتی ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کچھ سطر بعد لکھتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی نص قطعی کے مقابلہ میں اگر حدیث صحیح بھی ہو مگر خبر واحد تو اس کا پیش کرنا بھی محض ہرزہ بافی ہے۔ تو بے سروپا اور جعلی روایتوں کو کون مانتا ہے۔" انتہت خرافاتہ تنقید متین صـ ۲۰۶

بدترین جاہل اور خائن تو وہ شخص ہے۔ جسے تطبیق بین الاخبار اور نسخ میں بھی تمیز نہیں۔ جو تطبیق کو نسخ سمجھتا ہے۔ باقی سند کے مجروح ہونے سے کسی حدیث کو غیر معتبر قرار دے دینا سرفراز صاحب کی جہالت پر قاہر برہان ہے۔ ارباب فہم سے مخفی نہیں۔ کہ جس حدیث پر اہل علم حضرات نے اعتماد کیا ہو وہ حدیث معتبر تسلیم کی جاتی ہے۔ اگرچہ سند کے لحاظ سے بالکل مجروح کیوں نہ ہو۔ دیکھئے مسح رقبہ والی حدیث کا ضعف مشہور ہے لیکن چونکہ اہل علم

نے اس پر اعتماد کیا۔ اسلئے اس کو آج تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ اہلِ سنت حنفیہ کا مسلک ہے۔ کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے۔

شرح عقائد میں ہے۔ و یجوز الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر لقوله علیه الصلوٰۃ والسلام صلوا خلف کل بر و فاجر اور اس حدیث کی سند پر ناقدین حدیث نے شدید جرح کی ہے۔ نبراس ص ۴۲۵ پر ہے و ذکر السخاوی طرق هذا الحدیث واهیة کلها کما صرح به غیر واحد من العلماء۔ امام سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث جتنے طریقوں سے مروی ہے وہ کل کے کل واہیات ہیں۔ حاشیہ نبراس میں ہے کہ اس حدیث کی ایک سند میں عثمان بن عبد الرحمٰن ہے۔ اس کو یحیٰی بن معین نے کاذب قرار دیا ہے۔ دوسری سند میں خالد بن اسمٰعیل ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ ایک اور سند میں ابو الولید مخزومی ہے۔ اور وہ مجہول الحال ہے اور بعض لوگوں نے اس کو کذاب قرار دیا۔ ایک اور سند میں محمد بن فضل ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ اسی طرح امام ابن حجر عسقلانی نے درایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں بھی اس کی اسناد پر دل کھول کر جرح کی ہے۔ اسی طرح اہلسنت حنفیہ کا مسلک ہے کہ مہر میں کم از کم دس درہم کی مقدار معتبر ہے۔ شرح وقایہ ص ۳۲ ج ۲ پر ہے اقله عشرة دراهم هذا عندنا اور جن تمام احادیث سے مہر کی اقل مقدار دس دراہم ثابت ہے۔ ان پر جرح کرتے ہوئے مولوی عبد الحئی لکھنوی عمدة الرعایہ میں اسی مقام پر لکھتے ہیں۔

ان هذه الاحادیث کلها اسانیدها مجروحة غیر قابلة	ان تمام احادیث کی اسناد مجروح ہیں اور احتجاج و استدلال کے لائق

لان يحتج بها واجاب عنه العيني في البناية انه اذا روى الحديث من طرق مفرداتها ضعيفة تصير حسنا و يحتج به اقول لا يخفى ما فيه فان بكثرة الطرق انما يصير الحديث حسنا اذا كان الضعف فيها يسيرا ينجبر بالتعدد لا اذا كان شديدة الضعف بان لا يخلو واحد منها عن كذاب او متهم الامر فيما نحن فيها كذالك

نہیں اور علامہ بدرالدین عینی شارح ہدایہ نے بنایہ میں اس کے جواب میں کہا کہ جب کوئی حدیث طرق متعددہ سے مروی ہو۔ تو وہ حسن ہو جاتی ہے اگرچہ ہر طریقہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو میں عینی کے رد میں یہ کہتا ہوں کہ کثرت طرق سے حدیث حسن تب ہوتی ہے جب ضعف کم ہو پس کیف کے ضعف کی تلافی کم کی قوت سے ہو جاتی ہے لیکن جب ضعف بہت شدید ہو بایں طور کہ کوئی سند بھی کاذب یا متہم بالکذب راوی سے خالی نہ ہو۔ پھر حدیث حسن کے درجہ کو نہیں پہنچتی اور ہمارا کلام جس حدیث میں ہے وہ ایسی ہی ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اگر سرفراز صاحب کے قاعدہ کو مان لیا جائے کہ مجروح السند حدیث کا بالکل اعتبار نہیں ہوتا تو کسی مذہب کا کوئی ضابطہ باقی نہیں رہیگا حقیقت میں جس خطرناک راستہ کی سرفراز صاحب نشاندہی کر رہے ہیں۔ وہ غیر مقلدوں کے اس اندھے کنوئیں کی طرف لے جاتا ہے۔ جس میں گرنے کے بعد انسان ہوائے نفسانی کا تابع ہو جاتا ہے اور ہر قسم کے ضابطوں اور قیود سے آزاد ہو کر شتر بے مہار ہو جاتا ہے آپ کو ائمہ اربعہ کے مذاہب میں بے شمار ایسے مسالک مل جائیں گے جو ان احادیث پر مبنی ہیں۔ جو سند کے لحاظ سے مجروح ہیں بلکہ خود غیر مقلدوں کے

ان گنت مسائل ایسی احادیث پر مبنی ہیں۔ جو سند کے لحاظ سے شدید ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اسلئے ائمہ حدیث نے حجیت حدیث کے ضوابط میں سے ایک یہ ضابطہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جس حدیث پر اہل علم اعتماد کریں اسے تسلیم کیا جائیگا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ امام جلال الدین سیوطی التعقبات علی الموضوعات میں فرماتے ہیں۔

اشار بذالک الی ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علی مثلہ۔ یعنی امام ترمذی نے اس سے اشارہ فرمایا کہ اس حدیث کو قول علماء سے قوت مل گئی اور بے شک متعدد آئمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت بھی صحت حدیث کی دلیل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کیلئے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ اہل علم کی موافقت بھی صحت حدیث کی دلیل ہوتی ہے۔ اب ہم آپ کی خدمت میں ان اہل علم کے اسماء اور ان کی کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں۔ جن میں انہوں نے اس حدیث کی موافقت کی ہے۔ امام فخر الدین رازی اسی آیۃ کریمہ میں سنعذبھم مرتین کے تحت فرماتے ہیں۔

روی السدی عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام خطیبا یوم الجمعۃ فقال اخرج یا فلاں انک منافق الحدیث

سدی نے حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ دیا۔ فرمایا۔ نکل اے منافق۔ الحدیث

ابو سعود نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت فرمایا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام خطیبا یوم الجمعۃ فقال اخرج یا فلان فانک منافق الحدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا نکل اے منافق الحدیث

اسی طرح درمنثور میں امام سیوطی نے اس آیت کے تحت حضرت ابن عباس کی اس روایت کو ذکر کیا۔ سراج المنیر۔ معالم التنزیل۔ خازن ابن جریر۔ جمل اور صاوی ان سب نے اسی آیت کے تحت سدی کی اس روایت سے موافقت کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے جلیل القدر علمار فن نے بھی اس حدیث سے موافقت کی ہے اور سب کو چھوڑے دیوبند کے مستند اور سرفراز صاحب کے مسلم شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں اس حدیث سے دو جگہ موافقت کی ہے۔ ایک ص۶۷۷ پر ولتعرفنھم فی لحن القول کے تحت جس کو ہم ماسبق میں نقل کر چکے ہیں۔ اور دوسری جگہ ص۲۶۵ پر سنعذبھم مرتین کے تحت لکھتے ہیں۔ مثلاً ابن عباس کی ایک روایت کے موافق حضور نے جمعہ کے روز ممبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا۔ اخرج فانک منافق یعنی تو منافق ہے۔ مسجد سے نکل جا۔ انتھیٰ۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ یہ وہی مولوی سرفراز صاحب کی اقرار کردہ جعلی اور بے سروپا روایت ہے جس کی موافقت باقی مفسرین نے تو اپنی کتابوں میں ایک جگہ کی ہے۔ اور عثمانی صاحب نے اپنی تفسیر میں اس کی دو جگہ موافقت کی ہے۔ اور اگر آپ میں واقعی دیانت اور انصاف ہے

ملہ اصل تفسیر میں لفظاً اسی طرح لکھا ہے اور صحیح منبر ہے۔

تو اب اپنے شیخ الاسلام پر دو مرتبہ وہی تبرا دُہرائیں جو آپ نے صدر الافاضل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پر اپنی رسول دشمنی کی وجہ سے تنقید متین میں صفحہ در صفحہ کیا ہے۔

صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ کو وصال پائے ہوئے برسوں گذر چکے ہیں لیکن وہ عظمت رسالت کے ایسے عظیم نشان ظاہر کر گئے ہیں جنکی تب و تاب آجتک اہل تنقیص کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں اور یہ نشان ان کی جان پر ایسا عذاب بن گئے ہیں کہ وہ اس سے کسی طرح چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ جب کچھ بس نہیں چلتا تو صدر الافاضل کی شان میں نا زیبا کلمات کہتے ہیں۔ اور انہیں سب و شتم کر کے اپنے نفس کو تسکین دے لیتے ہیں۔ تنقید متین کے تقریباً ہر صفحہ کو سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل پر تبرا کر کے سیاہ کیا ہے مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفرازی طبقہ خصوصاً اعلحضرت قدس سرہٗ اور صدر الافاضل کو اپنی تضحیک کا نشانہ بناتا ہے۔ آخر ان لوگوں کا جرم کیا ہے۔ کیا یہی کہ انہوں نے علم اقدس کو بہائم سے تشبیہ دینے والے کو مسلمان ماننے سے انکار کر دیا۔ کیا ان کا قصور یہی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اسکو رسول کا امتی تسلیم نہیں کر سکتے جو آپ کے علم کو ابلیس کے علم سے کم سمجھتا ہو۔ بلاریب یہ حضرات اس دین سے باغی تھے جسمیں کمالات رسالت کے انکار کو توحید اور عظمت نبوت میں تنقیص کو عبادت سمجھا جاتا تھا جس دین نے ایسی بدعات پیدا کیں جنکی وجہ سے اللہ کا نہ وجود واجب رہا، نہ عدم ممتنع رہا۔ جنہوں نے خدا کیلئے کذب جہل اور تمام امور قبیحہ کو جائز قرار دیدیا۔ وہی دین آج اپنے آپکو سنت کا علمبردار کہلاتا ہے۔ ہم نے اس کتاب میں واضح الفاظ سے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ بدعت کس کا دین ہے اور سنت کس کا مذہب ہے اور اب کھوج لگانیوالی نگاہوں کیلئے یہ امر مخفی نہیں رہیگا کہ اس دنیا میں اگر کوئی بدترین ہو بدعت ہو سکتی ہے تو وہ دیوبند کا اختراع کردہ مذہب ہے۔

اباحت اصلیہ

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمتہ وقد فصل لکم ماحرم علیکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ حرام چیزوں کا مفصل ذکر ہوتا ہے اور ثبوت حرمت کیلئے حکم حرمت درکار ہے اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم نہ ہو وہ مباح ہے۔ انتھی کلامہ۔ اور ص۲۲۳ و ص۲۴۴ کے تحت فرمایا ہے فرمایا ہے کہ (آیتہ) قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق (الآیۃ) میں دلیل ہے کہ کھانے اور پینے کی تمام چیزیں حلال ہیں۔ سوائے ان کے جن پر شریعت میں دلیل حرمت قائم ہو۔ کیونکہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔ مگر جس پر شارح نے ممانعت فرمائی ہو۔ اور اسکی حرمت دلیل مستقل سے ثابت ہو۔ انتھی کلامہ۔

ص۲۴۶ پر لکھا ہے کہ کھانے پینے کی لذیذ چیزیں۔ مسئلہ آیت اپنے عموم پر ہے۔ ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے۔ جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہو۔ (خازن) تو جو لوگ توشہ۔ گیارہویں۔ میلاد شریف۔ بزرگوں کی فاتحہ۔ عرس مجالس۔ شہادت وغیرہ کی شرینی سبیل کے شربت کو ممنوع کہتے ہیں۔ وہ اس آیت کا خلاف کر کے گنہگار ہوتے ہیں۔ اور اسکو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت وضلالت ہے۔ انتھی کلامہ۔

صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے اپنی اس تحقیقی کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ حلال اشیاء کو حرام کہنے کی بدعت دیوبندنے اختراع کی ہے اور مبتدعین دیوبند

کے فریب کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بدعتوں کو سنت کا نام دے دیا اور اس طرح بزعم خویش محاسبہ سے بری ہو گئے۔ اور اپنی بدعات کی پردہ پوشی کیلئے اہل سنت کو بدعتی کہنا شروع کر دیا۔ اس قسم کی ذہنیت کا مظاہرہ سرفراز صاحب نے ص۲۰۸ پر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

تنقید | اہل بدعت نے اپنے حلوے۔ مانڈے کے لئے آئے دن جو نئی نئی بدعات ایجاد کر تے رہتے ہیں۔ ان پر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل تو موجود نہیں۔ بلکہ دلائل شرعیہ ان تمام اختراعات کا قلع قمع کرنے کیلئے کافی ووافی ہیں۔ جب اہل بدعت ان اختراعات پر براہین سے قاصر ہے۔ تو انہوں نے پہلوانوں کی طرح پینترا بدل کر اس مسلک کی تائید واشاعت شروع کر دی کہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں اصل تو ہے ہی اباحت۔ لہذا گیارھویں ہو یا توشہ۔ شربت کی سبیل ہو یا مجالس شہادت وغیرہ کے لذیذ کھانے یہ سب حلال ہیں اور عوام کو یہ باور کرانے کے لئے اس حربہ سے بھی کوئی گریز نہ کیا۔ کہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے۔ کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔ اور اس لئے ہم بھی ذرا وضاحت سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے یہ تمام دعوے بے حقیقت اور صرف نمائشی ہیں۔ انتہیٰ کلامہ۔

اباحت اصلیہ اور مفسرین | حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ سب حق وصواب ہے۔ تفاسیر معتبرہ کے مطابق ہے۔ اور جن آیتوں سے حضرت نے اباحت اصلیہ کا استنباط کیا ہے۔ ان سے باقی مفسرین بھی اباحت کا استخراج کرتے ہیں۔ پھر مولوی سرفراز صاحب نے اگر اس پر تبرا کرنا تھا۔ تو تمام اکابر مفسرین پر کرتے۔ حضرت صدر الافاضل کو سب وشتم کے ساتھ

کیوں خاص کیا ہے۔ ہمیں اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں آتی کہ چونکہ صدر الافاضل نے دیوبندی بدعات اور رسول دشمن عقائد کا محاسبہ کیا ہے۔ اسلئے ان کا قلم رگ وہابیت میں نشتر کی طرح چبھتا ہے۔ ورنہ یہ سب کچھ تو دوسرے مفسرین نے بھی بیان فرمایا ہے۔ دیکھئے امام رازی ج۲ ص۲۰۱ پر فرماتے ہیں۔

واعلم ان قوله کلوا واشربوا مطلق یتناول الاوقات والاحوال ویتناول جمیع المطعومات والمشروبات فوجب ان یکون الاصل فیها هو الحل فی کل الاوقات وفی کل المطعومات والمشروبات الا ما خصه الدلیل المنفصل والعقل ایضا مؤید له لان الاصل فی المنافع الحل والاباحة

جان لو کہ اللہ تعالٰی کا قول کلوا واشربوا (کھاؤ پیو) مطلق ہے۔ جو تمام اوقات اور احوال کو شامل ہے اور اسی طرح تمام کھانے پینے کی چیزوں کو محیط ہے پس چاہیئے کہ تمام ماکولات و مشروبات کو ہر وقت اور ہر حال میں کھانا جائز ہو۔ مگر جس کو کسی دلیل شرعی نے حرام کر دیا ہو اور عقل بھی اسکی مؤکد ہے کیونکہ اصل تمام منافع میں حلت اور اباحت ہے۔

غور فرمائیے۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کو سرفراز صاحب اسلئے کوس رہے تھے کہ انہوں نے اباحت اصلیہ سے گیارہویں وغیرہ کی اباحت پر استدلال کیا تھا لیکن اب امام رازی کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا۔ جنہوں نے اس اباحت اصلیہ کے قانون سے ہر ماکول اور مشروب کو جائز قرار دیا ہے اور یہ صرف امام رازی کی انفرادیت نہیں بلکہ تمام آئمہ اور مفسرین کا یہی حال ہے کیا آپ کے خیال میں یہ تمام کے تمام پیٹو اور کھانے پینے کے رسیا ہیں کاش آپ نے اپنے گریبان میں بھی جھانکا ہوتا۔ آپ کے پیٹ میں تو دنیا

دنیا کی ہر حرام چیز پہنچ چکی ہے۔ خواہ دیوالی کی پوریاں ہوں یا زاغ معروف حیرت ہے کہ جو لوگ کوّوں تک کو نہیں چھوڑتے۔ ہندو جن کے برتنوں کو کتے چاٹتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا بھی معاف نہیں کرتے وہ دوسروں کو کھانے پینے کا طعنہ دیتے ہیں۔ باقی آپ کا یہ کہنا کہ گیارہویں وغیرہ پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ تو کاش اصول الشاشی اور نور الانوار ہی آپ نے پڑھا ہوتا تو آپ کو پتہ چلتا کہ اباحت اصلیہ خود دلیل شرعی ہے۔ اس کے علاوہ بھی علماء اہل سنت نے اس مسئلہ پر اپنی تصنیفات میں وافر دلائل پیش کئے ہیں اور ہم نے بھی اس کتاب کے تیسرے باب میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ فلیراجع۔

علامہ بیضاوی قل من حرم زینۃ اللہ التی الآیۃ کے تحت فرماتے ہیں وفیہ دلیل علی ان الاصل فی المطاعم والملابس وانواع التجملات الاباحۃ

اور اس آیت میں اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء پر اچھی چیزوں میں اباحت اصل ہے

اب آپ کس کس کو کوسیں گے؟ یاد رکھئے کہ میدان استدلال میں صرف دلائل کام آتے ہیں۔ عورتوں کی طرح کوسنے سے کام نہیں چلتا۔

در مختار اور تفسیر احمدی سے حوالے اور ان کا جواب

سرفراز صاحب نے ملا جیون اور در مختار کے حوالے دے کر بزعم خویش یہ ثابت کیا ہے۔ کہ اباحت اشیاء ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اور جمہور اصل میں اشیاء کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور معتزلہ اباحت کے۔ چنانچہ ص ۲۱ پر لکھتے ہیں۔ الغرض یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں اور اباحت معتزلہ

کا قول ہے۔ انتہی کلامہ

اور اس عبارت سے سرفراز صاحب عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں۔ کہ اباحت صرف معتزلہ کا قول ہے اور اہل سنت خصوصاً احناف کا یہ مسلک نہیں ہے۔ ص ۲۰۹ پر لکھتے ہیں "اور کوفیوں کا جن میں حضرت امام ابو حنیفہ بھی ہیں۔ یہ مسلک ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے۔ انتہی کلامہ

مولوی سرفراز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ محض جھوٹ اور افترا ہے چونکہ دیوبندی بدعت کی بنیاد ہی کذب پر ہے۔ اسلئے وہ بغیر خوف آخرت کے جھوٹ بولتے ہیں اور بے تحاشا بولتے ہیں۔ ان کے اس کلام میں جھوٹ کے علاوہ خیانت کا بھی بڑا حصہ موجود ہے۔ دیکھئے تفسیر احمدی کے جس حوالہ سے انہوں نے اباحت کو ایک طائفہ کا مسلک ظاہر کیا ہے۔ اسی صفحہ پر اسی عبارت سے متصل یہ عبارت ہے۔ جو ان کی خائن نگاہ کو نظر نہ آئی۔

ولا یظهر ثمرته الا فی قوله علیه السلام لا تبیعوا الطعام الا سواء بسواء فان عندنا الاصل هو اباحة الربوا حتی یعفوا عنه عدم القدر والجنس انما ثبت الحرمة اذا وجد جمیع الشرائط وعند الشافعی الاصل هو الحرمة فی کل حال فی باب الربوا۔ تفسیر احمدی ص ۱۳۔

اور اصل میں اباحت یا حرمت کا ثمرہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر مرتب ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ طعام کو نہ بیچو۔ مگر برابر۔ پس ہم (احناف اہلسنت) کے نزدیک ربوا میں اصل اباحت ہے حتی کہ جب قدر اور جنس نہ ہوں تو زیادتی جائز ہو گی اور حرمت تب ثابت ہو گی جب تمام شرائط پائی جائیں اور امام شافعی کے نزدیک ہر حال میں اصل حرمت ہے۔

اس حوالہ کے سامنے آجانے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ احناف اہلسنت کے نزدیک اصل اشیا میں اباحت ہے اور ساتھ ہی گکھڑ کی خیانت کا راز بھی بیچ چوراہے پر فاش ہو گیا۔

اس کے بعد ہم سرفراز صاحب کے تحریر کردہ حوالہ درمختار کو بھی قارئین کی عدالت میں پیش کرتے ہیں :-

الصحیح من مذہب اہل السنت ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحۃ رای المعتزلہ۔	اہل سنت والجماعت کا صحیح مذہب ہے کہ اصل اشیا میں توقف ہے اور اباحۃ معتزلہ کا قول اور رائی ہے۔ (تنقید متین ص ۲۱۰)

درمختار کی یہ عبارت قطعاً باطل اور مردود ہے۔ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس کو چار وجہ سے رد کر دیا ہے۔ اور پٹے ہوئے مہروں کو صفحہ استشہاد پر پیش کرنا گکھڑ کے غازیوں سے ہی متصور ہو سکتا ہے ہم ذیل میں اس کے بطلان کی چوتھی وجہ پیش کر رہے ہیں :-

الرابع ان نسبۃ الاباحۃ الی المعتزلۃ یخالف لما فی کتب الاصول ففی تحریر ابن الھمام المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیہ و الشافعیۃ اذ فی شرح اصول البزدوی للعلامۃ الاکمل اکثر اصحابنا واکثر اصحاب الشافعی ان الاشیاء التی یجوزان یرد الشرع باباحتھا وحرمتھا قبل ورودہ علی	چوتھی وجہ یہ ہے کہ اباحت کی نسبت معتزلہ کی طرف کرنا کتب اصول کے مخالف ہے کیونکہ امام ابن ہمام تحریر میں فرماتے ہیں جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں مختار اباحت ہے اور علامہ اکمل نے اصول بزدوی کی شرح میں فرمایا۔ ہمارے اکثر اصحاب (احناف) اور اکثر اصحاب شافعی کا مذہب ہے کہ اشیا میں ورود شرع

على الاباحة وهى الاصل فيها حتى ابيح لمن لم يبلغه الشرع ان ياكل ما شاء واليه اشار محمد فى الاكراه حيث قال اكل الميتة وشرب الخمر لم يحرما الا بالنهى فجعل الاباحة اصلا والحرمة بعارض النهى وهو قول الجبائى و ابى هاشم واصحاب الظاهر و قال بعض اصحابنا وبعض اصحاب الشافعى ومعتزلة بغداد انها على الحظر وقال الاشعرية وعامة اهل الحديث انها على الوقف

قبل اباحت تھی اور یہی ان میں اصل ہے۔ یہاں تک کہ جس شخص تک شریعت نہیں پہنچی تو اس کے لئے جو وہ چاہے کھانا مباح ہے اور اسکی طرف امام محمد نے اکراہ میں اشارہ جہاں وہ فرماتے ہیں۔ مردار اور شراب کو نہی نے حرام کر دیا۔ پس انہوں نے اباحت کو اصل قرار دیا۔ اور حرمت کو نہی سے عارض ٹھہرایا۔ اور جبائی۔ ابو ہاشم اور اصحاب ظاہر کا بھی یہی قول ہے اور بعض حنفیہ بعض شوافع اور معتزلہ بغداد کا مسلک یہ ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے۔ اور اشعریہ اور عامہ اہلحدیث کا مسلک توقف ہے۔

دیوبندی مسلک کا فریب اب کسی شخص کیلئے بھی حیز خفا میں نہیں رہا۔ مردود اور باطل قول پر اپنے مسلک کی عمارت قائم کرکے مولوی سرفراز صاحب نے ارباب فہم کیلئے یہ روشنائی بہم پہنچائی ہے۔ کہ ان کا مذہب بھی ایسا ہی باطل ہے جس طرح وہ قول مردود ہے۔ جس کی بنیاد پر انہوں نے جھوٹ کا یہ مینار کھڑا کیا ہے۔

بہر نوع علامہ شامی کی اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اکثر اہل سنت اور اکثر شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ البتہ بعض حنفیہ اور بعض شافعیہ اس طرف گئے ہیں۔ کہ اصل حرمت ہے اور سرفراز

صاحب نے ان بعض کے قول کو جمہور اہل سنت احناف کے سر منڈھنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مسلم الثبوت ص۲۱ پر علامہ محب اللہ بہاری فرماتے ہیں۔

ان اصل الافعال الاباحة کما هو مختار الاکثر الحنفية والشافعية اوالحظر کما ذهب اليه غيرهم۔

تحقیق اصل افعال میں اباحت ہے جس طرح اکثر احناف اور شوافع کا مختار ہے یا حرمت جو بعض دوسرے لوگوں کا مذہب ہے۔

لیجئے اب ہم خود سرفراز صاحب کے کلام سے منوائے دیتے ہیں کہ اکثر احناف و شوافع کا مسلک اباحت اصلیہ ہے۔ دیکھئے باب جنت ص۹۰ پر لکھتے ہیں :" اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ اباحت کا قول صرف اکثر احناف و شوافع کا قول ہی نہیں بلکہ بصرہ کے معتزلہ کا قول بھی ہے اور حرمت کا مذہب بعض احناف و شوافع اور بغداد کے معتزلہ کا قول ہے"۔ انتھی۔

شکر ہے کہ آپ نے قبول تو کیا کہ اباحت اصلیہ اکثر احناف و شوافع کا مذہب ہے، ورنہ اب تک تو آپ تنقید متین میں یہی ڈفلی بجا رہے تھے کہ جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں۔ اور اباحت معتزلہ کا قول ہے!

رہا یہ امر کہ بعض معتزلہ نے بھی اباحت کا قول کیا ہے! تو کیا کریں اب کیا ہم خدا کو ایک ماننا اسلئے چھوڑ دیں کہ معتزلہ بھی خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں؟ سرفراز صاحب نشہ اتر جانے کے بعد خامہ و قرطاس سے کھیلا کریں۔ نشہ کی جس ترنگ میں آکر آپ صفحہ کتاب کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں، وہ دنیا و آخرت دونوں میں آپ کو رسوا کرتی ہے

ورود شرع سے قبل کی تحقیق

اس مقام پر مولوی سرفراز صاحب کی دوسری تحریف ملاحظہ فرمائیے

صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں۔ "ثانیاً اشیأ کی اباحت وحرمت وغیرہ کا یہ اختلاف ورود شرع کے بعد سے متعلق نہیں بلکہ قبل سے ہے یعنی زمانہ فترت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جبکہ اصل شریعت حقہ مٹ چکی تھی اور صحیح دلائل لوگوں کے پیش نظر نہ تھے۔ تو اس دور کے بارے میں علمار کا اختلاف ہے کہ اصل اشیار میں اباحت تھی یا حرمت یا توقف الخ ان قال لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اباحت وغیرہ کے اس مختلف فیہا قاعدہ سے استدلال کرنا خالص جہالت اور نری خیانت ہے۔ انتھی کلامہ

راہِ سنت ص۱۰۶ پر سرفراز صاحب نے فواتح الرحموت کی جو عبارت اس موضوع پر نقل کی ہے۔ اسے بھی ہم پیش کئے دیتے ہیں۔

وانما ھذا ای القول بالاباحۃ الاصلیۃ علی زمان الفترۃ قبل شریعتھا یعنی اذلا اباحۃ حقیقۃ بل بمعنی نفی الحرج ولعل المراد من الافعال ما عدا الکفر ونحوہ فان حرمتھا فی کل شرع بین ظھور اتاما

اور یہ بات یعنی اباحت اصلیہ کا قول ہماری شریعت سے قبل زمانہ فترت پر محمول ہے۔ اور اباحت بھی بایں معنی کہ حرج کوئی نہ ہوگا۔ اور شاید کہ مراد افعال سے کفر وغیرہ کے علاوہ ہے کیونکہ کفر وغیرہ کی حرمت ہر ایک شریعت میں واضح اور غیر مبہم طور پر بیان کی گئی ہے۔

نبی علیہ السلام کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت میں اشیأ کے بارے میں علمار اہل سنت کا اختلاف ہے کہ وہ اشیأ اصل میں مباح تھیں یا ممنوع۔ ان میں اصل توقف ہے اور اسکی توضیح علامہ عبد العلی کے کلام سے ہوگئی ہے لیکن اس اختلاف کے

باوجود علماء اہل سنت نے زمانہ فترت میں ورود شرع سے قبل کسی قسم کے حکم کو نہیں مانا پس علما اہل سنت کا اس میں اختلاف ہے کہ اشیاء اصل میں مباح تھیں یا ممنوع لیکن وہ اس زمانہ کے لوگوں کو اباحت یا حرمت کے حکم سے مکلف نہیں کرتے بخلاف معتزلہ کے کیونکہ وہ زمانہ فترت میں بھی اباحت وغیرہ کا حکم مانتے ہیں اور اس دور کے لوگوں کو اس حکم کا مکلف سمجھتے ہیں۔ سرفراز صاحب نے اپنی غباوت یا عناد سے جو کچھ سمجھا ہے وہ خالص معتزلہ کا مذہب ہے۔ علماء اہل سنت میں سے اکثر احناف اور شوافع کا مسلک ہے۔ کہ ورود شرع سے قبل اشیاء میں اصل اباحت تھی لیکن اباحت کا حکم ورود شرع کے بعد ہوگا۔ یعنی ورود شرع کے بعد جب کسی شئی پر وجوب یا حرمت کی دلیل نہ پائی جائے۔ تو اس کا عدم وجدان ہی اس اباحت اصلیہ کے مباح ہونے کی شرعی دلیل قرار پائے گا۔ اور اب شرعاً اباحت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ فواتح الرحموت کا جو حوالہ پیش کر کے سرفراز صاحب نے اپنی فطری غباوت کی وجہ سے یہ سمجھا تھا۔ کہ اباحت اصلیۃ کا حکم ورود شرع سے پہلے ثابت ہوتا ہے۔ اسی فواتح الرحموت میں اس امر کی تصریح ہے کہ اباحت اصلیہ کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ ورود شرع سے قبل اباحت کا حکم ثابت کرنا معتزلہ کا مذہب ہے۔

دیکھئے فواتح الرحموت ص ۵۶ پر ہے۔

والاباحۃ حکم شرعی لانہ خطاب الشرع تخییرا والخطاب ھو الحکم الشرعی والاباحۃ الاصلیۃ نوع منہ ای من الخطاب بالتخییر لانہ کل ماعدم فیہ المدارک	اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ وہ شرع کا ایسا خطاب ہے جس میں کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور اباحت اصلیہ اسی خطاب تخییری کی ایک قسم ہے کیونکہ وہ ہر شئے جس میں فعل یا ترک پر ضرر کی کوئی

الشرعي للحرج في فعله وتركه فذالك) اي عدم المدرك الشرعي (مدرك شرعي يحكم الشرع بالتخيير) والاباحة الاصلية لايكون الا في موضع عدم المدرك الشرعي للحرج في الفعل او الترك بل الحكم بخصوصه اصلا فهناك مدرك شرعي للحكم بالتخيير فالاباحة الاصلية فيها حكم بالتخيير وهي لاتكون الا بعد الشرع خلافا للمعتزلة) فانهم يقولون بالاباحة وغيرها من الاحكام قبل الشرع

شرعی دلیل نہ پائی جائے تو یہ عدم وجدان اس امر کی شرعی دلیل ہے کہ شارع نے یہاں اختیار کا حکم دیا ہے اور اباحت اصلیہ کا حکم اسی جگہ ہوگا۔ جہاں فعل یا ترک پر ضرر کی کوئی خصوصی دلیل نہ پائی جائے پس یہ عدم وجدان اس اباحت کے حکم پر شرعی دلیل قرار پائے گا۔ اور اسی اباحت اصلیہ کا حکم ورود شریعت کے بعد ثابت ہوگا۔ بخلاف معتزلہ کے کیونکہ وہ اباحت اور دوسرے احکام کو ورود شرع سے قبل مانتے ہیں۔

مسلم الثبوت اور اس کے شارح بحر العلوم کے کلام سے یہ حقیقت تابناک ہوگئی۔ کہ اباحتہ اصلیتہ کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ اور سرفراز صاحب جس مذہب کو پیش کر رہے ہیں۔ کہ یہ حکم ورود شرع سے پہلے ثابت ہوتا ہے۔ یہ قطعاً معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہم شروع کتاب سے اس پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ کہ دیوبندی بدعت اعتزال سے ماخوذ ہے۔ اور سرفراز صاحب نے اپنے اس قول سے اس امر پہ ایک اور تائید پیش کر دی ہے۔

باب جنت ص۹۳ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

"حافظ عبدالرحمن بن رجب الحنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ ورود شرع سے پہلے اشیا کی اباحت وحرمت وغیرہ کا

اختلاف اور ہے اور بعد کا اختلاف جدا ہے اور دونوں کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے (جامع العلوم والحکم ص۲۴۹) انتھی کلامہ

اور یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں کہ ورود شرع سے پہلے کا اختلاف اور چیز ہے اولاً اس میں نہ ہماری ہے اور نہ ہمارا کلام۔ ہماری گفتگو تو ورود شرع کے بعد ہے کہ جب بالخصوص کسی جزئیہ پر حلت وحرمت کی دلیل نہ پائی جائے۔ تو اس کا عدم وجدان ہی اس کے مباح ہونے کی دلیل شرعی ہے جیسا کہ ہم ابھی مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت کا کلام اسکے ثبوت میں پیش کر چکے ہیں اور یہی صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مطلب ہے جسے آپ نے اپنی ہوائے نفسانی کی بھینٹ چڑھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ما قبل میں ہم نے جن مفسرین کے حوالے پیش کئے تھے ان کا بھی مفاد یہی ہے لیکن اسکو سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے اور یہی چیز آپکے پاس نہیں ہے۔

ورود شرع کے بعد اباحت پر دلائل

اب ہم اس حقیقت کو مزید دلائل سے مبرہن کرتے ہیں۔ کہ جس امر کی حرمت وغیرہ پر حکم نہ لگایا ہو اس میں اصل اباحت ہے۔ اور عدم وجدان ہی حکم اباحت کی دلیل شرعی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے مشکوٰۃ شریف ص۳۲ پر ہے۔

عن ابی ثعلبة الخشنی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله فرض فرائض فلا تضیعوها وحرم حرمات فلا تنتهکوها	ابو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے چند چیزوں کو فرض کیا پس ان فرائض کو مت ضائع کرو۔ اور کچھ چیزیں حرام کر

وحد حدودھا فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔

دیں پس ان محرمات کی پردہ دری مت کرو۔ اور بعض چیزوں کی حدود مقرر فرمائیں پس ان حدود سے تجاوز مت کرو اور باقی اشیاء سے اللہ تعالیٰ نے بغیر نسیان کے سکوت فرمایا پس ان میں بحث مت کرو

ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ ص ۲۶۳ ج ۱ پر فرماتے ہیں۔

ای لا تفتشوا عن تلک الاشیاء دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کقولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔

نبی علیہ السلام کا فرمان باقی چیزوں سے بحث مت کرو۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲ پر ہے۔

عن ابن عباس قال کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزیں کھاتے اور کچھ کراہت سے چھوڑ دیتے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل فرمائی جس نے حلال کو حلال کر دیا اور حرام کو حرام پس جسے اللہ نے حلال کیا وہ حلال ہے۔ جسے حرام کیا وہ حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا وہ عفو ہے۔

اس حدیث کے تحت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ص ۴۷۹ جلد ۳ پر فرماتے ہیں۔

ازینجا معلوم مے شود کہ اصل در اشیاء اباحت است

اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

اور مشکوٰۃ شریف صـ ۳۶۷ پر ہے۔

عن سلمان قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن السمن والجبن والفرو فقال الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ (رواہ ابن ماجہ والترمذی)

سلمان سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام سے روغن پنیر اور پوستین یا حمار وحشی کے بارے میں پوچھا گیا۔ آیا حلال ہیں پس آپ نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جس کے حلال ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا اور حرام وہ ہے جس کے حرام ہونے کا اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا۔ اور جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا پس وہ عفو ہے۔

اس کے تحت شیخ محقق اشعۃ اللمعات صـ ۵۰۶ جلد ۳ پر فرماتے ہیں۔

وایں دلیل است بر آنکہ اصل در اشیاء اباحت است۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ امر بالکلیہ صیقل ہو گیا کہ اباحت کا حکم بعثت کے بعد ہوگا اور حرمت وغیرہ کی دلیل کا نہ ہونا ہی اباحت کی شرعی دلیل ہے۔ اور اسی اباحت شرعیہ سے اصولیین اور فقہاء نے استدلال کیا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے علماء اصولیین کے سربراہ امام فخر الاسلام کا کلام پیش کرتے ہیں۔ جسے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرات احمدیہ کے صـ ۱۲۱ پر نقل کیا ہے۔

وانما جعلنا المبیح اصلا والمحرم ناسخا بناء علی زمان الفترۃ بین عیسیٰ ومحمد علیہ السلام

ہم نے مبیح کو اصل اور محرم کو ناسخ اس وجہ سے قرار دیا ہے کہ حضرت عیسےٰ اور حضور علیہ السلام

قبل شرعیتنا فانه کان الابلحة اصلا حینئذٍ ثم بعث نبینا علیه السلام یبیعا الاشیاء المحرمة و بقی ماسواها حلالا مباحا۔ انتھی کلامہ۔ تفسیر احمدی ص۲

کے درمیانی زمانہ فترت میں اشیاء کی اصل اباحت تھی۔ پھر نبی علیہ السلام مبعوث ہوئے اور آپ نے بعض اشیاء کی حرمت بیان فرمائی اور باقی اشیاء اپنی اصل پر مباح رہیں یعنی اب ان کے لئے اباحت کا حکم ثابت ہو گیا۔

نبی علیہ السلام کی بعثت کے بعد اباحت اصلیہ سے استدلال کرنے کو سرفراز صاحب نے نری خیانت اور خالص جہالت قرار دیا ہے۔

آیئے اب ہم آپ کے سامنے ان حضرات کی عبارات پیش کریں جنہوں نے بعثت کے بعد اباحت اصلیہ سے استدلال کیا ہے اور یہ وہ ستون ہیں جن کے کاندھوں پر حنفی عمارت قائم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ گکھڑ کے فضلاء انہیں نرا خائن اور خالص جاہل سمجھتے ہوں۔ امام فخر الاسلام کا کلام ہم پیش کر چکے ہیں۔ اب خود ملا جیون کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

تفسیر احمدی ص۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں

ولا یظھر ثمرته الا فی قوله علیه السلام لاتبیعوا الطعام الاسواء بسواء فان عندنا الاصل هو اباحة الربوا حتی یعفو عنه عدم القدر و الجنس وانما ثبت الحرمة اذا وجد جمیع الشرائط۔

اور اصل میں اباحت یا حرمت کے اختلافات کا ثمرہ نبی علیہ السلام کے اس فرمان پر مرتب ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ طعام کو نہ بیچو مگر مساوی کے بدلے میں مساوی۔ پس ہمارے نزدیک اصل میں زیادتی مباح ہے۔ یہاں تک کہ قدر اور جنس متحد نہ ہونے پر پائی معاف ہو گی اور حرمت اسوقت ثابت ہو گی جب اُسکے جمیع شرائط پائے جائیں۔

اس استدلال کی توضیح یہ ہے کہ سود میں حرمت کی علت احناف کے نزدیک اتحاد قدر اور جنس ہے مثلاً ایک صاع چاول کی بیع ایک صاع چاول کے بدلے میں جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص صاع سے قدر زائد لے گا۔ تو یہ سود ہوگا لیکن اگر ایک صاع چاول کے بدلے میں وہ گندم بیچتا ہے تو آپ گندم صاع سے زیادہ دے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔

پس فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی جائز ہے۔ کیونکہ اصل میں بیع کے اندر زیادتی جائز تھی۔ شارع نے صرف اتحاد جنس کی صورت میں زیادتی حرام کی ہے۔ پس جنس نہ ہونے کی صورت میں زیادتی اپنی اصل پر مباح رہے گی۔ اسی طرح اتحاد قدر بھی حرمت میں شرط ہے۔ اور قدر سے مراد معروف اور مقرر قدر ہے۔ لہذا صاع کے بدلے صاع میں تو تفاضل حرام ہے لیکن اگر قدر معروف نہ ہو۔ اور ایک مٹھی کے بدلے دو مٹھیاں لی جائیں۔ تو یہ زیادتی جائز ہے۔ کیونکہ زیادتی اصل میں مباح تھی شارع علیہ السلام نے قدر مخصوص میں زیادتی حرام کی پس یہ زیادتی اپنی اصل پر مباح رہے گی۔ اب آپ غور فرمائیے کہ اباحت اصلیہ سے یہ استدلال بعثت سے قبل ہے یا بعد۔

اور نورالانوار ص ۲۳۲ پر ملا جیون رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کی تقریر میں فرماتے ہیں۔

ونقدرہ ھکذا لا تبیعوا الطعام بالطعام فی حال من الاحوال الا فی حال المساواۃ والاحوال ثلثۃ وھی المساواۃ والمفاضلۃ	اور ہم احناف اہل سنت اس حدیث میں اس طرح تقدیر کرتے ہیں کہ طعام کی طعام کے ساتھ کسی حال میں بیع نہ کرو مگر حالِ مساواۃ میں اور کل تین حال ہیں۔ ایک

والمجازفة وكلها احوال الكثير فتحل منه المساواة وتحرم المفاضلة والمجازفة والقليل غير متعرض به اصلا لا فى المستثنى ولا فى المستثنى منه فبقى على الاصل الذى هو الاباحة فيجوز بيع الحفنة بالحفنة وكذا بالحفنتين

بغیر پیمائش کے اندازے سے بیچنا دوسرا زیادتی سے بیچنا تیسرا مساوات سے پس پہلے دو حرام ہیں اور آخری حلال ہے اور طعام قلیل کا ذکر نہ مستثنیٰ میں ہے نہ مستثنیٰ منہ میں پس قلیل اپنی اصل پر رہا۔ اور وہ اباحت اصلیہ ہے پس ایک مٹھی کی بیع ایک مٹھی اور دو مٹھی دونوں کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

اور تلویح صـ۳۰۲ پر علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

اذا جمع بين خصال الكفارة فان الاتيان بالمامور به انما يكون فى واحدة منهما و جواز غيرها انما هو بحكم الاباحة الاصلية حتى لو لم يكن لم يجز

جب خصال کفارہ کو جمع کر لیا جائے تو مامور بہ کا حصول تو صرف ایک صورت میں ہوگا اور باقی خصال کا جائز ہونا اباحت اصلیہ کی بنا پر ہے۔ حتی کہ اگر اباحت اصلیہ نہ ہوتی تو جائز نہ ہوتا۔

اس استدلال کی توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قسم کے کفارہ میں فرمایا کہ دس مساکین کو کھانا کھلایا جائے یا انہیں کپڑے پہنائے جائیں یا غلام آزاد کیا جائے اب ان تین میں سے کسی ایک پر عمل کر لیا جائے تو کفارہ ادا ہو جائیگا۔ لیکن اگر کوئی باقی دو پر بھی عمل کرنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں۔ علامہ فرماتے ہیں۔ چونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اسلئے باقی پر عمل کرنا بھی جائز ہے اور اگر اباحت اصلیہ نہ ہوتی تو جائز نہ ہوتا۔

دیوبندی شہادت

اور سب کو چھوڑیئے۔ سرفراز صاحب

کے حکیم الامت صاحب طریقہ مولود کے ص۱۲ پر لکھتے ہیں۔

"اصول شرعیہ میں سے اور نیز قواعد عقلیہ میں سے یہ امر مسلم ہے۔ کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ یعنی نصوص شرعیہ میں نہ ان کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت۔ ایسا امر مباح ہوتا ہے (بحوالہ باب جنت ص۱۲۲)

اب بتلائیے سرفراز صاحب کہ یہ اباحت اصلیہ ورود شرع سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔ ورود شرع کے بعد جن مخصوص اشیاء کا نہ امر کیا گیا ہو نہ ان سے روکا گیا ہو۔ ان میں اصل اباحت ہے اور تھانوی صاحب کے نزدیک یہ اباحت مسلم ہے اور عقلی نقلی دلیل سے ثابت ہے۔ اب یا تو تھانوی صاحب کو جاہل بنائیے۔ اور اس امر مسلم کا انکار کیجئے یا اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حق کی طرف رجوع کیجئے اور سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ اہل سنت کے معمولات کی نصوص شرعیہ سے ممانعت ثابت ہے۔ تو گزارش ہے کہ گیارہویں کے ایصال ثواب سوئم۔ اور عرس اور میلاد وغیرہ کسی ایک کی ممانعت پر ہی آپ نصوص شرعیہ تو الگ ہے۔ ایک ہی نص شرعی پیش کر دیجئے۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ اس کے برخلاف ہم ان میں سے ہر ایک کے نفس تحقق اور کلیت پر نصوص شرعیہ پیش کر چکے اور شرعی کلیہ کے افراد کو بدعات میں داخل کرنا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے۔

تھانوی صاحب طریقہ مولود ص۱۳ پر لکھتے ہیں۔

"عمل مولود شریف بہ ہیئت وقیود مخصوصہ ظاہر ہے۔ کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے ممنوع تو فی حد ذاتہ مباح ٹھہرا۔ انتہیٰ۔

اس پر سرفراز صاحب کہتے ہیں حضرت تھانوی نے کیا صرف عمل مولود شریف کو بقیود مخصوصہ مباح کہا ہے یا سب چیزوں کو مفتی صاحب ایک آدھ چیز کے مباح ہونے سے اشیاء کی اباحت جو آپ کا مدعیٰ ہے کیسے ثابت ہوا۔ انتہی۔ باب جنت ص۲۵

شکر ہے سرفراز صاحب۔ کہ آپ نے ورود شرع کے بعد ایک آدھ چیز میں تو اباحت مان لی۔ ورنہ پہلے تو آپ مطلقاً انکار کئے جا رہے تھے۔ اگرچہ آپ کو تھانوی صاحب کے کلام میں اباحت اصلیہ کا کلیہ سمجھ میں نہیں آیا بہر حال ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ ورود شرع کے بعد جن اشیاء مخصوصہ کا نہ حکم ہو نہ ان سے ممانعت ہو۔ تو ان میں اصل اباحت ہے اور اسی کلیہ کو تھانوی صاحب نے ص۱۴۰ پر ان الفاظ سے بیان کیا کہ جو فعل نہ مامور ہو نہ منہی عنہ ہو۔ نصوص شرعیہ میں نہ اس کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت ایسا امر مباح ہوتا ہے۔ انتہی کلامہ۔

بتلائیے سرفراز صاحب۔ یہ ایک آدھ امر کی اباحت ہے یا اباحت کا قاعدہ کلیہ ہے۔ اور اسی کلیہ سے تھانوی صاحب نے عمل مولد کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔ کہئے سرفراز صاحب اب بھی آپ کی سمجھ میں اباحت اصلیہ آئی یا کیا کچھ کسر باقی رہ گئی ہے۔ اور یہ ہیں سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی۔ یا ایّھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء کے تحت ص۱۶۱ حاشیہ ص۲ پر لکھتے ہیں۔

جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں۔ ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل وتحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت وبصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی

ذریعہ رحمت وسہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمالِ حکمت و عدل سے حلال و حرام کر دیا۔ وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقعہ ملا۔ عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔

اور حاشیہ صلا پر لکھتے ہیں۔

چنانچہ اسی سے بعض علمائے اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

بتلائیے سرفراز صاحب کہ یہ اباحت اصلیہ ورود شرع سے پہلے ہے یا بعد؟ آنکھیں کھول کر غور و فکر سے اس عبارت کو پڑھیں۔ کہ عثمانی صاحب اس چیز کو اباحت اصلیہ میں شامل کر رہے ہیں جس کا شارع نے خصوصاً بیان نہیں کیا اور اس میں عمل کرنے والوں کو فعل و ترک میں آزاد لکھ رہے ہیں۔

اب آپ کی مرضی ہے کہ خود جاہل بنیں یا اپنے اکابر کو جاہل بنائیں ہم نے بہرحال مسئلہ کی تمام پہلوؤں سے تحقیق کر کے اسے واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالٰی قبول فرمائے (آمین)

سرفراز صاحب نے اس موضوع پر تلبیس کی تیسری جسارت ص۲۱۱ پر کی ہے۔ لکھتے ہیں۔" ثالثاً مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ کہنا کہ وہی چیزیں حرام ہیں جن پر دلیل حرمت قائم ہو۔ بجا ہے۔ مگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن امور کی اباحت کا دعویٰ کیا جائیگا۔ ان کی اباحت پر بھی دلیل شرعی درکار ہے نرے لفظوں کی شعبدہ بازی سے اباحت بھی ہرگز ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے ورود شرع کے بعد مباح کے بارے میں یہ نظریہ اور خیال رکھنا

کہ وہ بلا کسی شرعی دلیل کے خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اباحت اصلیہ اس کیلئے سہارا اور ٹیک ہے۔ نری خام خیالی اور شیخ چلی کا پلاؤ ہے علماء اسلام نے اس کی تصریح کی ہے۔ کہ مباح کے اثبات کیلئے بھی دلیل شرعی درکار ہے۔ چنانچہ مشہور اصولی ملا محب اللہ بہاری الحنفی لکھتے ہیں۔

الاباحة حكم شرعي، لانه خطاب الشرع تخييرا (مسلم الثبوت ص۲۵)	اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ اباحت شرع کا خطاب ہے جس کے کرنے نہ کرنے کا حکم دیا ہے

سرفراز صاحب کی خیانت

مسلم الثبوت ص۲۵ کی جو عبارت سرفراز صاحب نے پیش کی ہے اس کے بعد متصلا جو عبارت تھی۔ اس کو سرفراز صاحب صاف ہضم کر گئے کیونکہ اگر اس عبارت کو پیش کر دیتے تو ساری دیوبندیت پیوند زمین ہو جاتی اور اہل سنت کو سب وشتم کرنے کا کوئی جواز باقی نہ رہتا۔ اب ہم مسلم الثبوت کی پوری عبارت کو قارئین کی عدالت میں پیش کئے دیتے ہیں

الاباحة حكم شرعي لانه خطاب الشرع تخييرا والاباحة الاصلية نوع منه لان كل ما عدم فيه المدرك الشرعي للحرج في فعله وتركه فذالك مدرك شرعي لحكم الشارع بالتخيير فهي لا تكون الا بعد الشرع خلافا لبعض المعتزلة	اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ یہ شرع کا تخییری خطاب ہے اور اباحت اصلیہ اس خطاب کی ایک قسم ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز جس میں فعل یا ترک پر ضرر کی دلیل شرعی نہ پائی جائے پس اسکا عدم وجدان ہی شارع کے حکم اباحت پر دلیل شرعی ہے پس اباحت اصلیہ کا یہ حکم ثابت نہیں ہوگا۔ مگر ورود شرع کے بعد بخلاف بعض معتزلہ کے

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ محب اللہ بہاری کی عبارت کا سرقہ کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنی جان پر کس قدر ظلم کیا ہے۔ محب اللہ

بہاری کی عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مباح کیلئے علیحدہ دلیل کی ضرورت نہیں، محرم وغیرہ کا نہ پایا جانا ہی اس کی اباحت کی دلیل شرعی ہے۔ اور سرفراز صاحب اس عبارت میں نقب لگا کر یہ ثابت کر رہے ہیں۔ کہ مباح کیلئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اسے بنیاد قرار دیکر اہل حق پر سب و شتم کرتے ہیں ؎

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

آگے چل کر صہ ۲۱۳ پر لکھتے ہیں۔ رابعاً گیارہویں میلاد تیجہ و رساتواں کے بارے میں باحوالہ بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ انتھی کلامہ

الجواب۔ آپ کی عرض پر ہمارا قلم بہت کچھ کر چکا ہے۔ اب یہ ضد جانے بھی دیجئے، پھر لکھتے ہیں۔

اگر خیر القرون میں یہ امور ہوئے ہیں۔ تو صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے۔ چشم ما روشن دل ماشاد۔ انتھی کلامہ۔

صحیح اور صریح حوالے کے بارے میں ہم اس کتاب میں ومما رزقنھم ینفقون کے تحت کافی گفتگو کر چکے ہیں۔ اب آپ نہیں مانتے تو مزید سنئے کہ ہم ان امور کو مباح قرار دیتے ہیں۔ اور گذشتہ سطور میں ثابت کر چکے ہیں کہ مباح کیلئے مستقل دلیل کی ضرورنہیں۔ محرم وغیرہ کا نہ پایا جانا ہی اس کی اباحت کی شرعی دلیل ہے۔ اور آپ جو ان امور کو حرام کہتے ہیں تو حرمت تو بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوتی۔ صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے۔ کہ خیر القرون میں ان امور کو حرام قرار دیا گیا ہو اور آپ کی تو خیر حیثیت ہی کیا ہے۔ آپ کے جغادری قسم کے اجارہ بھی ان امور مخصوصہ کی حرمت پر دلیل شرعی نہ لا سکے اور نہ انشاء اللہ تا قیامت

لاسکیں گے۔ تو پھر یہ فرمایئے کہ آپ نے ان امور کو بغیر دلیل شرعی کے حرام کرکے خدا رسول کے منصب پر کیسے غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ بلکہ خدا رسول کے حلال کردہ کو حرام قرار دے کر گویا خدا رسول سے بھی بڑھ گئے آگے لکھتے ہیں۔ ان بدعات کو مباح قرار دینا اور قرآن کریم کی آیات سے ان کو کشید کرنا نہ صرف یہ کہ گمراہی اور گناہ ہے۔ بلکہ تحریف ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ انتہیٰ کلامہ۔

بیشک اللہ تعالیٰ جھوٹوں سے بچائے۔ تحریف کون کرتا ہے۔ یہ بات اَن گنت مرتبہ قارئین پر واضح ہو چکی ہے۔ غیر مقلد دینی لحاظ سے آپ کے چچا ہوتے ہیں اور انہوں نے بھی آپ کو رئیس المحرفین کا لقب دیا ہے۔ اب جبکہ آپ کا کنبہ ہی آپ کو محرف چھوڑ رئیس المحرفین کا لقب دے چکا ہے۔ تو آپ اپنی اس جائداد کو اس طرح بے قدری سے نہ لٹائیں۔ بزرگوں کے عطیات کی قدر کیا کرتے ہیں۔ انہیں اس طرح پامال نہیں کرتے۔ بھلا ہم تحریف کیا کریں گے۔ ہم تو آئمہ اور سلف کے تابع اور مقلد ہیں۔ ہم نے تو اپنے آپ کو شریعت کے ایک ایک لفظ کا پابند بنا لیا ہے۔ یہ تو آپ کا اور آپ کے آباء کا حصہ ہے۔ مطمئن رہیں۔ ہماری طرف سے آپ کی حق تلفی کبھی نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ!

اباحت اصلیہ کی تردید پر عقلی ڈھکوسلے اور انکے جوابات

راہِ سنت صہ ۱۰۴ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ "فرض کیجئے کہ کوئی بدعت پسند پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز ایجاد کرے اور اسکی ہر رکعت میں دو دو رکوع اور چار چار سجدے ایجاد کرے۔ تو کیا اس اباحت اصلیہ کے قانون سے

اس لغو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا؟ انتھی کلامہ۔

سرفراز صاحب کی جہالت اور بے خبری حیرت انگیز ہے۔ مرارا کثیرہ بیان کر دیا گیا کہ اباحت اصلیہ سے اس جزئیہ کی اباحت پر استدلال ہوگا جس کی حلت یا حرمت دوسرے دلائل سے ثابت نہ ہو چھٹی نماز کو اباحت اصلیہ کی مد میں لانا نری شعبدہ بازی اور مغالطہ آفرینی ہے اولاً اس لئے کہ اسم عدد لفظ خاص ہے۔ اور لفظ خاص اپنے مفہوم میں قطعی ہوتا ہے۔ نہ اس سے کم جائز نہ زیادہ۔ لہٰذا جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں۔ تو صرف چار نمازوں کو فرض سمجھنا جس طرح باطل ہے۔ اسی طرح چھٹی نماز کو فرض سمجھنا بھی باطل ہوگا۔ ورنہ عدد خاص کی خصوصیت باطل ہو جائیگی۔ ثانیاً اباحت اصلیہ سے اگر کچھ ثابت ہوگا تو مباح ثابت ہوگا فرض کیسے ثابت ہو جائیگا۔ کیا یہ حماقت خیزی کی انتہا نہیں ہے کہ آپ اباحت اصلیہ سے چھٹی نماز کی فرضیت ثابت کر کے معارضہ کر رہے ہیں۔ ثالثاً اگر چھٹی نماز سے مراد مباح ہے۔ یعنی کوئی اباحت کے درجہ میں چھٹی نماز پڑھے تو گذارش ہے کہ چھٹی تو اپنی جگہ پر ہے۔ کوئی نفلی طور پر چھ سو نمازیں بھی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ باقی آپنے نمازیں دو دو رکوع اور چار چار سجدہ کو جو اباحت کی مد میں شامل کیا ہے تو یہ بھی محض جہالت ہے۔ سرفراز صاحب اباحت اصلیہ سے استدلال اس جزئیہ پر کیا جائیگا۔ جہاں شارع کا کوئی مخصوص حکم نہ ہو نماز کی مخصوص ہیئت پر تو شارع کے منصوص احکام موجود ہیں۔ جن میں کسی ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ نماز خواہ نفلی ہو یا واجب اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت کو شارع نے معین فرما دیا ہے لہذا جو نماز بھی ہوگی وہ اپنے طریقہ پر ہوگی۔ آپ آخر اس قدر بوکھلا کیوں گئے ہیں اور قیامت سے پہلے ہی اپنے اوپر منظر قیامت کیوں طاری کر لیا۔

سرفراز صاحب کو یہ بھی شکوہ ہے کہ اباحت اصلیہ جب مدرک شرعی نہ ہونے سے ثابت ہوتی ہے تو اباحت اصلیہ پر آیات و احادیث سے استدلال کیوں کیا جاتا ہے یہ آیات و احادیث مدرک شرعی نہیں ہیں؟ یہاں پر بھی آپ نے حسب عادت جھک ماری ہے۔ سرفراز صاحب اباحت اصلیہ کے قاعدہ کلیہ کا حجت ہونا ایک اور امر ہے اور اس اباحت سے کسی مخصوص جزئیہ پر استدلال کرنا امر آخر ہے آیات و احادیث سے اباحت اصلیہ کے قاعدہ کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اور اس قاعدہ سے اباحت وہیں ثابت ہوگی۔ جہاں مدرک شرعی نہ ہو۔

مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت کا جواب

سرفراز صاحب اباحت اصلیہ پر ایک اعتراض کرتے ہوئے باب جنت ص۱۰۵ پر لکھتے ہیں۔

یہی ارشاد فرمایئے کہ حضرت امام ابو حنیفہ دریا کے کس جانور کو حلال اور کس جانور کو حرام فرماتے ہیں؟ مفتی صاحب، احناف تو خیر احناف ہیں دیگر مسالک کے علماء کو بھی یہ امر مسلم ہے۔ چنانچہ حضرت امام نووی ابو ذکریا یحیٰی بن شرف الشافی المتوفی سنہ ۶۷۶ھ۔ فرماتے ہیں۔

وقال ابو حنیفۃ لا یحل غیر السمک (نووی جلد ۲ ص۱۴۸ شرح مسلم)	امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے بغیر کوئی دریائی جانور حلال نہیں ہے۔

مفتی صاحب ہی فرمائیں کہ کیا دریائی جانور تمام اشیاء اور چیزوں کی فہرست میں داخل نہیں ہیں؟ یا یہ قاعدہ ہی امام موصوف کو معلوم نہیں۔ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ انتھی کلامہ۔

سرفراز صاحب کا یہ لغو اعتراض کئی وجہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ امام موصوف نے ان دریائی جانوروں کو کس دلیل سے حرام کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ ان اشیاء کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی ہے یا نہیں، اگر انکی حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے تو ان کا اباحت اصلیہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ کیونکہ جن چیزوں پر حلت یا حرمت وغیرہ کا شرعی حکم نہ ہو وہ اباحت اصلیہ کے تحت آتی ہیں نہ کہ وہ جن کی حرمت پر دلیل شرعی موجود ہو اور اگر ان کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ تو امام موصوف نے بغیر کسی دلیل شرعی کے ان دریائی جانوروں کو کیسے حرام کر دیا؟ کیا حرمت اصلیہ سے؟؟ لیکن وہ تو آپ کے نزدیک ورود شرع سے پہلے ہے۔ ثانیا دریائی جانوروں میں امام صاحب کا مذہب معلوم کرنے کے لئے آپ کو کوئی حنفی کتاب نہیں ملی تھی۔ جو آپ نے اس مسئلہ کو کتب شافعیہ میں دیکھا ہے۔ ثالثا آیئے اب ہم آپ کو احناف کی کتب سے اس مسئلہ پر مطلع کرتے ہیں۔

دیکھئے ہدایہ جلد ۴ صنہ ۴۴۰ پر ہے۔

ولنا قوله تعالیٰ ویحرم علیہم الخبائث وما سوا السمك خبیث ونهی رسول اللّٰه علیه السّلام عن دواء یتخذ فیه الضفدع	مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت پر احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نبی علیہ السلام اشیائے خبیثہ کو حرام کرتے ہیں اور مچھلی کے سوا باقی جانور خبیث ہیں۔ پس وہ بھی حرام

قرار پائے اور اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور نے اس دوا کھانے سے منع فرمایا۔ جو مینڈک سے بنائی جاتی ہے۔

کاش سرفراز صاحب آپ مکتبہ فکر بریلی کے کسی طالب سے ہی ہدایہ پڑھ لیتے۔ تو یہ رسوائی آپ کا مقدر نہ بنتی۔ مذکورہ عبارت سے واضح ہو گیا کہ مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت پر دلیل شرعی موجود

اور جس کی حرمت پر دلیل شرعی موجود ہو۔ اسکو اباحت اصلیہ کا فرد بنا کر اس کی حرمت سے اباحت پر اعتراض کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے۔

بحمداللہ تعالےٰ ہم نے اباحت اصلیہ کے مسئلہ پر تنقید متین۔ راہ سنت، اور باب جنت سے چن چن کر سرفراز صاحب کے شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ کاش انہیں بھی ہدایت نصیب ہو!

تصرف فی الکون

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ۔ اس آیت کے ترجمہ میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے بُرے کا خود مختار نہیں، مگر جو اللہ چاہے۔ اور اسی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل سید مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا، حضرت مترجم قدس سرہ العزیز نے فرمایا بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہو جو ذاتی قدرت رکھے۔ اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا۔ جس کا علم بھی ذاتی ہو۔ کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے۔ اسکے تمام صفات ذاتی تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہوتا تو قدرت بھی ذاتی ہوتی اور میں بھلائی جمع کر لیتا اور بُرائی نہ پہنچنے دیتا۔ بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے۔ اور برائیوں سے تنگی تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کر لینا ہو۔ اور بُرائی سے بدبخت لوگوں کا باوجود دعوت کے محروم رہ جانا۔ تو حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا۔ تو اے منافقین و کافرین تمہیں سب کو مومن کر ڈالتا۔ اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی تھی۔

حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر میں منصف مزاج حضرات کی ہدایت کا وافر سامان موجود ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ اوپر تحریر فرمایا ہے۔ وہ تمام معتبر تفاسیر کے مطابق ہے لا اعلم الغیب کے تحت

سابقہ اوراق میں ہم اس کی تائید میں مفسرین کی شہادت پیش کر چکے ہیں۔ البتہ مبتدعین دیوبند جن کے مذہب کی بنیاد ہی عناد رسول پر ہے۔ انہیں یہ تفسیر گوارا نہیں کھاتی۔ صدر الافاضل نے یہاں قدرت ذاتیہ کی نفی کی ہے۔ اس پر سرفراز صاحب کو اعتراض ہے کہ ذاتی قدرت تو ویسے بھی منتفی ہے پس اس آیت میں عطائی قدرت کی نفی کی گئی ہے یعنی گکھڑ والوں کے نزدیک رسول ایسا بے بس اور مجبور ہے جو کسی امر پر نہ ذاتی قدرت رکھتا ہے نہ عطائی۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ کی بے بسی ثابت کرنے کیلئے اپنی پوری قدرت صرف کی ہے۔ اور اللہ کے نبی کے اختیار کو رد کرنے کیلئے تمام زور قلم خرچ کر دیا ہے۔ ص ۲۱۵ پر لکھتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دوسروں کے بارے میں نفع و ضرر کا اختیار حاصل تھا۔ اور نہ خود اپنی ذات بابرکات کیلئے جن میں ایک دلیل قل لا املك لنفسي الآیۃ ہے۔ تو اس سے گلو خلاصی کیلئے خان صاحب بریلوی اور ان کے شاگرد رشید مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ طریقہ اختراع اور اختیار کیا ہے کہ آیت کا معنی یوں کر ڈالے کہ میں از خود اختیار نہیں رکھتا اور میں ذاتی قدرت نہیں رکھتا۔ لہذا لفظ از خود اور ذاتی کی قید اپنی طرف سے لگا کر آیت کے قطعی معنی کے جواب سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں۔

سرفراز صاحب اپنے ضابطہ کی نظر میں

سرفراز صاحب نے ص ۲۲۲ پر قرآن کریم کے معنی متعین کرنے کا ایک ضابطہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"اگر انصاف خدا خوفی اور دیانت کے ساتھ اس بات پر غور کر لیا جائے

کہ آخر یہی قرآن و حدیث حضرات صحابہ کرام۔ تابعین عظام اور ائمہ دین و بزرگان صالحین کے سامنے بھی تھے۔ ان کا جو مطلب و معنی اور جو تفسیر و مراد انہوں نے سمجھی وہی حق اور صواب ہے۔ باقی سب غلط و باطل ہے پس عوام کا یہ کام ہے کہ ہر باطل پرست اور خواہش زدہ سے سوال کریں کہ فلاں آیت اور فلاں حدیث کی جو مراد تم بیان کر رہے ہو۔ آیا یہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔ اگر ہے تو صحیح اور صریح حوالہ بتاؤ۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ ورنہ یہ مراد جو تم بیان کر رہے ہو۔ اس قابل ہے کہ اسے تم اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔ انتہی کلامہ۔

تنقید متین کے صفحات میں جو سرفراز صاحب نے قرآن کریم کی من مانی تفسیر کی ہیں۔ اور جس طرح انہوں نے آیات کو اپنی ہوائے نفسانی کا تابع بنانے کی سعی مذموم ہے۔ کہ وہ ہم ناظرین پر واضح کر چکے ہیں۔ مثلاً سرفراز صاحب نے اس کتاب میں ایاک نستعین کی تفسیر میں یہ سمجھانا چاہا ہے۔ کہ ذاتی اور عطائی ہر قسم کی استعانت اللہ تعالے کے ساتھ مختص ہے، غیر المغضوب کے تحت لکھا ہے۔ کہ ض کو ظاء کے مخرج سے پڑھنا اہل حق کا طریقہ ہے و مما رزقناهم ینفقون کے تحت لکھا ہے کہ گیارہویں وغیرہ کرنا جائز نہیں۔ ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیك کی امکان کذب کے ساتھ تفسیر کی ہے لا اعلم الغیب کو غیب عطائی کی نفی پر محمول کیا ہے، اور قل لا املك لنفسی نفعا کی تفسیر عطائی قدرت کی نفی کے ساتھ کی ہے۔ کیا ان تمام تفسیروں میں سلف نے آپ کا ساتھ دیا ہے۔ پس اب ہم سرفراز صاحب کے بیان کردہ قاعدہ اور ان کی اجازت سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ آیات قرآنیہ کی جو تفسیر اور مراد آپ نے تنقید متین میں

بیان کی ہے۔ اور اس پر آپ سلف صالحین کی تفاسیر سے کوئی ایک شہادت بھی نہیں پیش کر سکے۔ تو پھر کیا آپ کی یہ تفسیر بلکہ پوری کتاب اس قابل نہیں ہے۔ کہ اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔

بخلاف اس کے ہم نے اپنی کتاب میں آیات قرآنیہ کے تحت جو کچھ بیان کیا۔ اسے احادیث اقوال سلف اور تفاسیر سے مزین کر دیا ہے بلکہ دیوبند کے اکابر علماء کے اقوال پیش کر کے اسکالات ختم کیلئے کافی مواد مہیا کر دیا ہے۔ اور اب متلاشیان حق کے لئے یہ امر کوئی مشکل نہیں رہا کہ حق کس جماعت کے ساتھ ہے۔

قدرت ذاتیہ کی نفی پر دلائل

بہر حال سرفراز صاحب قل لا املک لنفسی نفعا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہاں قدرت ذاتیہ کی نفی نہیں ہے۔ اور یہ ان کا خود ساختہ اور مزعوم ادعاء ہے جس پر وہ کسی تفسیر کو پیش نہیں کر سکتے۔ اور بحمد للہ ہم اس امر پر مفسرین کی شہادت پیش کریں گے۔ کہ اس آیت میں ذاتی اور مستقل قدرت ہی کی نفی مراد ہے۔

پس اولاً ملاحظہ فرمایئے۔ امام رازی اس آیت کے تحت ص ۳۳۱ ج ۴ پر فرماتے ہیں۔

والقدرة الكاملة والعلم المحيط ليس الا لله تعالى	قدرت کاملہ اور علم محیط نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لئے۔

اور اہل فہم پر روشن ہے کہ قدرۃ کاملہ وہی ہے جس میں کسی وجہ سے نقص راہ نہ پا سکے۔ یعنی جو قدرت قدیم ہو۔ ممتنع الزوال ہو مستقل ہو۔ اور اسی کو قدرت ذاتیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور علم محیط وہ علم ہے۔ جو معلومات غیر

متناہیہ کو شامل ہو۔ قدیم ہو۔ مستقل ہو۔ اور اس کو علم ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں۔
پس ظاہر ہو گیا جس طرح صدر الافاضل نے اس آیت کو علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ کی نفی پر محمول کیا ہے۔ امام رازی بھی اپنی تحقیق سے اسی امر پر پہنچے ہیں۔ اور اس کی مزید وضاحت انہوں نے لا اعلم الغیب کے تحت کی ہے جس کو ہم اس بحث میں پیش کر چکے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ احادیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نفع کا اسناد ثابت ہے۔ دیکھئے مسلم علی صدر الفتح الملہم ص ۳۷۵ ج ۱ پر ہے۔

عن العباس بن عبد المطلب انہ قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل نفعت ابا طالب بشیٔ فانہ کان یحوطک ویغضب لک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم ھو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار۔

عباس بن عبد المطلب سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول کیا آپ نے ابو طالب کو کچھ نفع دیا۔ وہ آپ کی رعایت کرتے تھے آپ کیلئے غضبناک ہوتے تھے پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں میں نے اسے نفع دیا ہے اب اسکی صرف ایڑیاں آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے آخری طبقہ میں ہوتا۔

اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ حضور نے ابو طالب کو نفع دیا۔ یہ ذاتی ہے یا عطائی۔ شق اول خود شرک ہے اور شق ثانی پر آپ کی کلی ٹوٹ گئی۔

ثالثاً یہ کہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۸ پر ہے۔

عن عابس بن ربیعہ قال رأیت عمر یقبل الحجر ویقول انی لا علم انک حجر ما تنفع ولا تضر الحدیث

عابس بن ربیعہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ میں

جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور نہ نفع دیتا ہے اور نقصان۔ یعنی وہ پتھر کسی کو ذاتی طور پر نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ملا علی قاری لا تضر کے تحت فرماتے ہیں۔ ای فی الذات ص۳۲۵ ج ۵۔

اعلیحضرت یا صدر الافاضل اگر حضور کے نفع وضرر کے حکم پر ذاتی کی نفی کر کے اس کیلئے عطائی نفع ثابت کریں تو آپ بگڑ جاتے ہیں اور ملا علی قاری اس عبارت میں پتھر کیلئے عطائی نفع ثابت کر رہے ہیں افسوس آپ بے جان پتھر کیلئے نفع مان سکتے ہیں اور کائنات کے محسن اعظم کیلئے یہ فضیلت بھی آپ کی نگاہوں میں کھٹکتی ہے۔

رابعاً۔ مولوی سرفراز صاحب کے شبیر احمد عثمانی دیوبند کے شیخ الاسلام اپنی تفسیر کے ص۲۳۱ پر لکھتے ہیں:

"اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں ہو نہ اپنے اندر اختیار مستقل رکھتا ہے۔ نہ علم محیط۔ انتھی کلامہ

لیجئے۔ اب تو دیوبند کی شہادت سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہاں اختیار مستقل یعنی قدرت ذاتیہ اور علم ذاتی کی نفی ہے۔ صدر الافاضل اگر قدرت ذاتیہ کی نفی کریں۔ تو آپ اسے اختراع تحریف چور دروازہ نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اب اپنے عثمانی صاحب پر کیا فتویٰ لگائیے گا۔ مدینہ کے یہودیوں کی طرح کہ جو بات ان کے احبار و رہبان کہتے وہ سب حق و صواب ہوتی۔ اور اگر وہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے، تو سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کی تکذیب کرتے۔ آپ نے بھی یہی شعار بنا رکھا ہے۔ کہ جو بات آپ کے احبار و رہبان کہیں۔ وہ سب دین و ایمان اور جب وہی بات علماء اہل سنت کہیں۔ تو آپ کو اس میں شرک و بدعت کا چور دروازہ نظر آجاتا ہے۔ آپ ہی سوچیں کہ آپکی اس روش سے لوگوں پہ کیا اثر پڑیگا۔

خاموش رہیئے۔ اب ہم خود سرفراز صاحب کے کلام سے منوائے دیتے ہیں کہ حضور کو عطائی قدرت واختیار حاصل تھا۔ ص۲۱۷ پر لکھتے ہیں۔

"الغرض جو افعال بندے کے اختیار اور کسب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں اس کو جو قدرت اور طاقت حاصل ہو۔ وہی بس ہوتی ہے۔ انتہیٰ۔

اب یہ تو بہر حال آپ نے مان لیا کہ نبی کو قدرت اور اختیار حاصل ہے۔ اور اس قدرت کا ذاتی ہونا تو بداہتہ باطل ہے۔ پس متعین ہو گیا کہ یہ قدرت عطائی ہے۔ اور جب حضور کے لئے قدرت عطائی ثابت ہو گئی۔ تو آیت میں جس قدرت کی نفی کی گئی ہے۔ اس کو لامحالہ ذاتی پر محمول کرنا پڑیگا۔ بات تو بالکل واضح ہے۔ البتہ ہٹ دھرمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں

سرفراز صاحب کے شبہات اور ان کے جوابات

ص۲۱۶ پر لکھتے ہیں۔ کیا حضرات صحابہ کرام اور سلف صالحین کی قدرت ذاتی تھی یا عطائی۔ اگر ذاتی تھی تو کس دلیل سے اور اگر عطائی تھی تو انہوں نے بھلائی کیسے جمع کر لی اور برائی سے کیونکر بچ گئے۔ انتہیٰ کلامہ

الجواب۔ صحابہ کرام کی قدرت عطا کردہ تھی اور انہوں نے جو کچھ نفع حاصل کیا۔ ضرر سے بچے وہ سب اسی عطائی قدرت کا ثمرہ تھا۔ یہ کس نے کہا ہے کہ عطائی قدرت سے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں عطائی قدرت سے ذاتی طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بالکل واضح ہے اور یہی صدر الافاضل علیہ الرحمتہ کا مطلب ہے۔ اسی طرح ص۲۱۷ پر لکھتے ہیں۔

آپ نے متعدد ازواج مطہرات سے اور خصوصاً حضرت عائشہ سے جو نکاح کیا ہے۔ اس میں بھی آپ کیلئے کوئی راحت تھی یا نہیں۔ اگر راحت

تھی تو جب آپ کو قدرت ذاتی نہ تھی یہ راحت کہاں سے آگئی۔ انتہی۔

اس کا جواب بھی ماسبق کی طرح واضح ہے کہ چونکہ قدرت ذاتی نہ تھی۔ اسلئے اس راحت کا حصول بھی بذاتہ نہ تھا۔ قدرت عطائی تھی اسلئے اس پر یہ ثمرات بھی عطائی طور پر مرتب ہوئے۔

صـ۲۱۵ پر لکھتے ہیں۔ "اہل بدعت حضرات کا یہ فاسد خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوینی اور تشریعی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ اسلئے آپ تمام جہان میں تصرف کرتے رزق تقسیم کرتے ہیں اور نفع و ضرر دینے کے مجاز ہیں۔ معاذ اللہ اور یہ بے بنیاد عقیدہ روح اسلام کے سراسر خلاف اور عیسائیت کی ہوبہو نقل و تقلید ہے۔ اور توحید پر کاری ضرب ہے۔ انتہی۔

اور پھر اس کے بعد صـ۲۱۶ پر لکھتے ہیں۔

"عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے اختیارات مرحمت ہوئے ہیں، کیا بریلوی حضرات کے نزدیک یہ نظریہ ٹھیک ہے۔ انتہی کلامہ

الجواب۔ سرفراز صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ خلاف واقعہ کہا ہے۔ اہلسنت علماء بریلی کا یہ ہرگز عقیدہ نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام اختیارات حضور کو دے کر معاذ اللہ معطل ہو بیٹھا ہے۔ ہمارا ایمان ہے۔ اس عالم آب و گل میں کوئی ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ وہ فعال مطلق ہے اور اس پر کسی کا اجارہ نہیں اور نہ وہ کسی کی بات ماننے پر مجبور ہے۔ البتہ اس نے اپنے کمال فضل سے اپنے مقربین کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ اگر وہ اس سے دعا مانگیں تو وہ بے پناہ عنایت

سے اس کو ضرور مقبول فرماتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷ پر ہے ولئن سئلنی لاعطینه (اگر میرا مقرب بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اُس کو ضرور بضرور عطا کروں گا)

مشکوٰۃ شریف ص ۴۴۲ پر ہے۔ لو اقسم علی اللہ لابرہ (اگر بندہ مقرب کسی کام کو کرنے کی اللہ کی قسم کھائے تو اسکی قسم کو ضرور پورا کریگا)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ لمعات میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔ معناہ لو سال اللہ شیئا واقسم علیه ان یفعلهٗ لفعله ولم یخیب۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے۔ کہ اگر وہ اللہ سے سوال کرے اور قسم کھائے کہ اللہ تعالٰے اس طرح کریگا۔ تو البتہ اللہ تعالٰے ویسا ہی کریگا۔ اور اپنے بندے کو مایوس نہیں کرے گا۔

اور مشکوٰۃ ص ۲۲ پر ہے۔ کل نبی یجاب۔ (ہر نبی مستجب الدعوات ہوتا ہے) اور جب عام اولیاء و انبیاء کا خدا کی بارگاہ میں یہ مقام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔ ان کے مرتبہ کا کیا عالم ہوگا اور آپ جس کے حق میں دعاء فرمادیں وہ کیوں مقبول نہ ہوگی۔ پس اگر رزق یا اولاد کے حصول کیلئے نبی علیہ السلام سے عرض کی جائے کہ حضور آپ اللہ تعالٰے سے دعاء فرمائیے۔ کہ اللہ تعالٰے ہمیں رزق یا اولاد عطا فرمائے۔ تو یہ قطعاً جائز اور دلائل صحیحہ سے ثابت ہے۔ دیکھئے مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۵ پر ہے۔

عن ام سلیم انها قالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انس خادمك ادع اللہ له قال اللهم اکثر ماله وولده وبارك له فیما

ام سلیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ انس آپ کا خادم ہے آپ اللہ سے اس کیلئے دعا فرمائیے پس آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ انس کے مال اور اولاد میں برکت اور

اعطیتہ قال انس فواللہ ان مالی لکثیر وان ولدی وولد ولدی یتعادون علی نحو المائۃ الیوم متفق علیہ

اور کثرت عطا فرمائے حضرت انس کہتے ہیں۔ خدا کی قسم آج میرا مال بہت کثیر ہے اور میری اولاد کا عدد سو ہو چکا ہے

اس کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ابن حجر کے حوالے ذکر کرتے ہیں۔

روی انہ قال دفنت من صلبی سوی ولد ولدی مائۃ وخمسۃ وعشرین ذکورا الا بنتین علی ماقیل وان ارضی یثمر فی السنۃ مرتین۔

روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ میری صلبی اولاد سے ایک سو تیس بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں اور میری زمین سال میں دو بار پھل لاتی ہے۔

اسناد مجازی

مبتدعین دیوبند کو اس مقام پر یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جب دیتا حقیقت میں اللہ ہی ہے اور انبیاء و اولیاء کا کام دعا کرنا ہے اور وہ محض واسطہ ہوتے ہیں۔ تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے۔ کہ غوث پاک نے بیٹا دیا۔ اور حضرت علی مشکل کشا کیسے ہو گئے اور پھر حضور کو حاجت روا یا مددگار کیوں کہا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کا جواب انہیں بارہا دیا جا چکا ہے۔ کہ یہ سب اسناد مجازی کے قبیل سے ہیں کاش انہوں نے تلخیص المفتاح پڑھ لی ہوتی۔ تو ان کی سمجھ میں آجاتا۔ کہ اسناد الی السبب اسناد مجازی کی ایک قسم ہے۔ مختصر معانی ص ۸۹ پر ہے۔ وبنی الامیر مدینۃ فی السبب۔ یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ امیر نے شہر بنایا حالانکہ یہ کام تو امیر کے ملازم کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے۔ چونکہ امیر کے حکم سے شہر بنایا گیا۔ پس وہ بناء شہر میں سبب قرار پایا۔ اور اسکی طرف اسناد کر کے مجازاً کہا بنی الامیر مدینۃ امیر نے شہر بنایا۔ اسی طرح سے چونکہ

انبیاء اولیاء کی دعاء سے اللہ تعالیٰ رزق یا اولاد عطا فرماتا ہے۔ اور وہ اس عطا میں سبب قرار پاتے ہیں۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ انبیاء یا اولیاء نے رزق یا اولاد دی۔ اور اسناد مجازی خود قرآن کریم سے ثابت ہے سورۂ توبہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

و ما نقموا الا ان اغناهم الله و رسوله من فضله واور ان منافقین کو نہ برا لگا۔ مگر یہ کہ مومنین کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا) اس آیۂ کریمہ میں غنی کرنے کا اسناد نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف کیا گیا ہے۔ حالانکہ اغناء اللہ تعالےٰ کی صفت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ اسناد مجازی ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الزکوۃ۔ فصل اول میں ہے۔

ما ینقم ابن جمیل الا انه کان فقیرا فاغناه الله تعالی و رسوله	ابن جمیل کو برا نہ لگا مگر یہ کہ وہ فقیر تھا پس اللہ اور اس کے رسول نے اسے غنی کر دیا۔

اس کے تحت شیخ محقق اشعۃ اللمعات ص ج ۲ پر فرماتے ہیں۔

و غنا بحقیقت از خدا است و ذکر رسول بجہت آنست کہ وے صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ است در افاضت خیرات و وصول نعمات از جناب حق۔	غناء حقیقت میں اللہ تعالےٰ کی صفت ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس وجہ سے ہے۔ آپ اللہ کی طرف سے تمام نعمتوں اور خیرات کے پہنچنے میں واسطہ ہیں

اسی طرح سورۂ مریم میں ہے۔ لاهب لك غلاما زکیا۔ فرشتہ نے حضرت مریم سے کہا: تاکہ میں تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ اور لڑکا دینا اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا خاصہ ہے۔ مگر اس آیۂ کریمہ میں اس کا اسناد فرشتہ

کی طرف کیا گیا ہے۔ پس اسناد مجازی پر یہ قرآن کریم کی دوسری شہادت ہے مزید تفصیل اور توضیح کیلئے مختصر معانی مطول اور دیگر کتب بلاغت کیطرف رجوع فرمائیں۔

مبتدعین دیوبند کا ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ اسناد مجازی ایک علمی اصطلاح ہے۔ عوام اس پر مطلع نہیں ہیں۔ اسلئے عوام کا یہ کہنا کہ غوث پاک نے بیٹا دیا۔ بہر صورت شرک ہے۔ یہ ایک خوبصورت مغالطہ ہے۔ عوام اسناد مجازی کے مفہوم سے واقف ہیں۔ اگرچہ اسکی تعبیر اور اصطلاح پر مطلع نہیں ہیں۔ مثلاً سب جانتے ہیں کہ عوام اپنے عرف میں کہتے ہیں۔ کہ تاج محل شاہجہاں نے بنایا ہے حالانکہ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ شاہجہان تو اس کی بنار کا سبب تھا حقیقت میں تو یہ مزدوروں نے بنایا تھا۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ حضور غوث پاک نے بیٹا دیا۔ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اولاد غوث پاک کی دعا سے یا ان کے توسل سے ملی اور دینے والا حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پس اس مفہوم کو وہ اسناد مجازی کی اصطلاح سے تعبیر کرنے پر قادر نہیں مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی جڑ سے لیکر پتوں تک رسائی رکھتے ہیں۔

بحمداللہ ہم نے قرآن وحدیث۔ شہادت سلف اور عوام کے عرف سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے سب کچھ مل سکتا ہے۔ اور مجازاً یہ کہنا صحیح ہے۔ کہ حضور نوازتے ہیں۔ عطا فرماتے ہیں۔

صفحہ ۲۱۹ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔" احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوض نہ ہونے کی با حوالہ بحث ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔ پس احکام جن کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے آپ کو مفوض نہیں تو نفع اور ضرر اور امور تکوینی کی تفویض اور عطا کہاں

سے سانتھی کا رمہ۔

احکام کی تفویض کا کیا مطلب ہے۔ اس کو ہم سابقہ اوراق میں مدلل بیان کر چکے ہیں اور رہا امور تکوینیہ میں تصرف تو وہ اللہ کی عطا سے آپ کی اُمت کے اولیار کو بھی حاصل ہے۔ آپ کا مقام تو بہت اعلیٰ وارفع ہے چنانچہ ابن عابدین شامی ردالمحتار صـ۴۲ ج ا پر سیدی محمد شاذلی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

ومنهم ختم دائرة الولاية قطب الوجود سيدى محمد الشاذلى البكرى الشهير بالحنفى الفقيه الواعظ۔ احد من صرفه الله تعالىٰ فى الكون ومكنه من الاحوال ونطق بالمغيبات وخرق له العوائد وقلب له الاعيان

اور اولیار حنفیہ میں سے دائرہ ولایت کے خاتم سیدی محمد شاذلی بکری حنفی ہیں۔ اور یہ ان اولیار میں سے ایک ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے امور تکوینیہ میں تصرف عطا کیا تھا۔ اور انہیں حالات پر قابو دے دیا تھا انہوں نے غیب کی خبریں دیں۔ اور بے شمار امور خارقہ للعادات انکے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔

اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اشعتہ اللمعات صـ۱۱۶ ج ا پر تحریر فرماتے ہیں۔ " واولیار را کرامات وتصرف در اکوان حاصل است۔ اولیاء اللہ کو کرامات اور امور تکوینیہ میں تصرف حاصل ہوتا ہے "

اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ بعض امور میں انبیا اولیار عطار ایزدی سے خود تصرف کرتے ہیں۔ جیسا کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس میں سے بعض کو ہم نے ایاك نستعين کی بحث میں ذکر کیا ہے اور بعض امور

میں فقط اللہ تعالٰے سے دعا کرتے ہیں۔ بہرحال ہر دو باتوں کو ہم مبرہن بیان کر چکے ہیں۔ ولکن الوھابیہ قوم لا یعقلون

ص ۲۱۹ پر سرفراز صاحب نے مزید لکھا ہے کہ۔

" اگر بھلائی سے بقول مولوی نعیم الدین صاحب سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کر نا مراد ہو تو اس میں بھی ذاتی کی قید بالکل سینہ زوری ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عطائی نبوت اور عطائی رسالت کی بدولت بھی باذن اللہ تعالٰے بہت سے نافرمانوں کو فرمانبردار اور کافروں کو مومن اور سرکشوں کو مطیع بنایا۔ اگر مولوی نعیم الدین صاحب کی خانہ ساز منطق کا خیال ملحوظ رکھا جائے تو کسی کافر و مشرک کو کبھی ہدائت نہیں ہوتی۔ انتھی کلامہ۔

الجواب۔ ذاتی کی قید بالکل بجا اور برمحل ہے۔ البتہ گکھڑ کی کم فہمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ غور فرمایئے کہ اگر عطائی قدرت کافروں کو مومن بنانے میں کافی ہوتی تو کیا وجہ تھی کہ آپ کی بسیار کوشش کے باوجود ابولہب اور ابوجہل نے اسلام قبول نہیں کیا، اور بے شمار کفار زمانہ نبوت میں آپکی سعی بسیار کے باوجود کفر کی حالت پر مر گئے۔ پس اگر بقول سرفراز صاحب عطائی قدرت کافی تھی۔ تو آخر یہ لوگ کیوں نہ ایمان لائے۔ پس اسکے سوا اور کوئی وجہ نہیں جس طرح حضرت صدر الافاضل نے فرمایا ہے۔ کہ جس کو چاہیں مسلمان بنا دیں۔ یہ اللہ تعالٰے کی قدرت ذاتیہ سے ہی ممکن ہے۔ جس کی قدرت اور اختیار ذاتی ہو وہ جسے چاہے مشرف با اسلام کر سکتا ہے اور چونکہ یہ قدرت ذاتیہ اللہ تعالٰے ہی کا خاصہ ہے اسلئے جن کو اللہ تعالٰے نے چاہا۔ وہ اسلام لے آئے اور جن کا اسلام اللہ تعالٰے کی مشیت میں نہ تھا، وہ کفر پر مر گئے، اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطائی قدرت

واختیار کے مالک تھے۔ پس آپ کی تبلیغ کی وجہ سے جن لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالٰے نے قبولیت عطا کی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ اور جن کے دلوں میں اللہ نے یہ وصف پیدا نہ کیا وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اگر اللہ کی طرح حضور بھی (معاذ اللہ) ذاتی قدرت کے مالک ہوتے۔ تو جس طرح اللہ تعالٰے جسے چاہتا ہے مسلمان بنا دیتا ہے۔ اسی طرح حضور کو بھی یہ وصف حاصل ہوتا۔ اور پھر یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کہ مکہ کا کوئی شخص اسلام لائے بغیر مر جاتا۔ کیونکہ آپ ان سب کے اسلام پر حریص تھے۔ اور ان سب کا اسلام لانا چاہتے تھے۔ جس پر آپ کی شب و روز کی تبلیغ شاہد ہے۔ چنانچہ صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا۔ تو اے منافقین و کافرین تم سب کو مومن کر ڈالتا۔ انتہٰی کلامہ

پس ثابت ہوا کہ چونکہ آپ کی قدرت ذاتی نہ تھی۔ اس وجہ سے سب لوگ اسلام نہ لا سکے۔ جن کا اسلام اللہ تعالٰے نے چاہا وہ آپ کی عطائی قدرت سے مسلمان ہو گئے۔ اور یہی بات صدر الافاضل نے بھی تحریر فرمائی ہے جسے سمجھنے کے لئے سرفراز صاحب نے اس قدر ہنگامہ آرائی کی تھی اور اب بہر حال ہم نے انہیں سمجھا دیا۔ اللہ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ اور اسے ابناء بدعت کی ہدائیت کا سبب بنا دے (آمین)

حرفِ آخر

سرفراز صاحب نے کتاب کے آخر میں ص ۲۲۲ پر حقانیت کا یہ معیار مقرر کیا ہے۔ کہ قرآن و حدیث جو معنے سلف کی تفسیر کے مطابق ہو وہ مقبول ہے۔ ورنہ مردود ہے۔ ہمیں سرفراز صاحب کا یہ ضابطہ بسر و چشم منظور ہے۔ اور آپ نے ملاحظہ کر لیا ہو گا کہ ہمنے اپنی اس کتاب میں شروع سے آخر تک اس ضابطہ کو

برقرار رکھا ہے۔ قرآن کریم کی جس آیت سے استشہاد کیا ہے۔ اسے مفسرین کی تائیدات سے مزین کیا ہے۔ بلکہ فریق مخالف کے مسلم اکابر کے اقوال سے اتمام حجت کیا ہے۔ اس کے برخلاف آپ تنقید متین کو دیکھیں جس میں سرفراز صاحب نے آیاتِ الٰہیہ کو بازیچۂ اطفال بنایا ہے۔ اور اکثر مقامات پر من مانی تفسیر کی ہے۔ اور خانہ ساز تاویلوں سے قرآن کی اصل روح کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اب جویانِ حق کے لئے مشکل نہیں رہا کہ وہ سرفراز صاحب کے بیان کردہ ضابطہ پر ان کی کتاب اور اس پر ہمارے اس تبصرہ کو ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کرلیں۔ کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ اور باطل کی پرستش کون کرتا ہے اللہ تعالےٰ کا بے حد کرم ہے۔ اور اس کے رسول کریم کی بے پناہ عنایت ہے جس کی وجہ سے ہمیں یہ توفیق حاصل ہوئی۔ کہ ہم نے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ایک اجمالی کلمہ تفویض قلم کیا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کا ترجمہ اور صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تفسیر وہ بحر زخار ہے جس کی عظمتوں کا اندازہ کرنے کے لئے بھی ایک عظیم علم کی ضرورت ہے۔ ورنہ جہل کی عینک سے دیکھنے والوں کا وہی حشر ہوتا ہے۔ جو تنقید متین میں سرفراز صاحب کا ہوا ہے۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں سرفراز کا کوئی شبہ اور کوئی وسوسہ نہیں چھوڑا۔ مگر اس کا ازالہ کر دیا۔ اور ان کی مخترعہ بدعات اور خانہ ساز قواعد پر ایسے اشکالات قائم کئے ہیں۔ جو جان بحذیت پر قیامت تک کیلئے پہاڑ بن گئے ہیں۔ جن کے بوجھ سے وہ انشاء اللہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ بمطابق ملا آں باشد کہ چپ نہ شود۔ اس کے بعد بھی سرفراز صاحب سلسلہ خرافات شروع کردیں۔ لیکن جہاں تک اصولی مباحث کا تعلق ہے۔ ہم نے دیوبندی بدعت کا کلیتہً خاتمہ کر دیا ہے۔ اور صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی

تفسیر اور اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے جہل یا عناد کی بنا پر جو کیچڑ اچھالی تھی، اسے ہم نے ان کے چہرے کی طرف واپس لوٹا دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے، کہ یہ ترجمہ و تفسیر اہل سنت کے عقائد کا صحیح اور مدلل ترجمان ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کے فیض سے بہرہ مند فرمائے۔ اپنے حبیب اکرم کے صدقے سے اس سعی قلیل کو قبول فرما کر مقبول عام بنائے۔ ہمیں اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین رب العلمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالےٰ علےٰ حبیبہ محمد وعلےٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

طالب الدعاء ابو الوفا غلام رسول سعیدی غفرلہ۔

مدرس جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو۔ لاہور۔

گیارہ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ

تحائف حنفیہ بر سوالات وہابیہ

فرقہ غیر مقلدین کے ان سوالات کا منہ توڑ جواب جن کے جواب پر وہابیہ نے گیارہ ہزار نقد انعام رکھا تھا۔
از سید المناظرین مولانا محمد اجمل شاہ صاحب

قولِ فیصل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان و توحید کا قرآن و حدیث اور اقوالِ آئمہ سے ثبوت۔
ہدیہ ۵۰ پیسے
از اجمل الخطباء مولانا محمد اجمل شاہ صاحب

الخیرات الحسان عربی
ترجمہ جواہر البیان معہ

سیرت سراجِ امت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ہدیہ ۳ روپے ۵۰ پیسے

فیصلہ حق و باطل

اہلِ سنت کے عقائد و مسائل کی نفیس تحقیق اور فرقہ باطلہ کا رد و ابطال۔ (زیر طبع)
از اجمل العلماء مولانا محمد اجمل شاہ صاحب

فیض عام

فارسی
ترجمہ ارمغان عزیز
۱۳۸۶ھ
اعمال مستحبہ مسنونہ بصورت سوال جواب فارسی مع ترجمہ فارسی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ترجمہ علامہ مفتی اعجاز ولی خان رضوی
ہدیہ ۷۵ پیسے

رد سیف یمانی
در جوف لکھنوی و تھانوی

منظور نعمانی سنبھلی کی کتاب سیف یمانی کا رد بلیغ اور مدلل جواب۔
(ہدیہ ۵۰، ۷)
از اجمل الفضلاء مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی

فوٹو کا جواز در حق عازمان سفرِ حجاز

حج فرض کی ادائیگی کے لیے فوٹو کا جواز زبردست دلائل سے ثابت کیا گیا ہے
از مولنا محمد اجمل شاہ صاحب

توضیح البیان لخزائن العرفان

تنقید متین مصنفہ محمد سرفراز گکھڑوی کے رکیک اعتراضوں کے متین جوابات اور اہل سنت کے مسلک کی علمی مدلل تحقیق۔
از علامہ غلام رسول صاحب سعیدی۔ ہدیہ سفید ۸ روپے نیوز ۶ روپے

مذہبی کتابوں کا مرکز
رضوی کتب خانہ اردو بازار سرکلر روڈ، لاہور

مکتبہ نبویہ - مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور